جلد اوّل
جواہر الفقہ
فقہی رسائل و مقالات
کا نادر مجموعہ
مفتی اعظم پاکستان
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مکتبہ دارالعلوم کراچی

فقہی رسائل و مقالات
کا نادر مجموعہ

مفتی اعظم پاکستان
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جلد اوّل

مکتبہ دارالعلوم کراچی

اجمالی فہرست

جواہر الفقہ جلد اوّل تا جلد ہفتم

جواہر الفقہ جلد اول

جواہر الفقہ جلد دوم

جواہر الفقہ جلد سوم

جواہر الفقہ جلد چہارم

جواہر الفقہ جلد پنجم

جواہر الفقہ جلد ششم

جواہر الفقہ جلد ہفتم

تفصیلی فہرستِ مضامین

جواہرالفقہ جلداول

کتاب الایمان والعقائد

مضمون صفحہ

وصول الأفكار الى أصول الاكفار

مضمون | صفحہ

مضمون صفحہ

مضمون صفحہ

فصل فی الفرق الباطلة

مضمون | صفحہ

مضمون | صفحہ

فصل فی الفرق الاسلامیہ

الارشاد الی بعض احکام الالحاد

مضمون صفحہ

مضمون صفحہ

مضمون | صفحہ

مضمون صفحہ

مضمون صفحہ

مضمون صفحہ

⑨ اختلافات امت پر ایک نظر اور مسلمانوں کے لئے راہِ عمل ---------- ۴۲۹

مضمون صفحہ

کتاب السنة و البدعة

مضمون	صفحہ

مضمون | صفحہ

(۱۱) بدع الناس عن محدثات الاعراس

(۱۲) مروجہ صلوٰۃ وسلام کی شرعی حیثیت

(۱۳) مروجہ سیرت کمیٹی اور اس کی شرعی حیثیت

مضمون صفحہ

تعدیل الھادی فی تقبیل الایادی

حکم الاقساط فی حیلة الاسقاط

مضمون صفحہ

(۱۶) ترجمة المقالة المرضية فى حكم سجدة التحية المسمى باعدل التعليم فى حكم سجدة التعظيم...... ۵۶۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ کہ مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کے فقہی رسائل کا اہم مجموعہ جواہر الفقہ کئی ماہ بلکہ کئی سال کی محنت کے بعد اب سات جلدوں کے مجموعہ کی شکل میں طباعت کے لیے تیار ہے، جواہر الفقہ کا یہ مجموعہ دو جلدوں میں ۵۴ رسائل کے مجموعہ کی شکل میں اگر چہ کافی عرصہ سے شائع ہو رہا تھا، لیکن ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اس مجموعہ میں شامل رسائل کے علاوہ بھی حضرت قدس سرہ کے جو فقہی رسائل اب کمیاب ہوتے جا رہے ہیں، یا ان کی ضخامت کم ہونے کی وجہ سے انہیں علیحدہ رکھنے اور تلاش کرنے میں دقّت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وقت پر ان سے استفادہ مشکل ہو جاتا ہے ان سب رسائل کو اس جواہر الفقہ میں شامل کر کے یکجا محفوظ کر دیا جائے، تا کہ ان رسائل سے وقت پر استفادہ آسان ہو سکے۔

یہ فقہی رسائل جو قبولیتِ عامہ حاصل ہونے کی بناء پر بحمد اللہ عصرِ حاضر میں، اہم فقہی مآخذ کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں سب سے پہلے احقر کے والد ماجد مولانا محمد زکی کیفی رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش اور ترغیب پر ۱۹۷۵ھ میں جمع کئے گئے تھے اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب مدظلہم مفتیٔ اعظم پاکستان وصدرِ جامعہ دارالعلوم کراچی کے اپنے قلم سے موجود ہے، اب ۲۰۱۰ء میں حضرت

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی تحریک اور ان دونوں حضرات کی سرپرستی میں جواہر الفقہ کی ترتیبِ جدید کا یہ کام مکمل ہوا ہے، جس میں حضرت قدس سرہ کے ۱۰۵ فقہی رسائل سات جلدوں میں جمع کئے گئے ہیں، اس کام میں جناب محمد قاسم صاحب ناظمِ مکتبہ دارالعلوم کے علاوہ جامعہ دارالعلوم کراچی کے اساتذہ احقر محمود اشرف عفی عنہ، عزیزم جناب مولانا شفیع اللہ صاحب اور عزیزم جناب مولانا محمد یعقوب صاحب نے بڑی محنت سے حصہ لیا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اپنی بارگاہ سے جزائے خیر عطا فرمائیں اور اس قیمتی مجموعہ کو امتِ اسلامیہ کے لیے باعثِ خیر اور باعثِ ہدایت بنائیں۔ آمین

یہ بات بھی قارئین کے لیے خوش خبری کا باعث ہوگی کہ حضرت مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع قدس سرہ کے غیر فقہی رسائل یعنی جن کا تعلق فقہ سے نہیں بلکہ وہ سیرت، سوانح، تاریخ، ذکر اللہ اور تصوف وغیرہ سے متعلق ہیں ان کا مجموعہ بھی تیاری کے مراحل میں ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ یہ مجموعہ بھی جلد ہی جواہر الفقہ کے سیٹ کی طرح تیار ہو کر سامنے آجائے گا اس طرح حضرت قدس سرہ کے تحریر کردہ تمام جواہرات جو رسائل کی شکل میں متفرق طور پر شائع ہوتے رہتے ہیں وہ یکجا محفوظ ہو کر بآسانی آپ کو دستیاب ہوں گے۔

وفقنا اللّٰه تعالیٰ لما یحب ویرضاه وصلّی اللّٰه وسلّم وبارك علی حبیبنا وسیدنا محمد وآله وصحبه۔ والحمد للّٰه أولا وآخرا۔

احقر محمود اشرف غفر اللہ لہٗ
استاذ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

۸ر جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
۲۳ر مئی ۲۰۱۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

بقلم مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم
صدر جامعہ دارالعلوم کراچی

ایسے رسائل کی تصنیف کا سلسلہ زمانۂ قدیم سے چلا آتا ہے، جن میں کسی ایک مسئلہ کی تحقیق اس انداز میں کی گئی ہو کہ اس کے جملہ متعلقات کا ضروری مواد مرتب شکل میں جمع ہو جائے۔ ایسی تصنیف کو محدثین کی اصطلاح میں ''جزء'' اور عام علمی اصطلاح میں ''رسالہ'' کہا جاتا ہے۔

ایسے رسائل کی ابتدائی مثالیں عہد رسالت ﷺ اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی ملتی ہیں۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ''کتاب الصدقہ'' جو آپ ﷺ نے عاملوں کو بھیجنے کے لئے آخر عمر میں لکھوائی تھی۔ اور بعد میں وہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے پاس محفوظ رہی۔ اس میں زکوۃ کی شرحیں اور نصابوں کی تفصیلات درج تھیں۔

(ابوداؤد کتاب الزکوۃ ص: ۲۱۸ تا ۲۲۰، ج: ۱)

اسی طرح کا ایک رسالہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بحرین بھیجتے وقت لکھ کر دیا تھا، یہ بھی زکوٰۃ ہی کی تفصیلات پر مشتمل تھا۔ صحیح بخاری میں اس کے اقتباسات کئی جگہ آئے ہیں۔

(مثلاً ص: ۱۹۴ تا ۱۹۶، ج:۱ کتاب الزکوٰۃ)۔

عہد صحابہؓ کے بعد نت نئے حالات کی وجہ سے ایسے رسالوں کی ضرورت میں اضافہ ہوتا گیا، اور اس ضرورت کو پورا کرنے والے مردانِ علم وفضل بھی ہر زمانے میں پیدا ہوتے رہے، اس طرح مختلف فقہی مسائل پر ہر دور میں بے شمار مستقل رسالے لکھے گئے۔ اور بعض فقہاء کے ایسے رسائل کے متعدد مجموعے مرتب کرکے شائع کئے گئے، جو بعد کے اہل علم کے لئے نہایت مفید ثابت ہوئے۔ رسائل ابن نجیمؒ، رسائل ابن عابدین اور رسائل مولانا عبدالحی لکھنویؒ بھی اسی سلسلہ کی اہم کڑیاں ہیں۔

اس قسم کے رسالے اس لحاظ سے نہایت گراں قدر اور مفید ہوتے ہیں کہ ان میں مصنف ذہنی یکسوئی کے ساتھ صرف ایک مسئلہ کو اپنی تحقیق کا محور بناتا اور امکانی حد تک ان تمام کتابوں کو کھنگالتا ہے، جن میں متعلقہ مواد ملنے کا ادنیٰ احتمال بھی نظر آئے۔ وہ اپنی پوری تحقیقی صلاحیت اور نظر وفکر کے تمام اسلوب بروئے کار لاکر اپنی کاوش کا نچوڑ مختصر رسالہ میں جمع کردیتا ہے۔

اس نئے دور میں انگلستان کے صنعتی انقلاب اور فرانس کے سیاسی انقلاب نے جو گہرے اثرات پوری دنیا پر مرتب کئے، پھر جدید فلسفہ نئے نظام تجارت و معیشت، مغربی سیاست وقانون اور تہذیب جدید نے جن نوع بہ نوع گتھیوں کو جنم دیا، نیز نئے نئے فرقوں کی پیدائش اور طرح طرح کی گمراہیوں کے پھیلنے سے جو مسائل پیدا ہوئے، ان کا اسلامی حل پیش کرنا علماء عصر کی نازک ذمہ داری بن گئی

تھی۔ ماضی کی طرح اللہ تعالیٰ نے ایسے علماء وفقہاء اس دور میں بھی پیدا فرمادیئے، جنھوں نے اپنی تحقیق وتصنیف کے ذریعہ عصری پیچیدگیوں کو ضروری حد تک سلجھایا، اور ثابت کردیا کہ دین اسلام آج بھی وہ واحد دین ہے، جو ہر زمانہ کی ہر مشکل کا حل پیش کرسکتا ہے۔ اور انتہائی بدلے ہوئے حالات میں بھی اس کے احکام نہ صرف قابل عمل بلکہ دنیا وآخرت کی فلاح کے ضامن ہیں۔

اس صدی کے جن نامور محققین علماء وفقہاء نے یہ خدمت انجام دی، ان میں سرفہرست حکیم الامت، مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کا نام گرامی ہے، جن کی تقریباً ایک ہزار تصانیف اس صدی کا عظیم ترین علمی سرمایہ ہیں۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی تصانیف

والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کی ذات گرامی بھی اس صدی کے ان خوش بخت علماء کرام میں ممتاز مقام رکھتی ہے، جنہوں نے اس نازک کام میں بھرپور حصہ لیا۔ آپ کی دوسو کے قریب تصانیف جو تفسیر، حدیث، عقائد، فقہ، تصوف، تاریخ، سیاست، ادب، لغت، وعظ وارشاد غرض ہر دینی شعبے سے متعلق ہیں، ان سب کی ایک مشترک خصوصیت یہ ہے کہ ان میں عصر جدید کے ایسے مسائل کو خاص طور سے موضوع بحث بنایا گیا ہے، جن کے بارے میں سلف کی کتابوں میں تفصیلی مباحث نہیں ملتے۔

یہ تصانیف علوم ومعارف کا بیش بہا خزانہ ہونے کے علاوہ ایک لحاظ سے برصغیر پاک وہند کے ان تمام نظریاتی، سیاسی اور معاشرتی رجحانات کی تاریخ بھی ہیں۔ جو پچھلے پچاس برس میں امت کے مختلف طبقات میں پیدا ہوئے۔ کیونکہ اس

پوری مدت میں جو نیا مسئلہ پیدا ہوا، یا جس نئے فتنے نے علمی راہ سے ذہنوں کو مسموم کرنے کی کوشش کی، حضرت والد ماجد مدظلہم نے اس میں اپنے فتاویٰ، تصانیف، تحقیقی مضامین و مقالات اور رسائل سے امت کی بروقت رہنمائی فرمائی، اس طرح دین کے ہر شعبہ میں موصوف کی کئی کئی تصانیف وجود میں آگئیں۔ صرف فقہ پر آپ کی پچانوے (۹۵) تصانیف ہیں۔ جن میں سے بعض اگر صرف سات آٹھ صفحات پر مشتمل ہیں، تو بعض کی ضخامت نوسو تک پہنچی ہوئی ہے۔

مثلاً فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (اردو) اور احکام القران (عربی)۔

ان فقہی تصانیف کی ایک خاص اہمیت یہ ہے کہ یہ فقہی تحقیقات کے سلسلے کی ایک ناگزیر کڑی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان سے قطع نظر کر کے موجودہ بہت سے مسائل کا شرعی حل اگر ناممکن نہیں، تو انتہائی مشکل ضرور ہے۔ ان تصانیف کو اگر بیچ سے نکال دیا جائے، تو ماضی اور مستقبل کے درمیان ایسا خلا پیدا ہو جائے گا، جسے پر کرنا مستقبل کے اہلِ فتویٰ کے لئے انتہائی کٹھن مرحلہ ہوگا۔

والد ماجد مدظلہم کی ان فقہی تصانیف و رسائل کی ایک بڑی تعداد تو مستقل کتابی شکل میں شائع ہوتی رہی ہے، جن میں سے اکثر کے متعدد ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ نیز سات رسائل فقہیہ احکام القران (عربی) کا جزء بن کا طبع ہوئے ہیں۔ جن کا اردو ترجمہ کرنے کی ضرورت ہے، نہ معلوم یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے کس کی نصیب میں لکھی ہے۔ نیز اٹھارہ فقہی رسائل فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کا جزء بن کر شائع ہو چکے ہیں۔ ان سب تصانیف کا مختصر مختصر تعارف اس کتاب کے آخر میں قارئین کو ملے گا۔

جواہر الفقہ

پینتالیس فقہی رسائل ایسے تھے، جو یا تو اب تک طبع ہی نہیں ہو سکے تھے، یا محض کسی ماہنامہ وغیرہ میں ایک مضمون کی حیثیت سے شائع ہوئے تھے۔ یا طبع ہو کر نایاب ہو گئے تھے۔ یا نایاب بھی نہیں ہوئے تھے، مگر ضخامت بہت کم ہونے کے باعث ان کا الگ الگ محفوظ رکھنا، اور بروقت ان سے استفادہ آسان نہ تھا۔ باذوق اہل علم کا عرصہ سے اصرار تھا کہ ایسے سب رسائل کو ایک مجموعے کی شکل میں شائع کر دیا جائے تاکہ ان سے استفادہ آسان ہو، اور یہ عظیم علمی سرمایہ آئندہ نسلوں کے لئے بھی محفوظ ہو جائے۔ خصوصاً شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس سرہٗ جو والد ماجد کی تصانیف کے بجا طور پر بہت مداح اور قدر شناس تھے۔ اور ہر تصنیف کا ہر ایڈیشن حاصل کرنے کا اہتمام فرمایا کرتے تھے، ان کا تو ہمیشہ ہی یہ اصرار رہتا تھا۔

میرے برادر بزرگوار جناب مولانا محمد زکی صاحب کیفی رحمۃ اللہ علیہ جن کو آج ''رحمۃ اللہ علیہ'' لکھتے ہوئے جگر پاش پاش ہوا جاتا ہے، اور جو ابھی اٹھارہ روز قبل اچانک اس دار فانی سے کوچ فرما گئے، انہوں نے پچھلے سال لاہور میں اس کام کا آغاز نہایت اہتمام سے فرمایا، ایسے رسائل کو بمشکل تمام مختلف جگہوں سے حاصل کیا، بعد ازاں کراچی میں کچھ اور رسائل و مقالات حضرت والد صاحب مدظلہم کے مسودات میں اور کچھ ماہنامہ القاسم دیوبند، ماہنامہ المفتی دیوبند، اور ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی کے پرانے فائلوں میں دستیاب ہو گئے۔ اور جوں جوں تلاش جاری رہی، ایسے رسائل ملتے چلے گئے، یہ گراں مایہ رسائل جس انداز میں نایاب، منتشر یا مخفی ہو گئے تھے، خطرہ تھا کہ کچھ عرصہ بعد ضائع ہی ہو جاتے۔ غرض

ان تمام رسائل کو جمع کر کے حضرت والد ماجد مدظلہم کی اجازت سے مرتب کیا گیا۔ ہر رسالہ کی تاریخ ومقام تصنیف اور مختصر تعارف ہر رسالہ کے شروع میں لکھ دیا گیا۔ اسی اثناء میں بعض رسائل پر حضرت والد ماجد مدظلہم نے نظر ثانی بھی فرمائی، اس طرح فقہی رسائل کا یہ عظیم الشان مجموعہ بحمد اللہ تیار ہو گیا۔ برادر بزرگوار جناب مولانا محمد زکی صاحب کیفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مجموعہ کا نام ''جواہر الفقہ'' تجویز کیا تھا، جسے والد ماجد مدظلہم نے پسند فرمایا، اور اب اسی نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔

میری خوش نصیبی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جمع وترتیب میں احقر کو بھی کچھ وقت صرف کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ مگر افسوس ہے کہ اس کی تکمیل آج اس وقت ہو رہی ہے، جب مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی اور برادر بزگوار جناب بھائی جان برحمۃ اللہ علیہما اس دنیا میں اسے دیکھنے کے لئے موجود نہیں۔ ان دونوں حضرات کو اس مجموعے سے سب سے زیادہ دلچسپی تھی، وہی اس کے سب سے پہلے محرک تھے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور جنت الفردوس میں درجات عالیہ سے نوازے۔ آمین۔

اس مجموعے کی خصوصیات

۱......اس مجموعے میں حضرت والد ماجد مدظلہم کے صرف فقہی رسائل شامل کئے گئے ہیں۔ دوسرے دینی موضوعات پر ایسے رسائل کا مجموعہ الگ زیر ترتیب ہے۔

۲......اس مجموعہ میں فقہی رسائل بھی صرف وہ شامل کئے گئے ہیں جو:

الف......اب تک طبع نہیں ہوئے یا

ب...... کسی ماہنامہ وغیرہ میں مضمون کی حیثیت سے شائع ہوئے الگ کتابی شکل میں نہ

آئے تھے۔ یا

ج ......طبع ہوکرعرصے سے نایاب ہوگئے تھے، یا

د......نایاب بھی نہ تھے مگر ضخامت بہت کم ہونے کے باعث ان کا الگ الگ محفوظ رکھنا اور بروقت ان سے استفادہ آسان نہ تھا۔

۳......اس مجموعہ میں رسائل کی باہمی ترتیب امکانی حد تک ابواب فقہیہ کی ترتیب کے مطابق رکھی گئی ہے۔ مثلاً نماز سے تعلق رکھنے والے رسائل کو ان رسائل پر مقدم کیا گیا ہے جن کا تعلق روزہ اور رمضان سے ہے۔ اسی طرح آخر تک ہے۔

۴......ہر رسالہ کے شروع میں اس کا مختصر تعارف اور اس کی تصنیف کا پس منظر بیان کردیا گیا ہے۔

۵......اس مجموعہ کے بعض رسائل عوام کے لئے آسان زبان میں لکھے گئے تھے، اور اکثر کا اسلوبِ تحریر تحقیقی واصطلاحی ہے۔ کیونکہ وہ خاص اہل علم کے لئے لکھے گئے تھے۔

۶......تمام رسائل کی مفصل فہرست مضامین مجموعہ کے بالکل شروع میں ترتیب وار درج کر دی گئی ہے۔

۷......اکثر رسائل میں عنوانات خود حضرت والد ماجد مدظلہم کے قائم کردہ ہیں صرف تین رسالوں (۱) عائلی قوانین پر مختصر تبصرہ (۲) ملکی سیاست میں غیر مسلموں کے ساتھ اشتراک عمل کی حدود شرعیہ (۳) یتیم پوتے کی میراث، میں عنوانات احقر نے قائم کئے ہیں۔

۸......یہ سب کام مؤلف مدظلہم کے ایماء واجازت سے کیا گیا ہے۔

۹......ان میں سے کئی رسائل پر حضرت مؤلف مدظلہم نے حال ہی میں نظر ثانی فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ مشکل مسائل میں یہ عظیم مجموعہ عرصۂ دراز تک امت کی رہنمائی کرے گا۔

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین
والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد خاتم النبیین
وعلیٰ اٰلہ و اصحابہ اجمعین الیٰ یوم الدین

محمد رفیع عثمانی
صدر جامعہ دارالعلوم کراچی
۲۸ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ

ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ (القرآن)
اور جو منکر ہوا ایمان سے تو ضائع ہوئی محنت اس کی

ایمان اور کُفر
قرآن کی روشنی میں

تاریخ تالیف ـــــــــ ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ (مطابق ۱۹۵۳ء)

مقامِ تالیف ـــــــــ جامعہ دارالعلوم کراچی

زیرِ نظر رسالہ میں ایمان اور کفر کی حقیقت، اسلام اور مسلمان کی تعریف اور متعلقہ مباحث قرآن وسنت کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں اسی طرح اہلِ قبلہ کی تکفیر، تاویل اور تحریف میں فرق، کافر کی اقسام جیسے اہم مباحث اس تحریر میں واضح کردیئے گئے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ
خصوصاً علیٰ سیدنا محمد المصطفیٰ ومن بھدیہ اھتدیٰ.

ایمان، اسلام، کفر کے الفاظ جتنے ہر طبقہ میں متعارف ہیں کہ ہر فرقے کے ان پڑھ جاہل تک ان کو جانتے ہیں، اتنا ہی ان کی جامع مانع تعریف کرنا دشوار بھی ہے۔ اور یہ صرف کفر وایمان کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ عام متعارف اور زبان زد الفاظ جن کے معانی سمجھنے میں کسی بچہ کو بھی کوئی شک وشبہ نہیں ہوتا، جیسے ٹوپی، کرتہ، پاجامہ، جوتہ، مکان، میز، کرسی، لوٹا، گلاس وغیرہ لیکن اگر انہیں الفاظ میں سے کسی لفظ کی جامع مانع تعریف کا سوال پیدا ہو، تو بڑے سے بڑا ماہر چکرائے گا، اور پورے غور وفکر کے بعد بھی جو تعریف کرے گا، اس میں یہ خطرہ رہے گا کہ شاید اس کے مفہوم کے بعض افراد رہ گئے ہوں، یا غیر مفہوم کے افراد اس میں داخل ہو گئے ہوں۔

علماء سلف، مفسرین، محدثین، فقہاء ومتکلمین نے ایمان واسلام کی مکمل تعریف، پھر کفر کی تعریف، اور اس کے اقسام پر طویل مباحث، اور مستقل رسالے لکھے ہیں۔ اس آخری دور میں مخزن علوم اسلامیہ سند العلماء استاذ الاساتذہ سیدی واستاذی حضرت العلامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ

سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند نے اس موضوع پر ایک نہایت مکمل اور مفصل کتاب بنام ''اکفار الملحدین'' تصنیف فرمائی ہے۔ سبب تصنیف یہ تھا کہ کفر کی ایک خاص قسم جس کو زندقہ یا الحاد کہتے ہیں، اور یہی اس زمانہ کا کفر نفاق ہے، اس کو اسلام وایمان سے ممتاز کرنا، اور مسلمان اور زندیق میں فرق کرنا ہمیشہ غور طلب مسئلہ رہا ہے۔ اور اس زمانہ میں علوم قرآن وحدیث سے عام ناواقفیت کی بناء پر یہ اور بھی مشکل ہو گیا۔ ملحدین اور زنادقہ کی بن آئی کہ اسلام کے بھیس میں بدترین کفر کی تبلیغ کرتے رہیں، اور مسلم معاشرہ کا جزء بنے رہیں، اور مسلمانوں کے مار آستین بن کر ان کو ڈستے رہیں۔ بہت سے نیک دل مسلمان بھی اس فتنہ کے شکار ہونے لگے کہ جو شخص بھی اپنے آپ کو مسلمان کہے اس کو مسلمان سمجھنا چاہئے، خواہ وہ عقائد واعمال کچھ بھی رکھتا ہو، اور آج کل کے عرف میں اس کو سیاسی دانشمندی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کسی حقیقت یا عقیدہ ونظریہ کا نام نہیں، بلکہ ایک بے معنی لفظ ہے، جس کا جی چاہے اپنے عقائد اپنے خیالات اپنے اعمال پر قائم رہتے ہوئے مسلمان ہو سکتا ہے۔ اسلام اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتا۔

اس فتنہ کے ہولناک نتائج اسلام اور مسلمانوں کے لئے جس قدر تباہ کن تھے، وہ محتاج بیان تھیں۔ اس لئے کفر کی اس قسم کو جو اسلام کے لباس اور اسلام کے دعویٰ کے ساتھ عمل میں آتی ہے، پوری طرح واضح کرنا وقت کا ایک اہم مسئلہ بن گیا۔

خصوصاً اس معاملہ میں دو چیزیں ایسی تھیں کہ ان میں عوام سے گذر بعض خواص اہل علم بھی اشتباہ میں پڑ سکتے ہیں۔

الف: عام طور پر فقہاء وعلماء کی تصریحات موجود ہیں کہ جو شخص کسی عقیدہ

کفریہ کا قائل ہو مگر صاف طور پر نہیں، بلکہ تاویل کے ساتھ قائل ہو، اس کو کافر نہ کہا جائے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو شخص بھی دعوائے اسلام کے ساتھ کسی کافرانہ عقیدہ وقول کو اختیار کرتا ہے، تو کسی نہ کسی تأویل کی آڑ لے کر ہی اختیار کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ پھر وہی نکلتا ہے کہ کسی مدعی اسلام کو کافر کہنا جائز نہ ہو۔ حالانکہ نصوص قرآن وحدیث اس کے خلاف شاہد ہیں۔ اس لئے ضرورت تھی کہ فقہاء ومتکلمین کے اس متفقہ اصول کی وضاحت کی جائے کہ تاویل کے ساتھ کسی عقیدۂ کفریہ کا قائل ہونا موجبِ کفر نہیں۔

ب: یہ مسئلہ بھی ایک صحیح وصریح حدیث سے ثابت اور علماء وفقہاء کے نزدیک مسلمہ ہے کہ کسی اہلِ قبلہ کو کافر نہ کہا جائے۔ اس کا نتیجہ بھی بظاہر یہی نکلتا ہے کہ جو مدعی اسلام کعبہ کو اپنا قبلہ قرار دے، پھر خواہ وہ اللہ ورسول کے بارے میں کیسے ہی غلط عقائد رکھتا ہو، اور توہین کرتا ہو، اس کو کافر نہ کہا جائے۔

یہ دونوں شبہات چونکہ علمی رنگ کے ہیں، اس لئے اور بھی ضروری ہوا کہ ان کی اصل حقیقت کو واضح کیا جائے۔ اس لئے حضرت الاستاذ حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ اور ایسی بے نظیر کتاب تصنیف فرمائی کہ اس سے پہلے کوئی کتاب اتنی جامع نظر نہیں آئی۔

مگر اس کے ساتھ ہی اول تو یہ کتاب عربی زبان میں ہے، دوسرے حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کی اس رفعت علمی کی آئینہ دار ہے، جس تک پہنچنے کے لئے خود ایک بڑا علم درکار ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عوام تو اس کے استفادہ سے محروم تھے ہی، روز بروز استعداد علمی کے تناقص نے اکثر اہل علم کو بھی محروم کر دیا، اس تصنیف کے شائع ہونے کے بعد ہی سے بہت سے حضرات کا مطالبہ تھا کہ اس کے مضامین کو آسان ترتیب کے ساتھ سلیس اردو میں لکھا جائے۔ بہت سے دوستوں نے احقر کو

بھی اس ضرورت کی طرف توجہ دلائی اور خود بھی اس کی ضرورت کا احساس پہلے سے تھا۔

لیکن بحکم قضاء وقدر یہ کام آج تک تعویق میں پڑا رہا۔ اب جب کہ پاکستان میں قادیانی فتنہ نے نیا جنم لیا(۱) اور کفر و اسلام میں تلبیس کرنے والے پرانے شکاری نئے جال لے کر میدان میں آئے تو یہ مسئلہ اسلامیان پاکستان کے لئے پھر از سر نو معرکہ بحث بن گیا۔ اس وقت ضرورت کا احساس دو چند ہوگیا۔ اور بنام خدا تعالیٰ زیر نظر اوراق کی کتابت شروع کی۔

اس میں استاذ محترم کے تمام مواد بحث اور تحقیقات کو پورا لے لیا گیا ہے، مگر ترتیب و بیان سب اس ناکارہ کا ہے۔ اور استاذ محترم کا روئے سخن چونکہ ایک خاص فتنہ اور خاص اعتراضات کے جواب کی طرف تھا، اس لئے اسلام و ایمان یا کفر اور اس کی اقسام کی پوری تحقیق اس کتاب میں نہ تھی۔ اس کا احقر نے اضافہ کیا، اور کسی خاص فرقہ کے عقائد و خیالات کو مدار بحث بنائے بغیر عمومی اور کلی طور پر مسئلہ کفر و اسلام کو واضح کرنے کی کوشش کی۔ اور اب الحمد للہ یہ کتاب مسئلہ کفر و اسلام کی تمام ضروری مباحث پر حاوی اور ازالہ شبہات کے لئے کافی ہوگئی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ ولی التوفیق وھو بہ حقیق۔

بناء پاکستان کے وقت مسئلہ کفر و اسلام کے ساتھ ایک اور بحث کا دروازہ کھلا کہ دنیا میں قوموں کی تقسیم و تفریق نسل و وطن اور رنگ ولسان کی بنیاد پر ہے یا مذہب یعنی کفر و اسلام کی بنیاد پر۔ پھر بناء پاکستان کے بعد بھی یہ بحث مختلف صورتوں سے سامنے آتی رہیں۔ اس لئے شروع میں اس مسئلہ پر بھی قرآن و

(۱) اور پنجاب کی تحقیقاتی عدالت میں مسلمان اور کافر اور اسلام اور کفر کی تعرف کے متعلق سوالات کئے گئے۔ ۱۲

حدیث کی روشنی میں ایک مختصر جامع شذرہ لکھا گیا۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

مقیم کراچی۔ بمقام لاہور
جمادی الاولیٰ ۱۳۷۳ھ
جنوری ۱۹۵۴ء

مقدمہ

ایک قوم کو دوسری قوم سے جدا کرنے والے اصول

تمام انسان اصل میں ایک قوم اور ایک ملت تھی، ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہوئے تھے، اور انسانیت کے ابتدائی دور میں سب کے نظریات وعقائد اور معاشی و معاشرتی اصول بھی ایک ہی تھے۔ سب ایک خدا کو ماننے والے، اور اس کے احکام کو جو بذریعہ رسول ان تک پہنچے واجب الاتباع سمجھنے والے تھے۔ پھر جوں جوں ان کے افراد دنیا میں پھیلتے گئے، اور ایک دوسرے سے دوری ہوتی گئی، اور بڑھتے بڑھتے یہ دوری مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک پوری زمین کے اطراف پر حاوی ہوگئی۔ تو معاشی اور معاشرتی اصول میں فرق پڑا، بول چال میں اختلاف آیا، زبانیں مختلف ہوگئیں، اسی کے ساتھ عقائد ونظریات بھی متاثر ہوئے، خدا پرستی کی جگہ مخلوق پرستی کا دروازہ کھلا، اور خدا کی مخلوق مختلف اقوام میں بٹ گئی۔ اور قومیتوں کی جنگ شروع ہوگئی۔ اقوام کے باہمی تنازع کے ساتھ تعاون وتناصر کی ضرورت پیش آئی، تو مختلف گروہوں نے مختلف اصول پر اپنے اپنے اعوان وانصار بنائے۔ شروع میں آبادی کی چار سمت مشرق، مغرب، جنوب اور شمال کے اصول پر دنیا میں چار قومیں سمجھی گئیں۔ پھر زمین کی سات اقلیموں کی بنیاد پر سات قومیں مانی گئیں۔ (ملل ونحل شہرستانی صفحہ ۲)

پھر کسی نے نسل ونسب کی بنیاد پر اپنی قوم کو یکجا کر کے دوسرے قبائل وانساب کے مقابلہ پر نبرد آزما کر دیا۔ کسی نے جغرافیائی اور وطنی یا لسانی بنیادوں پر لوگوں کو اپنی قوم بنالیا، اور جو ان بنیادوں میں ان سے مختلف تھے، ان کو جداگانہ اور حریف

قوم قرار دیا۔ کسی نے نظریات و عقائد کو قومیت کی بنیاد بنا کر مخلوق پرستوں کو ایک قوم بنایا، اور خالص خدا پرستوں کو حریف قوم قرار دیا۔ ع

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی صلاح و فلاح کے لئے ہر قرن میں اور ہر امت میں اپنے انبیاء بھیجے۔

وَاِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (القرآن)

ہر ایک امت میں (ہماری طرف سے) کوئی ڈرانے والا ہو گذرا ہے۔

ان سب انبیاء کی ایک ہی تعلیم تھی کہ یہ خود ساختہ اختلافات ختم کر کے پھر ملت واحدہ بن جاؤ۔ مخلوق پرستی کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کی پرستش کرو۔ نسلی، جغرافیائی اور لسانی امتیازات کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیاں اور صرف معاشرت میں سہولت پیدا کرنے کے اسباب اور نعمتیں سمجھو۔ ان کو قومی تفرقہ کی بنیادیں نہ بناؤ، جس کو کچھ ماننے والوں نے مانا اور بدبختوں نے انکار و مقابلہ کی راہ اختیار کی، جس سے کفر و اسلام کی جنگ چھڑ گئی۔

ہمارے رسول خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بھی تمام انبیاء کی سنت کے مطابق یہی پیغام لائے، اور سب سے زیادہ مؤثر طریقہ پر اس کو پھیلایا۔ قرآن نے ایک طرف تو نسلی، وطنی اور لسانی امتیازات کو آیات قدرت اور نعمائے الٰہیہ کہہ کر ان کو صحیح مقام بتلایا کہ وہ معاشرت میں سہولت پیدا کرنے کے اسباب ہیں، قومیتوں کی بنیادیں نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہوں ارشادات قرآنی:

وَمِنْ آيَاتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ۔ (روم: پ: ۲۱)

اور اس کی نشانیوں میں سے زمین و آسمان کا پیدا کرنا ہے اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا، بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں جہاں والوں کے لئے۔

جَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا

ہم نے تمہیں شاخوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تا کہ تم پہچانے جاؤ

اور دوسری طرف قدیم وحدت کو از سر نو قائم کرنے کی دعوت دی۔ آیت مذکورہ بالا سے پہلے ارشاد ہوا:

(۱) یاایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی ماں باپ کے جوڑے سے پیدا کیا۔

(۲) خلقکم من نفس واحدة وخلق منھا زوجھا (نساء)

تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس جوڑے کو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخر عمر میں حجۃ الوداع کا خطبہ دیتے ہوئے جہاں اسلامی دستور کے اور بنیادی اصول بتلائے وہیں یہ بھی ارشاد فرمایا:

ایھا الناس ربکم واحد لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقویٰ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم

اے لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ اسی طرح کسی گورے کو کالے اور کالے کو گورے پر کوئی تفوق حاصل نہیں مگر تقویٰ کی وجہ سے۔

بے شک تم میں سب سے زیادہ مکرم اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔

الغرض اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا خلاصہ یہ تھا کہ فرقہ وارانہ اور صوبجاتی اختلافات کی دلدل میں پھنسی ہوئی دنیا کو پھر ایک صحیح متحدہ قومیت کی طرف لائیں، جو ان کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کی میراث تھی، اس کے لئے دو طریق اختیار کئے گئے۔

اول ...... قومیتوں کی تقسیم و تفریق کی جو غلط بنیادیں نسلی، لسانی اور وطنی اصول پر لوگوں نے بنالی تھیں، ان کو یکسر باطل قرار دیا۔ کیوں کہ اگر ان بنیادوں پر قوموں کی تقسیم اور انسانیت کا تفرقہ تسلیم کرلیا جائے، تو اولاً تو یہ خلاف عقل ہے کہ کسی زمین یا کسی خاندان میں پیدا ہونے کی غیر اختیاری اور ضعیف وجہ سے کوئی شخص قومی اور اجتماعی معاملات میں دوسروں سے علیحدہ قوم سمجھا جائے۔ ثانیاً اگر انسان کی متحدہ قومیت میں اس کے تفرقے قبول کرلئے جائیں تو ان کو کسی وقت اور کسی حال میں مٹایا نہیں جاسکتا، جو شخص عرب یا عجم کے کسی خاندان میں پیدا ہو چکا ہے، اب اس کے اختیار میں نہیں کہ دوسرے خاندان میں پیدا ہو جائے۔ اسی طرح جو ایشیا میں پیدا ہوا وہ یورپ میں دوبارہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ الغرض یہ جغرافیائی، وطنی، لسانی اور نسلی تفرقے بہت سی حکمتوں پر مبنی ہیں۔ ان کا مٹانا نہ کسی کے اختیار میں ہے، اور نہ کسی عقلمند کو ان کے مٹانے کی کوشش کرنا چاہئے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ان امتیازات کی حد اور ان کا صحیح مقام پہچاننا چاہئے کہ ان کی غرض صرف معاشی و معاشرتی سہولتیں ہیں اور بس، قومیتوں کی جدائی کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

دوسرا طریق ...... دعوت اتحاد کا یہ تھا کہ نظریات و عقائد کی بناء پر قومیت

کی تفریق کا اصول تو تسلیم ہے کہ خدا کے ماننے والے اس کے منکروں کے ساتھ مل کر ایک قوم نہیں ہو سکتے، بلا شبہ جو لوگ خدا اور اس کے رسولوں کے منکر ہوں گے، وہ ماننے والوں سے علیحدہ دوسری ملت اور قوم قرار دیئے جائیں گے۔ قرآن نے اسی اصول کی بناء پر فرمایا:

خلقکم فمنکم کافر ومنکم مؤمن

اس نے تم کو پیدا کیا سو تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مؤمن

نیز ارشاد ہوا:

انا ھدیناہ السبیل اما شاکراً و اما کفوراً

ہم نے بلاشبہ انسان کو راہ بتادی خواہ وہ شکر گزار بنے یا ناشکرا۔

اور ایک جگہ اسی نظریاتی اور عقائد کے اختلافات کی بناء پر ایک گروہ کو حزب اللہ اور دوسرے کو حزب الشیطان کا لقب دیا۔

الغرض عقائد و نظریات کے اختلاف کو قوموں کے تفرقہ کا سبب اصولی طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ پھر اس تفریق کو مٹانے کے لئے خدا پرستی کے اصولِ صحیحہ اور عقائدِ حقہ کی اشاعت و تبلیغ اور مخلوق پرستی یا انکار خدا اور رسول جیسے عقائدِ باطلہ کے مقاصد اور ان کی دنیوی و اخروی تباہ کاری کو بیان کر کے خلقِ خدا کو ان سے بچانے کی تدبیریں اختیار کیں، اور نصیحت و ہمدردی کا کوئی پہلو اٹھا نہیں رکھا، جس کے ذریعہ ناعاقبت اندیش انسانوں کو تباہی کی طرف جانے والے راستہ سے روکا نہ گیا ہو۔

لیکن بہت سے بدنصیب اور بے بصیرت انسانوں نے اس ہمدردی کو دشمنی سمجھا، اور عداوت و پیکار پر آمادہ ہو گئے۔ جس کے نتیجے میں کفر و اسلام کی جنگ چھڑ

گئی۔ اب اگر کوئی شخص اس جنگ کو ختم کرنا چاہے تو اس کے دو ہی راستے ہیں، ایک یہ کہ خدا پرست اہل حق اپنے نظریہ کو چھوڑ کر منکروں اور کافروں کے سامنے ہتھیار ڈال دیں، اور خدا کی مخلوق کو منکرین خدا کے حوالہ کردیں، یعنی دوسرے لفظوں میں شفیق ڈاکٹر بیمار کی غلط روش سے عاجز آکر اپنے ہاتھ سے اس کو زہر پلادے۔

یا پھر صورت یہ ہے کہ غلط کار منکرین خدا و رسول اپنی روش سے باز آجائیں۔ ان دونوں طریق میں سے پہلا طریق تو معقول نہیں، اور دوسرا اپنے اختیار میں نہیں، اس لئے یہ کفر و اسلام کا اختلاف اس وقت تک جاری رہنا ناگزیر ہے، جب تک کہ منکرینِ خدا اور رسول یا ہوش میں آجائیں، یا ختم ہوجائیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کی اصل دعوت حقیقت میں ایک اصلی اور صحیح متحدہ قومیت کی ہے، جو وطنی اور لسانی بنیادوں پر نہیں، بلکہ اصول صحیحہ اور عقائد حقہ پر مبنی ہو، جس میں خدا اور اس کے رسولوں کی مخالفت کا گزر نہ ہو، اس لئے جو لوگ اس متحدہ قومیت کے منشور سے جدا ہوگئے، وہ جدا قوم اور جدا ملت کہلائے۔ یہیں سے دوقومی نظریہ پیدا ہوگیا، جس نے پاکستان بنوایا۔

ہندوستان میں جنگ آزادی کا سلسلہ ایک زمانہ سے جاری تھا، مگر اس کے بعض علمبرداروں نے نور و ظلمت کے متضاد عناصر یعنی کفر و اسلام سے مرکب ایک غلط متحدہ قومیت کا نامعقول اور ناقابل عمل نظریہ بنا رکھا تھا۔ چند علمائے ربانی اس نظریہ کی عین گرما گرمی کے وقت بھی مسلمانوں کو ہمیشہ اسی دوقومی نظریہ کی طرف رہنمائی فرماتے رہے، مگر اس وقت یہ آواز نہ سنی گئی۔ اور بالآخر جنگ آزادی کی بیل اسی وقت منڈھے چڑھی، جب کہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس صحیح دو قومی (ٹونیشن) نظریہ کی قائل ہوکر اور اسی کو بنیاد قرار دے کر میدان عمل میں

اتر آئی۔

پاکستان کے ہر باشندہ بلکہ دنیا کے سب مسلمانوں کو حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور قائد اعظم اور ان کے رفقاء کار میں سے شیخ الاسلام حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہمیشہ شکر گزار رہنا چاہیے، جنھوں نے مسلمانوں کو صحیح راہ دکھائی، اور اس کے نتیجہ میں حق تعالیٰ نے ان کو ایک آزاد و خودمختار سلطنت بخشی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایک قوم کو دوسری قوم سے جدا کرنے کے اسباب دنیا میں مختلف سمجھے گئے تھے، لیکن اسلام نے اپنی تعلیمات سے واضح کر دیا کہ قوموں کی تفریق و تقسیم صرف ایک ہی اصول، یعنی خدا کو ماننے یا نہ ماننے کی بنیاد پر ہو سکتی ہے، جس کا نام اسلام اور کفر ہے۔ دوسری کوئی چیز ایسی نہیں، جو انسانیت کے ٹکڑے کر کے ان کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے۔ مقدمہ ختم ہوا، اب اس رسالہ کا اصل مقصد شروع کیا جاتا ہے۔

واللہ الموفق والمعین

ایمان اور کفر کی تعریف

یہ ظاہر ہے کہ خدا کو ماننا اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا نام ہے، اور نہ ماننا نافرمانی کا۔ پھر خدا کی فرمانبرداری یعنی ''اس کی پسند و ناپسند کو پہچان کر پسندیدہ چیزوں کو اختیار کرنا اور ناپسندیدہ سے بچنا۔'' اس دنیا میں بغیر اس کے عادۃً ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی پیغام لانے والا رسول آئے، جو اس کی پسند و ناپسند کو ممتاز کر کے بتلا دے۔ کیونکہ انسان محض اپنی عقل سے تو اپنے باپ، بھائی، بیٹے اور دوست کی پسند و ناپسند کو بھی ممتاز نہیں کرسکتا، جب تک کہ خود اس کے کلام یا طرزِ عمل سے اس کا اظہار نہ ہو جائے۔ تو پھر حق تعالیٰ جس کی ذات انسانی ادراک و دسترس سے بالاتر ہے، اس کی پسند و ناپسند کا ادراک انسان محض اپنی عقل سے کیسے کرسکتا ہے۔ یہی حکمت ہے انبیاء علیہم السلام کے دنیا میں بھیجنے کی۔

الغرض اس دنیا میں خدا کے ماننے کا صرف ایک طریق ہے کہ اس کے رسول کی لائی ہوئی ہدایات کو دل اور زبان سے تسلیم کرے، اسی کا نام اسلام ہے۔ اور اس کی ہدایات کو تسلیم نہ کرنے کا ہی نام کفر ہے۔

مذہب کا سب سے بڑا بنیادی مسئلہ ایمان و کفر ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے اپنی سب سے پہلی سورۃ (بقرہ) کی سب سے پہلی آیات میں اسی مضمون کو بیان فرمایا۔ بلکہ پورے عالم کو تین گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ مؤمن، کافر اور منافق۔ سورۃ بقرۃ کی ابتدائی چار آیتیں مؤمنین کی شان میں اور بعد کی دو آیتیں کفار کے بارے میں آئی ہیں، اور اس کے بعد تیرہ آیتیں منافقین کے حال میں ہیں۔ یہ تین گروہ حقیقت میں دو ہی ہیں، کیونکہ کافر اور منافق اصل میں ایک ہی گروہ ہے، لیکن

منافقین کی ظاہری صورت عام کفار سے مختلف ہونے کی بناء پر ان کا بیان علیحدہ کیا گیا۔ چونکہ کفار کا یہ گروہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے زیادہ خطرناک اور اشد ہے، اس لئے اس کے حالات کا بیان زیادہ تفصیل سے تیرہ آیتوں میں کیا گیا ہے۔ یہ پوری انیس آیتیں ہوگئیں، ان میں سے چند مع ترجمہ درج ذیل ہیں:

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

(۱) الم ذالک الکتٰب لاریب فیه هدیً للمتقین الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰة ومما رزقنٰهم ینفقون والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک و بالآخرة هم یوقنون اولٰئک علیٰ هدیً من ربهم و اولٰئک هم المفلحون.

یہ کتاب ایسی ہے، جس میں کوئی شبہ نہیں، راہ بتانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو، وہ خدا سے ڈرنے والے لوگ ایسے ہیں، جو یقین لاتے ہیں، چھپی ہوئی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو، اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ ایسے ہیں، جو یقین رکھتے ہیں، اس وحی پر جو آپ کی طرف اتاری گئی، اور اس وحی پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری گئی۔ اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں۔ بس یہ لوگ ہیں ٹھیک راہ پر، جو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے، اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب۔

(۲) ان الذین کفروا سواء علیهم ء انذرتهم ام لم

تنذرھم لا یؤمنون ختم اللہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ سمعھم وعلیٰ ابصارھم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم.

بیشک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں، ان کے حق میں برابر ہے خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہ لائیں گے۔ بند لگا دیا اللہ نے ان کے دلوں پر، اور ان کے کانوں پر، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ اور ان کے لئے سزا بڑی ہے۔

(۳) ومن الناس من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الآخر وما ھم بمؤمنین

اور لوگوں میں بعض ایسے جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر، اور آخری دن پر حالانکہ وہ بالکل ایمان والے نہیں۔

''المفلحون'' تک چار آیتوں میں مؤمنین کا بیان ہے۔ اور اس کے بعد ''عذاب عظیم'' تک کفار کا، اور اس کے بعد ''ومن الناس'' سے منافقین کا بیان شروع ہوا ہے۔ اور اس کے ضمن میں ایمان وکفر اور مؤمن وکافر اور منافق کی تعریف بھی آگئی۔ ابتدائی چار آیتیں جو مؤمنین کے بارہ میں آئی ہیں، ان میں اولاً مؤمن اور ایمان کا اجمالی ذکر کیا گیا۔ الذین یؤمنون بالغیب یعنی وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غیب سے اس جگہ وہ تمام اعتقادیات مراد ہیں، جو انسان کی نظر و مشاہدہ سے غائب ہیں۔ جیسے فرشتے، قیامت، جنت، دوزخ، پل صراط اور میزان عدل وغیرہ۔ (تفسیر ابن کثیر وخازن وغیرہ)

اس اجمال میں لفظ بالغیب لانے سے اس طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ ان کا ایمان حاضر وغائب پر یکساں ہے۔ ان کے مقابل فریق منافقین کی طرح نہیں،

جس کا حال اگلی آیات میں یہ بیان ہوا ہے کہ: **واذا لقوا الذین اٰمنوا قالوا اٰمنا واذا خلوا الیٰ شیٰطینھم قالوا انا معکم** یعنی جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، اور جب کفار کے پاس جاتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

اس ایمانِ اجمالی کی تفصیل بعد کی تیسری آیت میں مکمل تعریف کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ **الذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالآخرۃ ھم یوقنون**۔ یعنی وہ لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ کتاب اور شریعت پر بھی ایمان لائے، اور آپ سے پہلے انبیاء پر نازل شدہ وحی اور شریعت پر بھی، اور وہ آخرت کا بھی یقین رکھتے ہیں۔

ایمان کا سب سے پہلا جزء جو اللہ پر ایمان لانا ہے، اس کو صراحۃً ذکر کرنے کی اس لئے ضرورت نہ سمجھی گئی کہ جب اللہ پر ہی کسی کا ایمان نہ ہو، تو اس کے کسی رسول یا وحی پر ایمان لانے کے کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے۔ اور اسی سورۃ کے ختم پر جب مکرر ایمان کے مفہوم کی تشریح فرمائی گئی، تو وہاں ایمان باللہ کو صریح ان لفظوں میں ذکر بھی کر دیا گیا۔

اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون کل اٰمن باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ.

عوام میں جو ایمان مجمل و مفصل مشہور ہیں، یہ غالباً اسی پر مبنی ہیں۔ ایمان مجمل سورۃ بقرۃ کی پہلی آیات سے اور ایمان مفصل اس کی آخری آیات سے لیا گیا ہے۔

پس آیت مذکورہ سے ایمان کے تین بنیادی اصول معلوم ہوئے۔ (۱) اللہ پر ایمان لانا۔ (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء سابقین کی سب وحیوں

پر ایمان۔ (۳) آخرت پر ایمان۔ اور یہی تین چیزیں درحقیقت ایمان کے اصول ہیں، باقی سب فروع ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فیصل التفرقة فی الاسلام الزندقة میں لکھا ہے:

اصول الایمان ثلثة الایمان بالله و برسوله وباليوم الآخرة و ما عداه فروع

ایمان کے اصول تین ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان۔ (۲) اس کے رسول پر ایمان۔ (۳) اور قیامت پر ایمان۔ اس کے ماسوا سب فروع ہیں۔

اور ان اصول کو بھی کوئی مختصر کرنا اور چاہے، تو صرف ایمان بالرسول میں سب اصول آجاتے ہیں۔ کیونکہ جب تک اللہ پر ایمان نہ ہو، اس کے رسول پر ایمان ہو ہی نہیں سکتا۔ اور رسول پر ایمان ہو جائے، تو یوم قیامت پر ایمان خود اس کے اندر داخل ہے۔ کیونکہ ایمان بالرسول سے ان تمام ہدایتوں پر ایمان لانا مراد ہے، جو رسول نے پیش کی ہیں۔ اور ظاہر ہے ان ہدایتوں میں روز قیامت کی تصدیق بھی ایک بہت بڑی ہدایت ہے۔ اسی لئے ائمہ اسلام نے ایمان کی تعریف اس طرح فرمائی ہے:

هو تصديق النبى صلى الله عليه وسلم فيما علم مجيئه بالضرورة

ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے کا نام ہے، ہر اس چیز میں جس کا ثبوت آپ سے قطعی اور بدیہی طور پر ہو جائے۔

فائدہ متعلقہ ختم نبوت

اس آیت میں ایمان اور مؤمن کی تعریف کے ضمن میں ایک لطیف طریقہ پر یہ بتلایا دیا گیا ہے کہ سلسلہ نبوت و رسالت و وحی رسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے۔ کیونکہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ وحی پر ایمان لانے کے ساتھ صرف انبیاء سابقین اور ان کی وحی پر ایمان لانے کی تلقین ہے، انبیاء مابعد کا کوئی ذکر نہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر آپ کے بعد بھی کسی قسم کا تشریعی نبی مبعوث ہونے والا ہوتا، تو جس طرح انبیاء سابقین کی وحی پر یقین کرنے کو جزء ایمان قرار دیا گیا، اسی طرح انبیاء مابعد پر ایمان لانے کا ذکر بھی ضروری تھا۔ بلکہ ایک حیثیت سے انبیاء مابعد کا ذکر بہ نسبت انبیاء سابقین کے زیادہ ضروری تھا، کیونکہ انبیاء سابقین کا ذکر تو خود قرآن میں بھی آچکا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریحات وتوضیحات میں اس سے زیادہ آچکا ہے۔ اس کے متعلق امت کے گمراہ ہونے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ بخلاف اس نبی کے جو آئندہ مبعوث ہونے والا ہوتا کہ اس کے حالات وعلامات سے امت واقف نہیں، اور امت کو بلا واسطہ اس سے سابقہ پڑنا تھا، اور اس کے ماننے یا نہ ماننے پر امت کی نجات یا ہلاکت کا دارومدار ہوتا۔ ایسی حالت میں خدا کی آخری کتاب اور رؤف رحیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض ہوتا کہ آئندہ مبعوث ہونے والے نبی کی پوری کیفیات و حالات و علامات کو ایسی طرح واضح کرتے کہ اس میں کسی اشتباہ والتباس کی گنجائش نہ رہتی، اور پھر امت کو اس پر اور اس کی وحی پر ایمان لانے اور اس کی اطاعت کرنے کے غیر مبہم احکام بکرّات ومرّات قرآن وحدیث میں مذکور ہوتے۔

مگر بجائے اس کے ہوا یہ کہ قرآن نے جہاں اصول ایمان کا تذکرہ کیا تو انبیاء سابقین اور ان کی وحی پر ایمان لانے کو جزو ایمان کی حیثیت سے ذکر فرمایا،

اور بعد میں مبعوث ہونے والے کسی نبی یا رسول کا یا اس کی وحی کا نام تک نہ لیا۔ پھر ایک جگہ نہیں قرآن میں دس سے زیادہ آیات اسی مضمون کی آئی ہیں، جن میں آپ سے پہلے آنے والی وحی پر ایمان لانے کی تاکید ہے بعد کی کسی وحی یا نبی کا تذکرہ تک نہیں۔

یہ قرآن کی ایک کھلی ہوئی شہادت اس امر پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔ صرف عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آخر زمانہ میں آئیں گے، جو پہلے مبعوث ہو چکے ہیں، اور جن پر امت محمدیہ پہلے سے ایمان رکھتی ہے۔ لہٰذا کوئی نیا پیدا ہونے والا شخص اس امت کو اپنی نبوت و وحی کی طرف دعوت دے کر امت کے لئے مدار نجات نہیں بن سکتا۔ واللہ الموفق والمعین

مؤمن و کافر کی تعریف اور کفر کی اقسام

اس عنوان کا اگرچہ مجمل خاکہ عنوان اول کے ضمن میں آچکا ہے، لیکن پوری وضاحت کے لئے اس کی تشریح اس عنوان میں لکھی جاتی ہے جس کا مبنیٰ وہی آیات ہیں، جن کا ذکر عنوان اول میں آیا ہے۔ اور چونکہ اسلام و کفر کی تعریف میں چند اصطلاحی الفاظ کا استعمال ہوتا ہے، اس لئے ان الفاظ کی تعریفات پہلے لکھی جاتی ہیں۔

تعریفات

ایمان......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی تصدیق ہر اس چیز میں جس کا ثبوت آپ سے قطعی اور بدیہی طور پر ہو چکا ہو بشرطیکہ اس کے ساتھ اطاعت کا اقرار بھی ہو۔

اسلام......اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری

کا اقرار بشرطیکہ اس کے ساتھ ایمان یعنی تصدیق قلبی موجود ہو۔

کفر......جن امور کی تصدیق ایمان میں ضروری ہے، ان میں سے کسی امر کی تکذیب وانکار۔

مؤمن......وہ شخص جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل سے تصدیق کرے ہر اس امر میں جس کا ثبوت آپ سے قطعی اور بدیہی طور پر ہو چکا ہو، بشرطیکہ زبان سے بھی اس تصدیق کا اور اطاعت کا اقرار کرے۔

مسلمان......وہ شخص جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کرے، بشرطیکہ دل میں بھی ان کی تصدیق رکھتا ہو۔

کافر......وہ شخص جو ان میں سے کسی ایک چیز کا دل سے انکار یا زبان سے تکذیب کردے۔

اسلام و ایمان اور مسلم و مؤمن میں فرق

لغۃً ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے، اور اسلام اطاعت و فرمانبرداری کا۔ ایمان کا محل قلب ہے، اور اسلام کا محل قلب، اعضاء وجوارح ہیں۔ لیکن شرعاً ایمان بغیر اسلام کے اور اسلام بغیر ایمان کے معتبر نہیں، یعنی اللہ اور اس کے رسول کی محض دل میں تصدیق کر لینا شرعاً اس وقت تک معتبر نہیں، جب تک زبان سے اس تصدیق کا اظہار اور اطاعت وفرمانبرداری کا اقرار نہ کرے۔ اور اطاعت وفرمانبرداری کا اقرار اس وقت تک معتبر نہیں، جب تک اس کے ساتھ دل میں اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق نہ ہو۔

الغرض لغوی مفہوم کے اعتبار سے ایمان و اسلام الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں۔ اور قرآن حدیث میں اسی لغوی مفہوم کی بناء پر ایمان واسلام کے اختلاف

کا ذکر بھی ہے۔ لیکن خود قرآن وحدیث کی ہی تصریحات کے مطابق یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شرعاً کوئی ایمان بدون اسلام کے یا اسلام بدون ایمان کے معتبر نہیں۔ اسی مضمون کو بعض اہل تحقیق نے اسطرح بیان فرمایا ہے کہ ایمان واسلام کی مسافت تو ایک ہے۔ فرق مبدء اور منتہیٰ میں ہے۔ ایمان قلب سے شروع ہوتا ہے، اور ظاہر پر منتہی ہوتا ہے۔ اور اسلام ظاہر سے شروع ہو کر قلب پر منتہی ہوتا ہے۔ اگر قلبی تصدیق ظاہری اقرار وغیرہ تک نہ پہنچے، تو وہ تصدیق ایمان معتبر نہیں۔ اسی طرح ظاہری اقرار واطاعت اگر تصدیق قلبی تک نہ پہنچے وہ اسلام معتبر نہیں۔ (افادہ الاستاذ العلامۃ مولانا انور شاہ قدس سرہٗ).

اب جب ایمان واسلام کا لغوی اور شرعی مفہوم متعین ہو گیا، تو مؤمن ومسلم کا مفہوم بھی ظاہر ہو گیا۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم کی شرح میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس میں امام غزالیؒ اور امام سبکیؒ کی یہی تحقیق لکھی ہے، جو اوپر گزر چکی، امام سبکیؒ کے چند جملے یہ ہیں:

الاسلام موضوع للانقياد الظاهر مشروطا فيه الايمان والايمان موضوع للتصديق الباطن مشروطا فيه القول عند الامكان (فتح الملهم جلداول: ص: ۱۵۱)

''اسلام'' موضوع ہے ظاہری اطاعت وفرمانبرداری کے لئے، مگر اس میں ایمان شرط ہے۔ اور ایمان موضوع ہے باطنی تصدیق کے لئے، مگر اس میں زبان سے کہنا بھی شرط ہے بوقت امکان۔

اور شیخ کمال الدین بن ہمامؒ شارح ہدایہ نے اپنی عقائد کی مستند ومشہور کتاب اور اس کی شرح مسامرہ میں امت محمدیہ کا اتفاق اس پر نقل فرمایا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

وقد اتفق اهل الحق وهم فريقا الاشاعرة والحنفية على تلازم الايمان والاسلام بمعنى انه لا ايمان يعتبر بلا اسلام وعكسه اى لا اسلام يعتبر بدون ايمان فلا ينفک احدهما عن الآخر. (ص: ۱۸۶ : ۲،طبع مصر)

اور اہلِ حق نے اتفاق کیا ہے، اور وہ دونوں گروہ اشاعرہ اور حنفیہ ہیں کہ ایمان اور اسلام باہم متلازم ہیں۔ یعنی ایمان بلا اسلام کے معتبر نہیں، اور نہ اس کا عکس یعنی نہ اسلام بلا ایمان کے معتبر۔ پس ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔

ثبوتِ قطعی

جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بذریعہ تواتر ہم تک پہنچی ہے، اس کا ثبوت قطعی ہے۔ جیسے قرآن، نمازوں کی تعداد، تعداد رکعات اور رکوع وسجود وغیرہ کی کیفیات، اذان، زکوٰۃ کی تفصیلات، حج اور اس کی بہت سی تفصیلات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نبوت وغیرہ۔

تواتر کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر ہم تک ہر قرن ہر زمانہ میں دنیا کے مختلف خطوں میں اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے اتنی تعداد میں رہے ہوں کہ ان سب کا غلطی یا کذب پر متفق ہو جانا عقلاً محال سمجھا جاتا ہو۔

ثبوتِ بدیہی

جس کو عرف فقہاء اور متکلمین میں ضروری یا بالضرورۃ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ ہے کہ تواتر کے ساتھ ساتھ اس کی شہرت تمام خاص وعام مسلمانوں

میں اس درجہ ہو جائے کہ عوام تک اس سے واقف ہوں۔ جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا فرض ہونا، اذان کا سنت ہونا اور نبوت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو جانا وغیرہ۔

ضروریات دین

جو چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بذریعہ تواتر اس درجہ شہرت و بداہت کے ساتھ ثابت ہوں کہ ہر خاص و عام اس سے باخبر ہو، ان کو فقہاء اور متکلمین کی اصطلاح میں ضروریات دین کہا جاتا ہے۔

تنبیہ:

ایمان بہت سی مجموعی چیزوں کی تصدیق و تسلیم کا نام ہے، جن کا ذکر اوپر تعریف میں آچکا ہے، لیکن کفر میں ان سب چیزوں کا انکار یا تکذیب ضروری نہیں، بلکہ ان میں سے کسی ایک چیز کی تکذیب و انکار بھی کفر ہے، خواہ باقی سب چیزوں کو صدق دل سے قبول کرتا ہو۔ اسی لئے ایمان اور اسلام ایک ہی حقیقت ہے، اور کفر کی بہت سی اقسام ہوگئی ہیں، جن میں سے دو بنیادی قسمیں تو قرآن کی مذکورہ آیات سورۃ بقرہ میں بیان کردی گئیں۔ ایک کفر ظاہر اور دوسرے کفر نفاق باقی اقسام کی تفصیل وتشریح اب بیان کی جاتی ہے۔

واللہ الموفق والمعین

کفر اور کافر کے اقسام

اس رسالہ کا اصل موضوع بحث یہی مضمون ہے۔ جیسا کہ تمہید میں لکھا جا چکا ہے۔

مذکور الصدر تفصیل میں یہ معلوم ہو چکا کہ کفر تکذیب رسول کا نام ہے۔ پھر تکذیب کی چند صورتیں ہیں۔ اور ان صورتوں کے اختلاف ہی سے کفر کی چند اقسام بن جاتی ہیں، جن کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب **فیصل "التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ"** نیز اپنی کتاب **"الاقتصاد فی الاعتقاد"** میں اور حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ اپنے فتاویٰ میں اور امام بغویؒ نے آیت **"ان الذین کفروا سواء علیھم"** الآیہ کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ نیز علم عقائد وکلام کی مستند کتب شرح مواقف وشرح مقاصد میں بھی ان کا تفصیلی ذکر ہے۔ ان اقسام تکذیب کا خلاصہ یہ ہے:

۱...... ایک تکذیب کی صورت تو یہ ہے۔ کوئی شخص صراحۃً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول ہی تسلیم نہ کرے۔ جیسے بت پرست، یہود اور نصاریٰ۔

۲...... دوسری یہ کہ رسول تسلیم کرنے کے بعد باوجود آپ کے کسی قول کو صراحۃً غلط یا جھوٹ قرار دے، یعنی آپ کی بعض ہدایات پر ایمان رکھے، اور بعض کی تکذیب کرے۔

۳...... تیسری یہ کہ کسی قطعی الثبوت قول یا فعل رسول کو یہ کہہ کر رد کر دے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل نہیں ہے۔ یہ بھی درحقیقت رسول کی تکذیب ہے۔

۴...... چوتھی صورت یہ ہے کہ قول و فعل کو بھی تسلیم کرتے ہوئے اس کے مفہوم کی تاویل کر کے قرآن و حدیث کی قطعی تصریحات کے خلاف کسی خود ساختہ مفہوم پر محمول کرے۔ کفر و تکذیب کی یہ صورت چونکہ دعوائے اسلام اور ادائیگی شعائر اسلام کے ساتھ ہوتی ہے، اس لئے اس میں اکثر لوگوں کو بہت مغالطہ پیش آتا ہے۔ خصوصاً جب اس پر نظر کی جائے کہ تاویل کے ساتھ انکار کرنا باتفاق علماء تکذیب میں داخل نہیں۔ اور ایسے شخص کو کافر بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اور ظاہر ہے کہ ملحدین بھی کسی تاویل کا سہارا ضرور لیتے ہیں، اس لئے اس قسم کی تشریح و توضیح زیادہ ضروری ہے، تاکہ تاویل اور الحاد میں فرق معلوم ہو سکے۔ اور معلوم ہو جائے کہ تاویل کے محل میں تاویل موجب کفر نہیں۔ مگر الحاد و زندقہ کی تاویل بالاجماع موجب کفر ہے۔ اس لئے اس مضمون کو تفصیل کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

کفر، زندقہ والحاد

تکذیب کی یہ چوتھی صورت قرآن کی اصطلاح میں ''الحاد'' اور حدیث میں ''الحاد'' و ''زندقہ'' کے نام سے موسوم ہے۔

الذین یلحدون فی اٰیاتنا لایخفون علینا أ فمن یلقی فی النار خیر ام من یاتی اٰمنا یوم القیامة . الایة

عن ابن عمر قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول "سیکون فی هذه الامة مسخ ألا و ذٰلک فی المکذبین بالقدر والزندقیة" اخرجه الامام احمد فی مسنده ص:۱۰۸، ج:۲ و قال فی الخصائص سنده صحیح و فی منتخب کنز العمال ص:۵۰ ج:۶ مرفوعاً ما یفسرها

جو لوگ ہماری آیات میں الحاد کرتے ہیں، وہ ہم سے پوشیدہ نہیں۔ کیا وہ شخص جو جہنم میں ڈالا جائے گا بہتر ہے یا وہ جو امن کے ساتھ آئے گا قیامت کے دن۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے: کہ ''عنقریب اس امت میں مسخ ہوگا، اور سن رکھو کہ وہ تقدیر کو جھٹلانے والوں میں ہوگا، اور زندیقین میں'' اس کو امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ اور خصائص میں کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ اور منتخب کنز العمال ص: ۵۰ ج: ۲ میں مرفوعاً ایک روایت ہے، جو اس کی تفسیر کرتی ہے۔

امام بخاریؒ نے اس قسم کی تکذیب کے متعلق صحیح بخاری میں ایک مستقل باب لکھا ہے: ''باب قتل من ابی قبول الفرائض وما نسبوا الی الردة'' اس باب میں اس قسم کی تکذیب کو بھی ارتداد قرار دیا ہے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے مسوّیٰ شرح مؤطا میں اس قسم کی تکذیب کے متعلق لکھا ہے۔

وان اعترف به ظاهرا و لكن يفسر بعض ما ثبت من الدين ضرورة بخلاف ما فسره الصحابة و التابعون واجمعت عليه الامة فهو الزنديق كما اذا اعترف بان القرآن حق و ما فيه من ذكر الجنة والنار حق لكن المراد بالجنة الابتهاج الذى يحصل بسبب الملكات المحمودة والمراد بالنار هى الندامة التى تحصل بسبب الملكات المذمومة وليس فى الخارج جنة و لا نار فهو زنديق. (مسوى شرح مؤطا، ص: ١٣٠، ج: ٢)

اور اگر اقرار تو کرے اس کا ظاہری طور پر، لیکن دین کی بعض ان چیزوں کی جو ثابت ہیں، ایسی تفسیر بیان کرے، جو صحابہ اور تابعین اور اجماع امت کے خلاف ہو، تو وہ زندیق ہے۔ مثلاً یہ تو اقرار کرے کہ قرآن حق ہے، اور جو اس میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے، وہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن جنت سے مراد وہ خوشی وفرحت ہے، جو اخلاق حمیدہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اور دوزخ سے مراد وہ ندامت ہے، جو اخلاق مذمومہ کے سبب حاصل ہوتی ہے۔ ویسے کوئی نہ جنت ہے، نہ دوزخ۔ پس یہ شخص زندیق ہے۔

تاویل اور تحریف میں فرق

ثم التاویل تاویلان تاویل لا یخالف قاطعا من الکتاب والسنة واتفاق الامة وتاویل یصادم ما ثبت بقاطع فذالک الزندقة فکل من انکر رؤیة الله تعالیٰ یوم القیامة او انکر عذاب القبر وسوال المنکر والنکیر او انکر الصراط والحساب سواء قال لا اثق بهؤلآء الرواة او قال اثق بهم لکن الحدیث مؤول ثم ذکر تاویلاً فاسدا لم یسمع من قبله فهو الزندیق او قال ان النبی صلی الله علیه وسلم خاتم النبوة ولکن معنی هذا الکلام انه لا یجوز ان یسمی بعده احد بالنبی واما معنی النبوة وهو کون الانسان مبعوثا من الله تعالیٰ الیٰ الخلق مفترض الطاعة معصوما من الذنوب ومن البقاء علیٰ الخطاء فیما یری فهو موجودة فی الائمة بعده فذالک الزندیق. (ازتصانیف حضرت شاہ ولی الله)

پھر تاویل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تاویل تو وہ ہے، جو کتاب و سنت اور اتفاق امت کی کسی قطعی بات کی مخالف نہیں۔ اور ایک تاویل وہ ہے جو ان مذکورہ چیزوں سے ثابت شدہ کسی حکم قطعی کی مصادم ہو۔ پس یہ شکل ثانی ''زندقہ'' ہے۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا منکر ہو، قیامت کے روز یا عذاب قبر کا منکر ہو، اور منکر اور نکیر کے سوال کا منکر ہو یا پل صراط اور حساب کا منکر ہو، خواہ وہ یوں کہے کہ مجھے ان راویوں پر اعتبار نہیں، اور یا یوں کہے کہ ان راویوں کا تو اعتبار ہے، مگر حدیث کے معنی دوسرے ہیں۔ اور یہ کہہ کر ایسی تاویل بیان کرے، جو اس سے پہلے نہیں سنی گئی، پس وہ ''زندیق'' ہے۔ یا یوں کہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبوۃ ہیں، لیکن اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد کسی شخص کا نام ''نبی'' رکھنا جائز نہیں، مگر نبوۃ کے معنی اور مصداق، یعنی انسان کا خداتعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہونا مخلوق کی طرف، کہ اس کی اطاعت فرض اور وہ گناہوں سے معصوم ہو، اور اس بات سے معصوم ہو کہ اگر اس کی رائے میں غلطی ہو، تو وہ اس پر باقی رہے۔ تو یہ معنی اور مصداق آپ کے بعد ائمہ میں موجود ہیں۔ پس یہ شخص ''زندیق'' ہے۔

تکذیب رسول کی یہ چوتھی صورت جس کا نام زندقہ و الحاد ہے، درحقیقت نفاق کی ایک قسم ہے، اور عام نفاق سے زیادہ اشد اور خطرناک ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب کہ سلسلہ وحی منقطع ہو گیا، اور کسی شخص کے دل میں چھپے ہوئے کفر و نفاق کے معلوم ہونے کا ہمارے پاس کوئی قطعی ذریعہ نہیں ہے،

تو اب منافق صرف ان ہی لوگوں کو کہہ سکتے ہیں، جن سے اسلام کا مدعی ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ اقوال یا اعمال ایسے سرزد ہو جائیں جو ان کے باطنی کفر کی غمازی کریں۔ زندقہ والحاد اسی کی ایک مثال ہے۔ اور اسی لئے عمدۃ القاری شرح بخاری میں اور تفسیر ابن کثیر میں آیت فی قلوبھم مرض (بقرہ) کے تحت میں حضرت امام مالکؒ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

المنافق فی عھد رسول الله صلی الله علیه وسلم ھو الزندیق الیوم (تفسیر ابن کثیر جلد اول ص: ۴۶ طبع مصر)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی کے دل میں کفر و نفاق کتنا ہی چھپا ہو، لیکن ہمارے پاس اس کا ذریعہ علم نہ ہونے کے باعث ہم اس کو کافر یا منافق نہیں کہہ سکتے۔ اب نفاق کی ایک ہی قسم موجود ہے، جس کو زندقہ کہتے ہیں۔ یعنی دعوائے اسلام اور شرائع اسلام کا پابند ہونے کے ساتھ کوئی عقیدہ کفریہ رکھنا یا ضروریاتِ دین میں تاویل باطل کر کے اس کے اجماعی معنی میں تحریف کرنا۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے (جو کہ امت کے مُسلم امام ہیں، اور تمام اسلامی فرقے ان کی امامت کے قائل ہیں۔ خدا بخش قادیانی نے اپنی کتاب ''عسل مصفٰی'' میں جس کو مرزا غلام احمد نے حرفاً حرفاً سن کر تصدیق کی ہے، صفحہ: ۱۶۴ پر مجددین اسلام کی فہرست لکھتے ہوئے امام غزالیؒ کو پانچویں صدی ہجری کا مجدد قرار دیا ہے) امام غزالیؒ نے مسئلہ کفر و ایمان میں الحاد و زندقہ کی شدید مضرت اور اس مسئلہ کی نزاکت کا خیال فرما کر ایک مستقل کتاب ''التفرقة بین الاسلام والزندقه'' تصنیف فرمائی، جس میں قرآن و سنت اور عقل و نقل سے واضح کر دیا کہ تاویل اور الحاد میں کیا فرق ہے، اور یہ کہ زنادقہ وملاحدہ کی اسلامی برادری میں کوئی جگہ نہیں، وہ دائرہ اسلام سے قطعاً خارج ہیں۔ اگرچہ وہ اپنے آپ کو مسلمان

کہیں نیز کسی مدعی اسلام کے کافر قرار دینے میں جو احتیاط لازم ہے، اس کے پیشِ نظر امام موصوف نے اس کتاب میں ایک زریں وصیت اور ضابطہ بیان فرمایا ہے۔ اس کو مع ترجمہ کے لکھا جاتا ہے:

فصل......اعلم ان شرح ما یکفر به وما لا یکفر به یستدعی تفصیلاً طویلاً یفتقر الیٰ ذکر کل المقالات والمذاهب وذکر شبهة کل واحد ودلیله و وجه بعده عن الظاهر و وجه تاویله وذالک لا تحویه مجلدات ولیس یسمح لشرح ذلک اوقاتی فاقتنع الآن بوصیة وقانون اما الوصیة فان تکف لسانک عن اهل القبلة ما امنک ما داموا قائلین لا اله الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه غیر مناقضین لها و المناقضة تجویز هم الکذب علیٰ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بعذر او غیر عذر فان التکفیر فیه خطر والسکوت لا خطر فیه واما القانون فهو ان تعلم ان النظریات قسمان قسم یتعلق باصول العقائد و قسم یتعلق بالفروع واصول الایمان باللّٰه وبرسوله و بالیوم الآخر و ما عداه فروع (واعلم ان الخطاء فی اصل الامامة وتعینها و شروطها و ما یتعلق بها لا یوجب شئ منه تکفیراً فقد انکر ابن کیسان اصل وجوب الامامة و لا یلزم تکفیره یلتفت الیٰ قوم یعظمون امر الامامة و یجعلون الایمان بالامام مقروناً بالایمان بالله و برسوله والیٰ خصومهم المکفرین لهم بمجرد مذهبهم فی الامامة فکل ذالک اسراف اذ

لیس فی واحد من القولین تکذیب الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم اصلاً) و مهما وجد التکذیب وجب التکفیر و ان کان فی الفروع فلو قال قائل مثلاً : البیت الذی بمکۃ لیس ھی الکعبۃ التی امر اللّٰہ بحجھا فھذا کفر اذ قد ثبت تواتراً عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خلافہ ولو أنکر شھادۃ الرسول لذالک البیت بانہ الکعبۃ لا ینفعہ انکارہ بل یعلم قطعاً انہ معاند فی انکارہ الا ان یکون قریب عھد بالاسلام و لم یتواتر عندہ ذالک و کذالک من نسب عائشۃ رضی اللّٰہ عنھا الیٰ الفاحشۃ وقد نزل القرآن ببرائتھا فھو کافر لان ھذا وامثالہ لا یمکن الا بتکذیب او انکار و التواتر ینکرہ الانسان بلسانہ و لا یمکنہ ان یجھلہ بقلبہ نعم لو انکر ما ثبت باخبار الآحاد فلا یلزمہ بہ الکفر و لو انکر ماثبت بالاجماع فھذا فیہ نظر لان معرفۃ کون الاجماع حجۃ مختلف فیہ فھذا حکم الفروع و اما الاصول الثلثۃ فکل ما لم یحتمل التاویل فی نفسہ و تواتر نقلہ و لم یتصور ان یقوم برھان علیٰ خلافہ فخلافہ تکذیب محض و مثالہ ما ذکرناہ من حشر الاجساد و الجنۃ والنار و احاطۃ علم اللّٰہ تعالیٰ بتفاصیل الامور ومایتطرق الیہ احتمال و لو بالمجاز البعید فینظر فیہ الیٰ برھان فان کان قاطعاً وجب القول بہ لکن ان کان فی اظھارہ مع العوام ضرر لقصور

فهمهم فاظهاره بدعة وان لم يكن البرهان قاطعاً يعلم ضرورة في الدين كنفي المعتزلة للرؤية عن الباري تعالىٰ فهذا بدعة وليس يكفر واما ما يظهر له ضرر فيقع في محل الاجتهاد و النظر فيحتمل ان يكفر ويحتمل ان لا يكفر (ثم قال) ولا ينبغي ان نظن ان التكفير و نفيه ينبغي ان يدرك قطعاً في كل مقام بل التكفير حكم شرعي يرجع الىٰ اباحة المال و سفك الدم او الحكم بالخلود في النار فمأخذه كمأخذ سائر الاحكام الشرعية تارة يدرك بيقين و تارة بظن غالب و تارة يتردد فيه و مهما حصل التردد فالتوقف في التكفير اولى و المبادرة الىٰ التكفير انما يغلب علىٰ طباع من يغلب عليهم الجهل)

و لابد من التنبيه بقاعدة اخرىٰ فهو ان المخالف قد يخالف نصاً متواتراً و يزعم انه مأول و لكن تاويله لا انقداح له اصلا في اللسان لا على قرب ولا على بعد فذالك كفر و صاحبه مكذب و ان كان يزعم انه مأول.

جاننا چاہئے کہ اس بات کی شرح کرنے کے لئے کہ کیا چیزیں موجب تکفیر ہیں اور کیا نہیں، بہت تفصیل طویل درکار ہے، کیونکہ اس میں ضرورت ہے، تمام مقالات و مذاہب کے ذکر کرنے کی اور ہر ایک کا شبہ اور اس کی دلیل اور اسکے بعد کی وجہ ظاہر ہے، اور اس کی تاویل کی وجہ۔ اور یہ متعدد جلدوں میں بھی نہیں سما سکتا،

اور نہ اس کی شرح کے لئے میرے وقت میں گنجائش ہے، اس لئے میں اس وقت ایک قانون اور ایک وصیت پر اکتفا کرتا ہوں۔

وصیت...... سو وصیت تو یہ ہے کہ تم اپنی زبان کو اہل قبلہ کی تکفیر سے روکو جب تک ممکن ہو۔ یعنی جب تک وہ لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ کے قائل رہیں، اور اس سے مناقضہ نہ کریں۔ اور مناقضہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کے غلط اور جھوٹ ہونے کو جائز سمجھیں، خواہ کسی عذر سے یا بغیر عذر کے۔ کیونکہ تکفیر میں تو خطرہ ہے، اور سکوت میں کوئی خطرہ نہیں۔

ضابطہ تکفیر...... اور قانون یہ ہے کہ تمہیں معلوم کرنا چاہیے کہ نظریات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے، جو اصول عقائد سے متعلق ہے۔ اور دوسری قسم وہ ہے، جو فروع کے متعلق ہے۔ اور ایمان کے اصول تین ہیں۔ اول: اللہ پر ایمان لانا۔ دوم: اس کے رسول پر بھی۔ سوم: قیامت کے دن پر۔ اور ان کے علاوہ جو ہیں فروع ہیں۔ اور جاننا چاہیے کہ خطاء (غلطی) امامت کی اصل، اور اس کے تعین، اور اس کی شروط وغیرہ میں، جیسا کہ روافض و خوارج میں پائی جاتی ہے، ان میں سے کوئی چیز بھی موجب تکفیر نہیں ہے۔ کیونکہ ابن کیسان نے امامت کے اصل وجوب ہی کا انکار کیا ہے۔ اور انہیں لازم ہے اس کی تکفیر۔ اور نہیں التفات کیا جائے گا اس قوم کی طرف، جو امامت کے معاملہ کو عظیم سمجھتے ہیں۔ اور امام کے ساتھ ایمان لانے کو خدا اور رسول کے ساتھ ایمان

لانے کے برابر کرتے ہیں۔ اور نہ ان کے مخالفین کی طرف التفات کیا جائے گا، جو ان کی تکفیر کرتے ہیں، محض اس لئے کہ وہ مسئلہ امامت میں اختلاف رکھتے ہیں۔ یہ سب حد سے گزرنا ہے۔ کیونکہ ان دونوں اقوال میں سے کسی میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب بالکل لازم نہیں آتی۔ اور جس جگہ تکذیب پائی جائے گی، تو تکفیر ضروری ہوگی۔ اگرچہ وہ فروع ہی میں ہو۔ مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ جو گھر مکہ معظّمہ میں ہے، وہ کعبہ نہیں ہے، جس کے حج کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، تو یہ کفر ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ اس کے خلاف ثابت ہے۔ اور اگر وہ اس امر کا انکار کرے، اور کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھر کے کعبہ ہونے کی شہادت ہی نہیں دی، تو اس کا انکار اس کو نافع نہ ہوگا۔ بلکہ اس کا اپنے انکار میں معاند ہونا قطعی طور پر معلوم ہو جائے گا۔ بجز اس کے کہ وہ نیا نیا مسلمان ہوا ہو، اور یہ بات اس کے نزدیک ابھی حد تواتر کو نہ پہنچی ہو۔

اور اسی طرح جو شخص حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت باندھے۔ حالانکہ قرآن مجید میں اس کی برأت نازل ہو چکی۔ تو وہ بھی کافر ہے۔ کیونکہ یہ اور اس جیسی باتیں بغیر تکذیب اور انکار کے ممکن نہیں۔ اور تواتر کا کوئی انسان زبان سے خواہ انکار کردے، مگر یہ ناممکن ہے کہ اس کا قلب اس سے ناآشنا ہو، ہاں! البتہ اگر کسی ایسے امر کا انکار کرے، جو خبر واحد سے ثابت ہے، تو اس سے کفر لازم نہ آئے گا۔ اور اگر کسی ایسی چیز کا انکار کرے، جو

کہ اجماع سے ثابت ہے، تو اس میں ذرا تامل کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اجماع کا حجت ہونا مختلف فیہ ہے۔ تو اس کا حکم فروع کا ہو گا۔ اور اصول ثلاثہ کے متعلق یہ ہے کہ جو فی نفسہ تاویل کو محتمل نہیں اور اس کی نقل تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور اس کے خلاف کسی دلیل کے قائم ہونے کا تصور نہیں ہوسکتا، سو اس کی مخالفت کرنا تو تکذیب ہے، اور اس کی مثال وہی ہے جو ذکر ہو چکی ہے یعنی حشر ونشر اور جنت ودوزخ اور حق تعالیٰ کے علم کا تمام امور کی تفصیلات پر محیط ہونا۔ اور جو اس میں سے ایسے ہیں کہ ان میں احتمال کی راہ ہے، اگرچہ مجاز بعید ہی کے طریق پر ہو، تو اس میں دلیل کی طرف دیکھا جائے گا۔ پس اگر دلیل قطعی ہو، تب تو اس کا قائل ہونا واجب ہے۔ لیکن اگر اس کے ظاہر کرنے میں عوام کا ضرر ہو، بوجہ ان کے قصور فہم کے، تب تو اس کا ظاہر کرنا بدعت ہے۔ اور اگر دلیل قطعی نہ ہو۔ جیسے معتزلہ کا رویت باری سے انکار کرنا، پس یہ بدعت ہے۔ اور کفر نہیں ہے۔ اور وہ چیز جس کا ضرر ظاہر ہو، تو وہ مقام اجتہاد میں واقع ہو جائے گی۔ پس ممکن ہے کہ اس کی وجہ سے تکفیر کی بھی جاوے، اور ممکن ہے کہ تکفیر نہ بھی کی جائے۔ (پھر آگے چل کر فرمایا ہے)

اور یہ مناسب نہیں کہ تم یہ خیال کرلو کہ تکفیر اور عدم تکفیر کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر جگہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے، بلکہ بات یہ ہے کہ تکفیر ایک حکم شرعی ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ اس سے اباحت مال اور خون کا ہدر ہونا یا خلود فی النار کا حکم لازم آتا ہے۔ سو اس کا منشا

بھی دوسرے احکام شرعیہ کے منشا کی طرح ہے کہ کبھی تو یقین کے ساتھ معلوم ہوتا ہے، اور کبھی ظن غالب کے ساتھ، اور کبھی تردد کے ساتھ۔ اور جب تردد ہو تو تکفیر میں توقف کرنا بہتر ہے، اور تکفیر میں جلدی کرنا ان ہی طبیعتوں پر غالب ہوتا ہے، جن پر جہل کا غلبہ ہے۔

اور ایک اور قاعدہ پر بھی تنبیہ کردینا ضروری ہے، وہ یہ کہ مخالف کبھی کسی نص متواتر کی مخالفت کرتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ وہ ماٴول ہے۔ لیکن اس کی تاویل ایسی ہوتی ہے کہ اس کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی زبان میں نہ قریب نہ بعید۔ تو یہ کفر ہے۔ اور ایسا شخص مکذب ہے۔ اگرچہ وہ یہ سمجھتا رہے کہ وہ ماٴول ہے۔

آخر میں کچھ اور اسی قسم کی تاویلات باطلہ کا بیان کر کے لکھا:

فامثال هذا المقالات تكذيبات عبر عنها بالتاويلات.

پس اس جیسی باتیں تکذیبات ہیں جن کا نام تاویلات رکھ لیا گیا ہے۔

حضرت امام غزالیؒ کی اس مفصل تحریر سے واضح ہوگیا کہ قرآن وحدیث میں ایسی تاویلات باطلہ کرنا جو ان کے اجماعی مفہوم کو بدل دیں، اور امت کے اجماعی عقائد کے خلاف کوئی نیا مفہوم ان سے پیدا ہوجائے، ایسی تاویل بھی تکذیب رسول ہی کے حکم میں ہے۔ جس کا کفر ہونا ظاہر ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

ائمہ اسلام کی مزید شہادتیں زندقہ کے کفر ہونے پر

اس میں سب سے پہلی اور سب سے قوی شہادت حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا وہ اجماع ہے، جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ''مانعین زکوٰۃ'' کو مرتد قرار دے کر، ان سے جہاد کرنے پر ہوا۔ حالانکہ یہ سب لوگ نماز، روزہ، اور تمام شعائر اسلام کے پابند تھے۔ صرف ایک حکم شرعی ''زکوٰۃ'' کا انکار کرنے سے باجماع صحابہؓ کافر قرار دیئے گئے۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے ان کے متعلق لکھا ہے:

وفيهم من الردة عن شرائع الاسلام بقدر ما ارتد عنه من شعائر الاسلام اذ كان السلف قد سموا مانعى الزكوٰة مرتدين مع كونهم يصومون و يصلون

(فتاویٰ ابن تیمیہ ص: ۲۹۱ ج: ۴)

ان لوگوں میں شعائر اسلام سے مرتد ہونا پایا جاتا ہے، کیونکہ ایک شعار اسلام (زکوٰۃ) کے منکر ہیں۔ کیونکہ سلف نے ان کا نام مرتدین رکھا ہے، اگرچہ یہ نماز بھی پڑھتے تھے اور روزے بھی رکھتے تھے۔

دوسری شہادت، صحابہ کرامؓ کا وہ اجماع ہے، جو ''مسیلمہ کذاب'' کے کفر و ارتداد اور اس کے مقابلہ میں جہاد پر ہوا۔ حالانکہ وہ اور اس کی پوری جماعت کلمہ کی قائل، اور حسب تصریح تاریخ ابن جریر طبری ص: ۲۴۴ ج: ۳، اپنی اذانوں میں ''اشهد ان محمد رسول الله'' کی شہادت مناروں پر پکارنے والے اور

نماز، روزہ کے پابند تھے، مگر اس کی ساتھ وہ آیت خاتم النبیین اور حدیث لا نبی بعدی میں قرآن و حدیث کی تصریحات اور امت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف تاویلات کر کے ''مسیلمہ کذاب'' کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت کا شریک مانتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے باجماع و اتفاق ان کو کافر قرار دیا، اور ان سے جہاد کرنا ضروری سمجھا، اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی امارت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا عظیم الشان لشکر جہاد کے لئے روانہ ہوا۔ مسیلمہ کذاب کے پیرؤوں میں سے چالیس ہزار مسلح جوان مقابلہ پر آئے، معرکہ نہایت سخت ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے لشکر میں بارہ سو حضرات شہید ہوئے، اور مسیلمہ کے لشکر سے اٹھائیس ہزار آدمی مارے گئے، اور خود مسیلمہ بھی مارا گیا۔ (تاریخ طبری)

جمہور صحابہؓ میں سے کسی ایک نے بھی اس پر انکار نہ کیا، اور نہ کسی نے یہ کہا کہ یہ لوگ کلمہ گو، اہل قبلہ ہیں، ان کو کیسے کافر کہا جائے؟ نہ کسی کو اس کی فکر ہوئی کہ اسلامی برادری میں سے اتنی بڑی اور قوی جماعت کم ہو جائے گی۔ اسی لئے عام کتب عقائد میں اس مسئلہ کو اجماعی مسئلہ قرار دیا ہے۔ ''جوہر التوحید'' میں ہے:

ومن المعلوم ضروری جحد من دیننا یقتل کفراً لیس حداً و قال شارحه ان هذا مجمع علیه و ذکر ان الماتریدیه یکفرون بعد هذا بانکار القطعی و ان لم یکن ضروریاً

جو شخص کسی قطعی بدیہی حکم کا انکار کرے، اس کو بوجہ کافر ہو جانے کے قتل کیا جائے گا بطور حد کے نہیں۔ اور اس کتاب کی شرح میں ہے کہ اس بات پر امت کا اجماع ہے۔ اور یہ بھی لکھا

ہے کہ علماء ماتریدیہ مطلقاً قطعی حکم کے انکار کو کفر قرار دیتے ہیں، خواہ بدیہی نہ ہو۔

اور حافظ حدیث امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب ''اقامۃ الدلیل'' میں اجماع کو سب سے بڑی قطعی دلیل قرار دیا ہے:

واجماعهم حجة قاطعة يجب اتباعها بل هي اوكد الحجج و هي مقدمة علىٰ غيرها. (اقامۃ الدلیل:ص: ۱۳۰ج:۳)

اور امت کا اجماع حجت قاطعہ ہے، جس کا اتباع واجب ہے۔ بلکہ وہ تمام حجتوں سے زیادہ مؤکد ہے۔ اور وہ غیر اجماع پر مقدم ہے۔

ائمہ اسلام، مفسرین، محدثین، فقہاء اور متکلمین، سب کے سب اس مسئلہ میں یک زبان ہیں کہ ضروریات دین یعنی اسلام کے قطعی اور یقینی مسائل میں سے کسی مسئلہ میں تاویلات باطلہ کر کے اس کو اس کے مفہوم اور صورت سے نکالنا جو قرآن و حدیث میں مصرح ہے، اور جمہور امت وہی مفہوم سمجھتی آئی ہے، درحقیقت قرآن و حدیث اور عقائد اسلام کی تکذیب کرنا ہے۔ علم عقائد کی مشہور و مستند کتاب ''مقاصد'' میں کفر اور کافر کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

وان كان مع اعترافه بنبوة النبي صلى الله عليه وسلم واظهاره شعائر الاسلام يبطن عقائد هي كفر بالاتفاق خص باسم الزنديق.

اور اگر کوئی ایسا ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اقرار کے ساتھ ساتھ اور شعائر اسلام کے اظہار کے باوجود ایسے عقائد پوشیدہ رکھتا ہو، جو بالاتفاق کفر ہیں، تو اس کو ''زندیق'' کے

نام سے خاص کیا جاتا ہے۔

ردالمحتار میں علامہ شامیؒ نے اسی مضمون کی تشریح میں فرمایا ہے:

فان الزنديق يموه بكفره و يروج عقيدته الفاسدة ويخرجها في الصورة الصحيحة و هذا معنى ابطانه الكفر فلا ينافي الجهار و الدعوىٰ الى الضلال (ص: ۲۹۶ ج: ۳)

کیونکہ زندیق ملمع سازی کرتا ہے اپنے کفر کے ساتھ، اور اپنے فاسد عقیدہ کو رواج دیتا ہے، اور نکالتا ہے اس کو صحیح صورت میں۔ اور یہی معنی ہیں "ابطان کفر" کے پس وہ "جہار" (کھلم کھلا کفر) کے منافی نہیں۔ اور نہ گمراہی کی طرف دعوت دینے کے منافی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی قدس سرہٗ نے اپنے فتاویٰ میں اقسام تکذیب وکفر کا بیان ان الفاظ میں فرمایا ہے:

ولاشبهة ان الايمان مفهومه الشرعي المعتبر به في كتب الكلام و العقائد و التفسير و الحديث هو تصديق النبي صلى الله عليه وسلم فيما علم مجيئه ضرورة عما من شانه ذالك ليخرج الصبي والمجنون و الحيوانات والكفر عدم الايمان عما من شانه ذالك التصديق فمفهوم الكفر هو عدم تصديق النبي صلى الله عليه وسلم فيما علم مجيئه ضرورة و هو بعينه ماذكرنا من ان من انكر واحداً من ضروريات الدين اتصف بالكفر

نعم عدم التصديق له مراتب اربع فيحصل للكفر ايضاً اقسام اربعة الاول: كفر الجهل و هو تكذيب النبى صلى اللّٰه عليه وسلم صريحا فيما علم مجيئه بدمع العلم (اى فى زعمه الباطل) بكونه عليه السلام كاذباً فى دعواه و هذا و هو كفر ابى جهل واضرابه .والثانى: كفر الجحود و العناد و هو تكذيبه مع العلم بكونه صادقاً فى دعواه و هو كفر اهل الكتاب لقوله تعالىٰ الذين اٰتينٰهم الكتب يعرفونه كما يعرفون ابناء هم و قوله و جحدوا بها و استيقنتها انفسهم ظلماً و علواً وكفر ابليس من هذا القبيل و الثالث: كفر الشك كما كان لاكثر المنافقين و الرابع: كفر التاويل و هو ان يحمل كلام النبى صلى اللّٰه عليه وسلم على غير محمله او على التقية و مراعاة المصالح و نحو ذالك و لما كان التوجه الىٰ القبلة من خواص معنى الايمان سواء كان شاملة او غير شاملة عبروا عن اهل الايمان باهل القبلة كما ورد فى الحديث نهيت عن قتل المصلين و المراد المؤمنين مع ان نص القرآن على ان اهل القبلة هم المصدقون بالنبى صلى اللّٰه عليه وسلم فى جميع ما علم مجيئه و هو قوله تعالىٰ "وصد عن سبيل الله وكفر به والمسجد الحرام واخراج اهله منه اكبر عنداللّٰه." (فتاویٰ عزیزی ص: ۴۲ ج: ۱)

اور اس میں شبہ نہیں کہ ایمان کا مفہوم شرعی جو کہ کتب کلام و

عقائد وتفسیر وحدیث میں معتبر ہے، وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا، ان تمام باتوں میں جن کا آپ سے منقول ہونا بداہۃً معلوم ہے۔ یہ اس شخص پر جو تصدیق کا اہل ہے، یعنی بچہ، اور مجنون اور حیوانات اس سے خارج ہیں۔ اور کفر اسی شخص کے عدم ایمان کو کہتے ہیں۔ پس کفر کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان باتوں میں تصدیق نہ کرنا۔

اور وہ بعینہ وہی بات ہے، جو ہم نے ذکر کی کہ جو شخص ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا بھی انکار کرے، وہ صفت کفر کے ساتھ موصوف ہوجائے گا۔ ہاں عدم تصدیق کے چار درجات ہیں، اس لئے کفر کی بھی چار اقسام نکلیں گے۔ اول کفر جہل اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنا صریحا ان چیزوں میں جن کو آپ لے کر آئے، یہ سمجھتے ہوئے (یعنی اپنے زعم باطل میں) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کاذب ہیں اپنے دعوے میں۔ اور یہ ابوجہل وغیرہ کا کفر ہے۔ دوسرا کفر جحود اور عناد، اور وہ یہ کہ آپ کو باوجود دل سے سچا جاننے کے تکذیب کئے جانا۔

اور یہ اہل کتاب کا کفر ہے جیسا حق تعالیٰ نے فرمایا کہ:

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس نبی کو پہچانتے ہیں۔ جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔'' اور دوسری جگہ فرمایا کہ: ''ان لوگوں نے انکار کیا، حالانکہ ان کے دل پُر یقین ہیں، اور یہ انکار ظلم اور تعلّی وتکبر کے سبب سے ہے۔'' اور ابلیس کا کفر اسی قسم میں

سے ہے۔ اور تیسرا کفر شک جیسا کہ اکثر منافقین کا تھا۔ اور چوتھا کفر تاویل اور وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو اس کے غیر محمل پر محمول کرے، یا اس کو تقیہ پر اور مراعات مصالح وغیرہ پر محمول کرے۔ اور جبکہ توجہ الی القبلہ ایمان کا خاصہ ہے، خواہ خاصہ شاملہ ہو یا غیر شاملہ اس لئے اہل ایمان کو اہل قبلہ سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ مجھے نماز پڑھنے والوں کے قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور مراد اس جگہ مسلمان ہیں۔ نیز نص قرآن اس پر شاہد ہے کہ اہل قبلہ وہی ہیں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام لائی ہوئی چیزوں میں تصدیق کرتے ہیں۔ اور وہ نص حق تعالیٰ کا یہ قول ''اور اللہ کی راہ سے روکنا، اور اس کے ساتھ کفر کرنا، اور مسجد حرام کے ساتھ اور اس کے اہل کو اس سے نکالنا۔ زیادہ شدید ہے اللہ کے نزدیک۔'' خوب سمجھ لینا چاہئے۔

حافظ ابن قیمؒ نے شفاء العلیل میں انہی تاویلات باطلہ کے متعلق فرمایا:

و التاویل الباطل یتضمن تعطیل ما جاء به الرسولُ و الکذب علی المتکلم انه اراد ذالک المعنی فتضمن ابطال الحق وتحقیق الباطل ونسبة المتکلم الی ما لایلیق به من التلبیس و الالغاز مع القول علیه بلا علم انه اراد هذا المعنی فالمتاول علیه ان یبین صلاحیة اللفظ للمعنی الذی ذکره اولا واستعمال المتکلم له فی ذالک المعنی فی اکثر المواضع حتی اذا استعمله فیما یحتمل غیره یحمل علی ما عهد منه استعماله فیه وعلیه ان یقیم دلیلا سالما عن المعارض علیٰ الموجب

بصرف اللفظ عن ظاهره والحقيقة الى مجازه واستعارته و الا كان ذالك مجرد دعوى منه فلا يقبل.

''اور تاویل باطل متضمن ہے رسولوں کی لائی ہوئی چیزوں کو معطل کرنے کو اور متکلم پر جھوٹ کو کہ اس نے یہ معنی مراد لئے، پس لازم آئے گا اس سے ابطال حق، اور باطل کا ثبوت، اور متکلم کی نسبت ایسی چیز کی طرف جو اس کے شایان شان نہیں، یعنی تلبیس اور معمہ کی باتیں کرنا۔ نیز اس پر یہ افتراء بلاعلم کہ اس نے اس سے یہ معنی مراد لئے۔ پس تاویل کرنے والے پر لازم ہے کہ سب سے پہلے یہ ثابت کرے کہ لفظ مستعمل میں اس معنی کی صلاحیت ہے، جو اس نے ذکر کئے ہیں۔ اور یہ بھی کہ متکلم نے بھی اس کو اکثر مواضع میں انہی معنی میں استعمال کیا ہے، تا کہ جب متکلم اس کو ایسے کلام میں استعمال کرے، جہاں دوسرا احتمال بھی ہو، تو وہ اسی معنی پر محمول ہو، جس میں اس کا استعمال مروج رہا ہے۔ اور اس پر یہ بھی لازم ہے کہ دلیل قائم کرے ایسی کہ جو معارض سے سالم ہو، اس بات پر کہ جو موجب ہوا ہے لفظ کو ظاہری اور حقیقی معنی سے مجاز اور استعارہ کی طرف پھیرنے کا، ورنہ تو یہ صرف ایک دعویٰ ہوگا، جو قابل قبول نہ ہوگا۔''

فتاویٰ ابن تیمیہؒ میں ہے:

ثم لو قدر انهم متاؤلون لم يكن تاويلهم سائغا بل تاويل الخوارج و مانعي الزكوٰة اوجه من تاويلهم اما

الخوارج فانهم احياء اتباع القرآن وان ما خالفه من السنة لا يجوز العمل به اما مانعوا الزكوٰة فقد ذكروا انهم قالوا ان الله قال لنبيه فقط فليس علينا ان ندفعها لغيره فلم يكونوا يدفعونها لابى بكر ولايخرجونها له
(فتاوى ابن تيميه ص:۲۹۷ ج: ۴)

اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ لوگ متاولین (یعنی تاویل کرنے والے) ہیں، تو ان کی تاویل قابل قبول نہیں۔ بلکہ خوارج اور مانعین زکوٰۃ کی تاویل تو اس سے زیادہ اقرب اور قابل قبول تھی۔ کیونکہ خوارج نے دعویٰ کیا تھا اتباع قرآن کا، اور سنت میں جو قرآن کے مخالف ہو، اس پر ترک عمل اور عدم جواز کا۔ اور مانعین زکوٰۃ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر فرمایا کہ ''آپ لیجئے ان کے مالوں سے صدقہ'' اور یہ خطاب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پس ہم پر غیر نبی کی طرف زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں۔ اس لئے وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے۔

(وفى صفحه:۱۸۵) وقد اتفق الصحابة و الائمة بعدهم على قتال مانعى الزكوٰة وان كانوا يصلون الخمس ويصومون شهر رمضان وهؤلاء لم يكن لهم شبهة سائغة فلهذا كانوا مرتدين وهم يقاتلون على منعها وان اقروا بالوجوب كما امر الله

اور صفحہ ۱۸۵ میں ہے اور صحابہؓ نے اور ائمہؒ نے مانعین زکوٰۃ

سے جہاد کرنے پر اجماع فرمایا، اگر چہ وہ پانچ وقت کی نمازیں پڑھتے تھے۔ اور رمضان شریف کے روزے رکھتے تھے، اور ان حضرات کو کوئی شبہ پیش نہیں آیا، لہٰذا یہ مرتد تھے۔ اور ان سے جہاد کیا جائے گا اس کے روکنے پر، اگر چہ وہ اس کے وجوب کا اقرار کریں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

وقال فی بغیة المرتاد ص ۶۹ : وانما القصد ھھنا التنبیه علی ان عامة ھذه التاویلات مقطوع ببطلانھا وان الذی یتاوله او یسوغ تاویله فقد یقع فی الخطاء فی نظیره او فیه بل قد یکفر من تاویله .

بغیۃ المرتاد کے صفحہ ۶۹ میں فرمایا ہے: یہاں مقصود اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ عام طور سے یہ تاویلیں یقیناً باطل ہیں، اور جو شخص یہ تاویلیں کرتا یا ایسی تاویل کو جائز رکھتا ہے، وہ کبھی اس کے مثل میں اور کبھی خود اسی خطأ میں پڑ جاتا، بلکہ کبھی تاویل کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔

اور شرح جمع الجوامع میں ہے:

جاحد المجمع علیه من الدین بالضرورة کافر قطعاً

جس چیز پر اجماع قطعی ثابت ہو اس کا منکر کافر ہے قطعاً۔

اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے خیالی حاشیہ شرح عقائد میں لکھا ہے:

والتاویل فی ضروریات الدین لایدفع الکفر

(حاشیہ خیالی ص: ۱۲۶)

اورضروریات دین میں تاویل کرنا کفر سے نہیں بچا سکتا۔

اور شیخ اکبر محی الدین ابن العربی نے فتوحات مکیہ میں فرمایا ہے:

التاویل الفاسد کالکفر (باب ۲۸۹ص:۸۵۷ج:۲)

تاویل فاسد کفر کی طرح ہے۔

اور وزیر یمانی کی ایثار الحق علی الخلق صفحہ: ۲۴۱ میں ہے:

لان الکفر ھو جحد الضروریات من الدین او تاویلھا.

کیونکہ کفر یہی ہے کہ ضروریات دین کا انکار کرنا یا اس کی تاویل کرنا۔

قاضی عیاضؒ کی کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ میں ہے:

وکذالک یقطع بتکفیر من کذب او انکر قاعدۃ من قواعد الشریعۃ وما عرف یقینا بالنقل المتواتر من فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و وقع الاجماع المتصل علیہ کمن انکر وجوب الصلوات الخمس او عدد رکعاتھا و سجداتھا و یقول انما اوجب اللہ علینا فی الکتاب الصلوٰۃ علی الجملۃ وکونھا خمسا وعلی ھذا الصفات و الشروط لا اعلمہ اذ لم یرو فی القرآن نص جلی. (شفاء)

اور اسی طرح قطعی طور پر کافر کہا جائے گا، اس شخص کو جھٹلا دے یا انکار کرے، قواعد شرعیہ میں سے کسی قاعدہ کا یا اس چیز کا جو فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل متواتر کے ساتھ یقینی طور پر

معلوم ہوا ہے۔ اور اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ جیسے کوئی پانچ نمازوں یا ان کی رکعات کے عدد یا سجدوں کا انکار کرے۔ اور یوں کہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں نماز تو فی الجملہ واجب کی ہے۔ ان صفات اور شروط کے ساتھ میں اس کو نہیں مانتا، کیونکہ اس کی قرآن میں کوئی نص جلی نہیں ہے۔

اور شرح شفاء قاضی عیاضؒ میں ہے:

وکذالک انعقد اجماعھم علی ان مخالفۃ السمع الضروری کفر وخروج عن الاسلام. (ص: ۱۲۱)

ایسے ہی سب کا اجماع اس پر منعقد ہے کہ یقینی روایات کی مخالفت کفر، اور اسلام سے خروج ہے۔

تنبیہ

یہاں صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کی تصریحات سے یہ بات واضح ہو چکی کہ تاویل کرنے والے کی تکفیر نہ کرنے کا ضابطہ عام نہیں، بلکہ وہ تاویل جو ضروریات دین کے خلاف کی جائے وہ تاویل نہیں، بلکہ تحریف اور الحاد ہے۔ اور باجماع امت کفر ہے۔ اور اگر تاویل مطلقاً دفع کفر کے لئے کافی سمجھی جائے، تو شیطان بھی کافر نہیں رہتا کہ وہ بھی اپنے فعل کی تاویل پیش کر رہا ہے۔ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین اسی طرح بت پرست مشرکین بھی کافر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان کی تاویل تو خود قرآن میں مذکور ہے۔ مانعبد ھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ۔ اس سے واضح ہو گیا کہ جو تاویل کسی نص صریح یا اجماع یا ضروریات دین کے مخالف ہو، وہ تاویل نہیں، بلکہ تحریف اور تکذیب رسول ہے۔ جس کا دوسرا نام الحاد و زندقہ ہے۔

مسئلہ تکفیر اہل قبلہ

جولوگ ایمان و اسلام کا اظہار کرتے ہیں، اور نماز، روزہ وغیرہ کے پابند ہیں، مگر اسلام کے کسی قطعی اور یقینی حکم میں تاویلات باطلہ کر کے تصریحات کتاب و سنت اور اجماع امت کے خلاف اس کا مفہوم بدلتے ہیں، ان کو کافر و مرتد قرار دینے پر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ کلمہ گو اہل قبلہ ہیں، اور اہل قبلہ کی تکفیر باتفاق امت ممنوع ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس جگہ اہل قبلہ کے مفہوم کو واضح کیا جائے۔

اصل اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثیں ہیں۔ ایک وہ جو بخاری و مسلم وغیرہ میں اطاعت امراء کے بارے میں حضرت انسؓ سے منقول ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

من شهد ان لا اله الا اللّٰه واستقبل قبلتنا وصلى صلوٰتنا واكل ذبيحتنا فهو مسلم الا ان تروا كفراً بواحاً عند كم من الله فيه برهان.

جوشخص لاالٰہ الااللہ کی شہادت دے، اور ہمارے قبلہ کی استقبال کرے، اور ہماری نماز پڑھے، اور ہمارا ذبیحہ کھائے، تو یہی مسلمان ہے۔ مگر یہ کہ دیکھو تم کفر صریح، تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں دلیل ہو۔

اور دوسری روایت ابوداؤد کتاب الجہاد میں ہے۔ جس کا متن یہ ہے:

عن انس قال قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم

ثلاث من اصل الایمان الکف عمن قال لاالہ الا اللّٰہ و لا تکفرہ بذنب و لا تخرجہ من الاسلام بعمل الحدیث.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں اصل ایمان ہیں، رکنا اس شخص سے جو لاالــہ الا الـلــہ کہے، اور نہ تکفیر کرو اس کی کسی گناہ کے سبب، اور نہ اسے خارج از اسلام قرار دو کسی عمل کے سبب۔

اس میں سے پہلی حدیث میں تو ختم کلام پر خود ہی تصریح کر دی گئی ہے کہ کلمہ گو کو اس وقت تک کافر نہ کہا جائے گا جب تک اس سے کوئی قول یا فعل موجب کفر صریح اور نا قابل تاویل یقینی طور پر ثابت نہ ہو جائے۔

اور دوسری حدیث کے الفاظ میں اس کی تصریح ہے کہ کسی گناہ یا عمل کی وجہ سے خواہ وہ کتنا ہی سخت ہو، کافر نہ کہا جائے گا۔ لیکن باتفاق علماء امت، گناہ سے مراد اس جگہ کفر کے سوا دوسرے گناہ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عملی خرابیاں، فسق و فجور کتنا ہی زیادہ ہو جائے، ان کی وجہ سے اہل قبلہ کو کافر نہ کہا جائے گا۔ نہ یہ کہ وہ قطعیات اسلام کے خلاف عقائد کا اظہار بھی کرتا رہے، تب بھی اس کو کافر نہ سمجھا جائے۔

مانعین زکوۃ اور مدعی نبوت مسیلمہ کذاب اور اس کی جماعت کا فرو مرتد قرار دے کر، ان سے جہاد کرنے پر صحابہ کرام کا اجماع اس کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ اہل قبلہ جن کی تکفیر ممنوع ہے۔ اس کا مفہوم یہ نہیں کہ جو قبلہ کی طرف منہ کر لے یا نماز پڑھ لے۔ اس کو کسی عقیدۂ باطلہ کی وجہ سے بھی کافر نہ کہا جائے۔ بلکہ معلوم ہوا کہ کلمہ گو یا اہل قبلہ یہ دو اصطلاحی لفظ ہیں، ان کے مفہوم میں صرف وہ مسلمان داخل ہیں، جو شعائر اسلام نماز وغیرہ کے پابند ہونے کے ساتھ تمام موجبات کفر اور

عقائد باطلہ سے پاک ہوں۔

اہل قبلہ کا یہ مفہوم تمام علماء امت کی کتابوں میں بصراحت ووضاحت موجود ہے۔ ذیل میں چند اقوال ائمہ اسلام کے پیش کئے جاتے ہیں، جن سے دو چیزوں کی شہادت پیش کرنا مقصود ہے۔

۱......اہل قبلہ کا صحیح مفہوم۔

۲......اصل موضوع بحث پر شہادت کہ اسلام کے قطعی اور یقینی احکام میں قرآن وسنت اور اجماع امت سے ثابت شدہ مفہوم کے خلاف کوئی مفہوم قرار دینا بھی تکذیب رسول کے حکم میں ہے۔ اور ایسی تکذیب کو ''زندقہ والحاد'' کہا جاتا ہے۔

محقق ابن امیر الحاجؒ جو حافظ ابن حجرؒ اور شیخ ابن ہمامؒ کے مشہور شاگرد اور محقق ہیں۔ شرح تحریر الاصول میں ''اہل قبلہ'' کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> هو الموافق علی ما هو من ضروریات الاسلام کحدوث العالم وحشر الاجساد من غیر ان یصدر عنه شئ من موجبات الکفر قطعا من اعتقاد راجع الیٰ وجود اله غیر اللّٰه تعالیٰ او حلوله فی بعض اشخاص الناس او انکار نبوة محمد صلی اللّٰه علیه وسلم او ذمه او استخفافه ونحو ذالک المخالف فی الاصول سواها (الیٰ ان قال) وقد ظهر من هذا ان عدم تکفیر اهل القبلة بذنب لیس علی عمومه الا ان یحمل الذنب علی ما لیس بکفر فیخرج الکفر به کما اشار الیه السبکی.
>
> (شرح تحریر)

اہل قبلہ وہ ہے جو موافق ہو تمام ضروریات اسلام کے۔ جیسے

عالم کا حدوث، اور حشر اجساد، اس طرح پر کہ اس سے کوئی چیز موجبات کفر میں سے صادر نہ ہو، مثلاً ایسا اعتقاد جو مفضی ہو حق تعالیٰ کے ساتھ دوسرے خدا کے ماننے کو اور خدا تعالیٰ کے کسی شخص میں حلول کرنے کو، یا نبوۃ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کو، یا آپ کی مذمت یا آپ کے استخفاف کو۔ اور اسی طرح کی اور باتیں (یہاں تک کہ مصنف فرماتے ہیں کہ) اسی سے ظاہر ہو گیا کہ اہل قبلہ کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہ کرنے کی حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے۔ ہاں اگر گناہ سے مراد کفر کے علاوہ لیا جاوے۔ جیسا کہ علامہ سبکیؒ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے، تو عموم مراد ہو سکتا ہے۔

نیز شرح مقاصد میں عدم تکفیر اہل قبلہ کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے:

قال: المبحث السابع فی حکم مخالف الحق من اهل القبلة لیس بکافر مالم یخالف ما هو من ضروریات الدین کحدوث العالم وحشر الاجساد.

قال الشارح: ومعناه ان الذین اتفقوا علی ما هو من ضروریات الاسلام کحدوث العالم وحشر الاجساد و ما یشبه ذالک واختلفوا فی اصول سواها کمسئلة الصفات وخلق الافعال وعموم الارادة وقدم الکلام وجواز الرؤیة ونحو ذالک مما لا نزاع فیه ان الحق فیه واحد هل یکفر المخالف للحق بذالک الاعتقاد و بالقول به ام لا. فلا نزاع فی کفر اهل القبلة المواظب طول العمر علی الطاعات باعتقاد قدم العالم ونفی

الحشر ونفی العلم بالجزئیات ونحو ذالک وکذا بصدور شیٔ من موجبات الکفر عنه. (شرح مقاصد)

ساتواں مبحث اس شخص کے حکم میں جو مخالف حق ہو، اہل قبلہ میں سے کہ وہ کافر نہیں، جب تک مخالفت نہ کرے کسی چیز کی ضروریات دین میں سے جیسے عالم کا حادث ہونا، اور حشر ونشر۔

شارح فرماتے ہیں: اور معنی اس کے یہ ہیں کہ جو لوگ ضروریات اسلام پر تو متفق ہیں، جیسے حدوث عالم اور حشر وغیرہ، اور ان کے سوا دوسرے اصول میں اختلاف کرتے ہیں۔ جیسے ''مسئلہ صفات'' اور ''خلق افعال'' اور ''عموم ارادہ'' اور ''کلام اللہ کا قدیم ہونا'' اور ''رؤیۃ اﷲ'' کا جواز وغیرہ، جن میں کوئی نزاع اس امر میں نہیں ہے کہ اس میں حق ایک ہی ہے۔ تو کیا اس اعتقاد اور اس کا قائل ہونے کی وجہ سے اس مخالف حق کی تکفیر کی جائے گی یا نہیں؟ سو کوئی اختلاف نہیں ہے ایسے اہل قبلہ کی تکفیر میں جو تمام عمر طاعات پر مداومت کرنے کے ساتھ ''قدم عالم'' اور ''نفی حشر'' اور ''نفی علم بالجزئیات'' وغیرہ کا قائل ہو، اور اسی طرح موجبات کفر میں سے کسی چیز کے صدور سے اس کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں۔

اور علی قاریؒ کی شرح فقہ اکبر میں ہے:

اعلم ان المراد باهل القبلة الذین اتفقوا علی ماهو من ضروریات الدین کحدوث العالم وحشر الاجساد وعلم الله تعالیٰ بالجزئیات و ما اشبه ذالک من

المسائل المهمات فمن واظب طول عمره على الطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم و نفي الحشر او نفي علمه سبحانه تعالىٰ بالجزئيات لا يكون من اهل القبلة وان المراد باهل القبلة عند اهل السنة انه لا يكفر ما لم يوجد شئ من امارات الكفر ولم يصدر عنه شئ من موجباته (شرح فقه اکبر ص: ۱۸۹)

جاننا چاہیے کہ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں، جو تمام ضروریات دین پر متفق ہیں۔ جیسے حدوث عالم اور حشر نشر اور علم اللہ بالجزئیات وغیرہ، پس جو شخص تمام عمر طاعات وعبادات کا پابند ہونے کے باوجود قدم عالم اور نفی حشر یا نفی علم اللہ بالجزئیات کا معتقد ہو، وہ اہل قبلہ نہیں ہے۔ اور مراد اہل قبلہ سے اہل سنت کے نزدیک یہ ہے کہ اس کی تکفیر اس وقت تک نہ کی جائے گی، جب تک علامات کفر میں سے کوئی چیز اس میں نہ پائی جائے۔ اور جب تک اس سے موجبات کفر میں سے کوئی بات سرزد نہ ہو۔

اور فخر الاسلام بزدویؒ کی کشف الاصول باب الاجماع ص: ۲۳۸ ج: ۳ میں، نیز امام سیف الدین آمدی کی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام میں اور غایۃ التحقیق شرح اصول حسامی میں ہے:

ان غلا فيه (اى فى هواه) حتى وجب اكفاره به لا يعتبر خلافه و وفاقه ايضاً لعدم دخوله فى مسمى الامة المشهود لها بالعصمة وان صلى الى القبلة واعتقد نفسه مسلما لان الامة ليست عبارة عن

المصلين الى القبلة بل عن المؤمنين و هو كافر و ان كان لا يدرى انه كافر. (غاية التحقيق)

اگر غلو کیا اپنی خواہشات نفسانیہ میں حتی کہ واجب ہوگئی اس کی تکفیر، اس کی وجہ سے اجماع میں اس کے خلاف یا مخالفت کا اعتبار نہ ہوگا۔ اور اگر چہ وہ قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہو، اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو، کیونکہ ''امت'' قبلہ کی طرف نماز پڑھنے والوں کا نام نہیں ہے۔ بلکہ ''مؤمنین'' کا نام ہے، اور وہ کافر ہے، اگر چہ اس کو اپنے کافر ہونے کا علم نہ ہو۔

اور ردالمحتار باب الامامۃ میں علامہ شامیؒ نے بحوالہ شرح تحریر الاصول ابن ہمامؒ لکھا ہے۔

لاخلاف فى كفر المخالف فى ضروريات الاسلام وان كان من اهل القبلة المواظب طول عمره على الطاعات كمافى شرح التحرير (شامی ص:۲۷۷ ج:۱)

جو شخص ضروریات اسلام کا مخالف ہو، اس کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں۔ اگر چہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو، اور تمام عمر طاعات پر پابند رہے۔

اور البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

والحاصل ان المذهب عدم تكفير احد من المخالفين فيما ليس من الاصول المعلومة من الدين ضرورة　　　(بحر الرائق)

اور حاصل یہ ہے کہ مذہب یہ ہے کہ مخالفین میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائے، جو اصول دین کے سوا کسی چیز میں مخالف ہیں۔

اور شرح عقائد نسفی کی شرح نبراس میں ہے:

اهل القبلة فی اصطلاح المتكلين من يصدق بضروريات الدين ای الامور التی علم ثبوتها فی الشرع واشتهر فمن انكر شيئاً من الضروريات كحدوث العالم وحشر الاجساد و علم اللّٰه سبحانه بالجزئيات و فرضية الصلوٰة والصوم لم يكن من اهل القبلة ولو كان مجاهدا بالطاعات وكذالک من باشر شيئا من امارات التكذيب كسجود الصنم والاهانة بامر شرعی والاستهزاء عليه فليس من اهل القبلة و معنى عدم تكفير اهل القبلة ان لا يكفر بارتكاب المعاصی و لابانكار الامور الخفية غير المشهورة. (نبراس ص: ۵۷۳)

اہل قبلہ متکلمین کی اصطلاح میں وہ ہے، جو تمام ضروریات دین کی تصدیق کرتا ہو، یعنی ان امور کی جن کا ثبوت شریعت میں معلوم ومشہور ہے۔ پس جو انکار کرے کسی چیز کا ضروریات دین میں سے، جیسے حدوث عالم اور حشر اور علم اللہ بالجزئیات اور فرضیت نماز وروزہ تو وہ اہل قبلہ سے نہ ہوگا، اگر چہ وہ طاعات کا پابند ہو۔ اور اسی طرح وہ شخص بھی اہل قبلہ میں سے نہ ہوگا، جو کسی ایسے فعل کا ارتکاب کرے جو کہ تکذیب کی کھلی علامت ہے۔ جیسے بت کو سجدہ کرنا یا کسی ایسے امر کا ارتکاب کرے کہ جس سے امر شرعی

کا استہزاء اور اہانت ہو، وہ اہل قبلہ نہیں ہے۔ اور اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ارتکاب معاصی سے اس کی تکفیر نہ کی جائے، یا امور خفیہ غیر مشہورہ کے انکار سے اس کی تکفیر نہ کی جائے۔

اور علم عقائد کی معروف و مستند کتاب مواقف میں ہے:

لایکفر اهل القبلة الا فیما فیه انکار ما علم مجیئه به بالضرورة او اجمع علیه کاستحلال المحرمات.

اہل قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے گی، مگر اس صورت میں کہ اس میں ضروریات دین کا انکار یا ایسی چیز کا انکار لازم آئے، جس پر اجماع ہو چکا ہے۔ جیسے حرام اشیاء کو حلال سمجھنا۔

اور شرح فقہ اکبر میں ہے:

ولا یخفی ان المراد بقول علمائنا لا یجوز تکفیر اهل القبلة بذنب لیس مجرد التوجه الی القبلة فان الغلاة من الروافض الذین یدعون ان جبرئیل غلط فی الوحی فان الله تعالیٰ ارسله الی علیؓ و بعضهم قالوا انه اله وان صلوا الی القبلة لیسوا بمؤمنین وهذا هو المراد بقوله صلی الله علیه وسلم من صلی صلوتنا و اکل ذبیحتنا فذالک مسلم. (شرح فقه اکبر)

یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ہمارے علماء کے اس قول کی مراد کہ اہل قبلہ کی تکفیر کسی گناہ کے سبب جائز نہیں، محض قبلہ کی طرف رخ

کر لینے کی نہیں۔ کیونکہ بعض متشدد روافض ایسے ہیں، جو مدعی ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے ان کو حضرت علیؓ کے پاس بھیجا تھا۔ اور بعض روافض کہتے ہیں کہ حضرت علی معبود ہیں۔ یہ لوگ اگر چہ قبلہ کی طرف نماز پڑھتے رہیں، مگر مومن نہیں۔ اور یہی مراد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی ''جو ہماری نماز پڑھے اور ہمارا ذبیحہ کھائے، تو یہی مسلم ہے۔''

اور کلیات ابوالبقاء میں ہے:

فلا نكفر اهل القبلة ما لم يأت بما يوجب الكفر وهذا من قبيل قوله تعالىٰ ان الله يغفر الذنوب جميعاً مع ان الكفر غير مغفور ومختار جمهور اهل السنة من الفقهاء والمتكلين عدم اكفار اهل القبلة من المبتدعة المأولة فى غير الضرورية لكون التاويل شبهة كما فى خزانة الجرجانى والمحيط البرهانى واحكام الرازى واصول البزدوى و رواه الكرخى و الحاكم الشهيد عن الامام ابى حنيفة و الجرجانى عن الحسن بن زياد و شارح المواقف و المقاصد و الامدى عن الشافعى والاشعرى لا مطلقا. (كليات ابو البقاء ص: ۵۵۴)

پس ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہ کریں گے، جب تک ان سے موجبات کفر کا صدور نہ ہو۔ اور یہ اسی طرح ہے، جیسے حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے'' باوجود اس

کے کہ کفر غیر مغفور ہے۔ اور مذہب جمہور اہل السنّت کا فقہاء و متکلمین میں سے بدعتی جو تاویلات کرتے ہیں غیر ضروریات دین میں، ان کے متعلق یہ ہے کہ ان کی تکفیر نہ کی جائے، جیسا کہ خزانہ جرجانی، اور محیط برھانی، اور احکام رازی، اور اصول بزدوی میں ہے۔ اور یہی روایت کیا ہے کرخی اور حاکم شہید نے امام ابوحنیفہؒ سے، اور جرجانی نے حسن بن زیاد سے اور شارح مواقف اور المقاصد اور آمدی نے شافعی سے اور اشعری سے۔

اور فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث میں ہے:

اذ لا یکفر احدا من اھل القبلۃ الا بانکار قطعی من الشریعۃ. (ص: ۱۴۳)

ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے، مگر بسبب انکار کے کسی قطعی حکم شرع کا۔

اور امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں تحریر فرمایا ہے:

وچوں ایں فرقۂ مبتدعہ اہل قبلہ اند در تکفیر آنہا جرأت نباید نمود تا زمانے کہ انکار ضروریات دینیہ نمانید و رد متواترات احکام شرعیہ نکنند و قبول ما علم مجیئہ من الدین بالضرورۃ نکنند

(مکتوبات ص: ۳۸ ج: ۲، ص ۹، ج: ۸)

اور چونکہ یہ فرقۂ مبتدعہ اہل قبلہ ہیں، اس لئے ان کی تکفیر میں جرأت نہیں کرنی چاہئے، جب تک کہ یہ ضروریات دین کا انکار اور متواترات احکام شرعیہ کا رد نہ کریں، اور ضروریات دین کو قبول نہ

کریں۔

عقائد عضدیہ میں ہے:

لا نکفر احدا من اهل القبلة الا بما فيه نفی الصانع المختار او بما فيه شرک او انکار النبوة وانکار ما علم من الدين بالضرورة او انکار مجمع عليه واما غير ذالک فالقائل مبتدع و ليس کافر.

ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کریں گے، مگر اس سبب سے کہ اس میں حق تعالیٰ کے وجود کی نفی ہو، اور یا جس میں شرک ہو، یا انکار نبوت ہو، یا ضروریات دین کا انکار ہو، یا کسی مجمع علیہ امر کا انکار ہو۔ اور اس کے سوا پس اس کا قائل مبتدع ہے کافر نہیں۔

کسی مدعی اسلام کی تکفیر میں انتہائی احتیاط

مذکور الصدر تقریر سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ ہر قبلہ کی طرف منہ کرنے والے کو اہل قبلہ نہیں کہتے، یہ شریعت کا ایک اصطلاحی لفظ ہے، جو صرف ان لوگوں کے حق میں بولا جاتا ہے، جو ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھیں، اور ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا انکار یا تحریف نہ کریں۔ جس کی بناء پر بہت سے ایسے لوگوں کو بھی کافر قرار دینا پڑے گا، جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، اور نماز و روزہ بھی ادا کرتے ہیں، قرآن کی تلاوت اور خدمت بھی کرتے ہیں، مگر اسلام کے قطعی اور ضروری احکام میں سے کسی حکم کے منکر ہیں۔

لیکن اس جگہ ایک دوسری بے احتیاطی کا خطرہ ہے کہ مسلمانوں میں باہمی تکفیر کا دروازہ کھل سکتا ہے، جو ان کے لئے تباہی کا راستہ ہے۔ اور ایک زمانہ سے یہ خطرہ صرف خطرہ ہی نہیں رہا، بلکہ ایک واقعہ بن گیا ہے کہ حقائق دین سے ناواقف کچھ نام کے علماء نے یہ پیشہ بنالیا کہ ذرا ذرا سی بات پر مسلمان کو کافر قرار دینے لگے۔ باہمی کفر کے فتوے چلنے لگے، اس میں ان لوگوں کو کتب فقہ کے ان مسائل سے بھی دھوکا لگا جو کلمات کفریہ کے نام سے بیان کئے جاتے ہیں۔ کہ فلاں فلاں باتیں کلمہ کفر ہیں، جن کا حاصل اس کے سوا نہیں کہ جس کلمہ سے قطعیات اسلام میں سے کسی چیز کا انکار نکلتا ہے، اس کو کلمہ کفر قرار دیا گیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی حضرات فقہاء نے اس کی بھی تصریح فرمادی ہے کہ ان کلمات کے کلمات کفر ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس شخص کی زبان سے یہ کلمات نکلیں، اس کو بے سوچے سمجھے اور بدون تحقیق مراد کے کافر کہہ دیا جائے۔ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس کی مراد وہ ہی معنی و مفہوم ہیں، جو کافرانہ عقیدہ یا کسی ضروری اسلام کا

انکار ہے۔

لیکن حقیقت حال سے ناواقف لوگوں نے ان کلمات ہی کو فیصلہ کا مدار بنا لیا، اور تکفیر بازی شروع کردی۔ جس کی ایک بھاری مضرت تو یہ ہوئی کہ ایک مسلمان کو کافر کہنا بڑا سخت معاملہ ہے، جس کے اثرات پورے اسلامی معاشرہ پر پڑتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں اپنے ایمان کا خطرہ ہوتا ہے۔ جس کا بیان گزر چکا ہے۔ دوسری طرف اس تکفیر بازی سے یہ شدید نقصان پہنچا کہ فتوائے کفر ایک معمولی چیز ہوکر رہ گئی۔ جو مدعی اسلام درحقیقت کافر ہیں، ان کو یہ کہنے کو موقع مل گیا کہ لوگ تو ایک دوسرے کو کافر کہا ہی کرتے ہیں، ہم بھی اس تکفیر بازی کے شکار ہیں۔

اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اس جگہ کو بھی واضح کردیا جائے کہ کسی ایسے شخص کو جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، کافر قرار دینے میں انتہائی احتیاط لازم ہے۔ معمولی باتوں پر یا کسی محتمل اور مبہم کلام پر بغیر تحقیق مراد کے ایسا فتویٰ دینے میں اپنے ایمان کا خطرہ ہے۔ اس بے احتیاطی کے متعلق امام غزالیؒ کا مفصل مقالہ آپ اوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ مزید توضیح وتاکید کیلئے مندرجہ ذیل سطور اور لکھی جاتی ہیں۔

تکفیر مسلم خود کفر ہے

حدیث صحیح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اکفر رجل رجلاً الا بآء احدھما بہ ان کان کافراً و الا کفر بتکفیرہ وفی روایۃ فقد وجب

الکفر علیٰ احدھما. (ترغیب وترھیب المنذر ص: ۵۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں تکفیر کرتا کوئی شخص کسی شخص کی مگر ان دونوں میں سے ایک کفر کا مستحق ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ شخص فی الواقع کافر تھا، تب تو وہ کافر ہوا ہی۔ ورنہ یہ تکفیر کرنے والا اس کی تکفیر کے سبب کافر ہوگیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان دونوں میں سے ایک پر کفر واجب ہوگیا۔

ایک شبہ اور جواب

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو کافر کہا گیا ہے، اگر وہ واقع میں کافر نہیں ہے، تو کہنے والا کافر ہوجائے گا۔ لیکن کفر کی جو تعریف بنص قرآن اوپر لکھی گئی ہے، وہ بظاہر اس شخص پر منطبق نہیں ہوتی، جس نے کسی کو بلا وجہ شرعی غلط طور پر کافر کہہ دیا۔ کیوں کہ ایسا کہنے والے نے نہ خدا کی تکذیب کی، اور نہ اس کے رسول کی، اسی لئے بعض فقہاء نے اس کو محض تہدید وتخویف پر محمول کیا ہے۔ جیسے ترک صلوٰۃ پر فقد کفر کے الفاظ بطور تہدید کے آئے ہیں، جن سے حقیقی کفر مراد نہیں۔

اور مختصر مشکل الآثار میں (حسب منقول از اکفار الملحدین ص: ۵۱) اور امام غزالیؒ نے اپنی کتاب ایثار الحق علی الخلق ص: ۴۳۲ میں اس کا یہ مطلب قرار دیا ہے کہ کسی کو کافر کہنے سے اس جگہ یہ مراد ہے کہ اس کے عقائد وخیالات کفر ہیں، تو اگر فی الواقع اس کے عقائد میں کوئی چیز کفر کی نہیں، بلکہ سب عقائد ایمان کے ہیں، تو گویا ایمان کو کفر کہنا لازم آئے گا، اور ایمان کو کفر کہنا بلا شبہ اللہ اور

رسول کی تکذیب ہے۔قرآن کا ارشاد ہے:

ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ

جو شخص ایمان سے انکار کرے اس کے عمل ضائع ہو گئے۔

حاصل یہ ہے کہ جس شخص کے عقائد میں کوئی چیز کفر کی نہیں، خواہ اعمال اس کے کتنے ہی خراب ہوں، اس کو کافر کہنا جائز نہیں۔ بلکہ ایسے شخص کو کافر کہنے سے خود کہنے والے کا ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ اس کو کافر کہنے کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ گویا ایمان کو کفر کہہ رہا ہے۔ اس تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جس شخص کے عقائد میں کوئی عقیدہ کفریہ ہے، اس کی وجہ سے اگر کسی نے اس کو کافر کہہ دیا، تو کہنے والا باتفاق کافر نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے ایمان کو کفر قرار نہیں دیا، اگرچہ حضرات فقہاء اور علمائے محققین نے ایسی حالت میں بھی اس کو کافر کہنے میں جلد بازی کرنے سے سختی سے منع کیا ہے۔ جب تک کہ اس کے عقیدہ کفریہ یا کلمہ کفریہ کی کوئی جائز تاویل ہو سکتی ہے، اس کو کافر کہنا جائز نہیں سمجھا۔ تاہم اگر کسی کے کسی عقیدہ یا کلمہ کفر کو سن کر جلد بازی میں کافر کہہ دیا، تو کہنے والا باجماع فقہاء کافر نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی شخص کو کسی کے متعلق غلط خبر یا غلط فہمی یا کسی اور وجہ سے کسی عقیدۂ کفریہ کا دھوکا اور مغالطہ ہو۔ مثلاً اس کو خیال ہوا کہ فلاں آدمی نے معاذ اللہ کسی نبی کی توہین کی ہے، یا اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی ہے، تو ایسی صورت میں لازم تو یہ تھا وہ اس خیال کی تحقیق کرتا، اور خلاف واقع پا کر بدگمانی سے باز آجاتا۔ لیکن اس نے بے احتیاطی سے محض اپنے خیال کی بناء پر اس کو کافر کہہ دیا، اس صورت میں بھی کہنے والے نے چونکہ ایمان کو کفر نہیں کہا، اس لئے کہنے والا کافر نہیں ہوگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بے احتیاطی کی وجہ سے گنہگار ہو۔

حضرات فقہاء نے اس معاملہ میں اس درجہ احتیاط کا حکم دیا ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی مشتبہ کلام سرزد ہوجائے، جس میں سو احتمال میں سے ننانوے احتمالات مضمون کفر ہونے کے ہوں، اور صرف ایک احتمال عبارت میں اس کا بھی ہو کہ اس کے کوئی صحیح اور جائز معنی بن سکتے ہوں، تو مفتی پر لازم ہے کہ ننانوے احتمالات کو چھوڑ کر اسی ایک احتمال کی طرف مائل ہو، اور اس کو کافر کہنے سے باز رہے۔ بشرطیکہ وہ خود اپنے کسی قول وفعل سے اس کی تصریح نہ کردے کہ اس کی مراد وہی معنی ہیں، جن سے کفر عائد ہوتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

اذا كان فی المسئلة وجوه توجب الكفر و وجه واحد يمنع فعلی المفتی ان يميل الی ذالک الوجه الا اذا صرح بارادة ما يوجب الكفر فلا ينفعه التاويل حينئذٍ.

جب کسی مسئلہ میں متعدد وجوہ کفر کی موجب ہوں، اور ایک وجہ مانع کفر ہو، تو مفتی کے ذمہ ضروری ہے کہ اس ایک وجہ کی طرف مائل ہو۔ مگر جب کہ قائل اس وجہ کی تصریح کردے، جو موجب کفر ہے، تو پھر تاویل سے اس وقت کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

تنبیہ

یہ معلوم ہونا چاہئے کہ فقہاء کے اس کلام کے یہ معنی نہیں، جو بعض جہلاء نے سمجھے ہیں کہ کسی شخص کے عقائد واقوال میں ایک عقیدہ وقول بھی ایمان کا ہو، تو اس کو مومن سمجھو۔ کیونکہ یہ معنی ہوں تو پھر دنیا میں کوئی کافر حتی کہ شیطان ابلیس بھی کافر نہیں رہتا۔ کیونکہ ہر کافر کا کوئی نہ کوئی عقیدہ اور قول تو ضرور ہی ایمان کے

موافق ہوتا ہے۔ بلکہ مقصد حضرات فقہاء کا یہ ہے کہ کسی شخص کی زبان سے نکلا ہوا کوئی کلمہ جو لغت و عرف کے اعتبار سے مختلف معانی پر محمول ہو سکتا ہے، جن میں ایک معنی کے اعتبار سے یہ کلمہ عقیدہ کفریہ سے نکل جاتا ہے، اور دوسرے تمام معانی اس کو عقیدۂ کفریہ ٹھہراتے ہیں، تو ایسی حالت میں مفتی پر لازم ہے کہ اس کے کلام کو صحیح معنی پر محمول کر کے اس کو مومن ہی قرار دے۔ بشرطیکہ وہ خود ایسی تصریح نہ کر دے کہ اس کی مراد معنی کفری ہیں۔

الغرض حدیث مذکور میں کسی مسلمان کو غلط طور پر کافر کہنے کو خود کہنے والے کے لئے کفر قرار دیا ہے خواہ محض تہدید و تخویف کے لئے ہو، جیسا کہ بعض فقہاء نے سمجھا ہے۔ (الیواقیت للشعرانی) یا اس سے حقیقتاً کفر مراد ہو، بہر دو صورت حدیث سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ کسی مدعی اسلام کو کافر کہنے میں سخت احتیاط لازم ہے۔

اور اسی بناء پر محققین علماء و فقہاء نے ایسے کلمات و عقائد کی بناء پر جن کے کفر ہونے میں علماء کا اختلاف ہو یا اس کے کوئی صحیح معنی کسی تاویل جائز سے بن سکتے ہوں۔ کسی مسلمان کی تکفیر کو جائز نہیں سمجھا۔

احتیاط کا دوسرا پہلو

جس طرح فروعی اختلافات کی وجہ سے یا کسی محتمل اور مبہم کلام کی وجہ سے یا کسی ایسے عقیدہ و کلمہ کی وجہ سے جس کے کفر ہونے میں علماء کا اختلاف ہو، کسی مسلمان کو کافر کہنا سخت بے احتیاطی اور اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ایمان کو کفر کہنا لازم آتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح کسی یقینی کافر کو مسلمان ٹھہرانا بھی نہایت خطرناک جرم اور اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ کیونکہ اس سے کفر کو ایمان قرار دینا لازم آتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ایمان کو کفر یا کفر کو ایمان

قرار دینا اگر اپنے اختیار و ارادہ سے ہو، تو بلاشبہ کفر ہے۔ ورنہ کفر کے خطرہ سے تو خالی نہیں۔

علاوہ ازیں کسی کافر کو مسلمان کہہ دینا محض ایک لفظی سخاوت نہیں، بلکہ پوری ملت اور اسلامی معاشرہ پر ظلم عظیم ہے۔ کیونکہ اس سے پوری ملت کا معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔ نکاح، نسب، میراث، ذبیحہ، امامت، نماز اور اجتماعی اور سیاسی حقوق سبھی پر اثر پڑتا ہے۔ اس لئے کفر کی وہ صورت جس کو حسب تقریر مذکور اصطلاح شرع میں زندقہ اور الحاد کہا جاتا ہے، جس میں ایک شخص خدا اور رسول کے ماننے کا دل سے اور زبان سے معترف بھی ہے، اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ شعائر اسلام کا پابند بھی ہے، مگر اس کے ساتھ کچھ عقائد کفریہ رکھتا ہے، یا ضرورت دین میں تاویل باطل کر کے احکام دین کی تحریف کرتا ہے۔ اس کا معاملہ نہایت خطرناک مزلۃ الاقدام ہے۔ اس میں ذرا سی بے احتیاطی ایک حقیقی مسلمان کو اسلام سے خارج بھی کر سکتی ہے، اور ایک دشمن اسلام کافر کو اسلامی برادری کا مار آستین بھی بنا سکتی ہے۔ اور یہ دونوں خطرے ملت کے لئے بڑے عظیم اور ان کے عواقب ونتائج نہایت دور رس ہیں۔

فوائدِ ضروریہ

منقول از رسالہ وصول الافکار

ابناءِ زمانہ کی افراط وتفریط اور کفر واسلام کے معاملہ میں بے احتیاطی دیکھ کر آج سے تیس سال پہلے ۱۳۵۱ھ میں احقر نے ایک سوال کے جواب میں مفصل مقالہ لکھا تھا، جو بنام ''وصول الافکار الی اصول الاکفار'' شائع بھی ہو چکا ہے۔ اس جگہ بھی اس کا خلاصہ لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے:

حقیقت یہ ہے کسی مسلمان کو کافر یا کافر کو مسلمان کہنا دونوں جانب سے نہایت ہی سخت معاملہ ہے۔ قرآن کریم نے دونوں صورتوں پر شدید نکیر فرمائی ہے۔ مسلمان کو کافر کہنے کے متعلق ارشاد ہے:

> یاایھا الذین اٰمنوا اذا ضربتم فی سبیل اللّٰہ فتبینوا ولا تقولوا لمن القیٰ الیکم السلام لست مؤمنا تبتغون عرض الحیوٰۃ الدنیا فعند اللّٰہ مغانم کثیرۃ کذالک کنتم من قبل فمن اللّٰہ علیکم فتبینوا ان اللّٰہ کان بما تعلمون خبیرا . (سورۃ نساء پ:۵،ع:۱۰)

اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا کرو، تو ہر کام کو

تحقیق کر کے کیا کرو، اور ایسے شخص کو جو کہ تمہارے سامنے اطاعت
ظاہر کرے، دنیوی زندگی کے سامان کی خواہش میں یوں مت کہہ
دیا کرو کہ تو مسلمان نہیں۔ کیونکہ خدا کے پاس بہت غنیمت کے مال
ہیں۔ پہلے تم بھی ایسے ہی تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا۔ سو
غور کرو، بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔
یعنی جب تم اول مسلمان ہوئے تھے، اگر تمہیں بھی یہی کہہ دیا جاتا
کہ تم مسلمان نہیں، تو تم کیا کرتے؟

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنا اسلام ظاہر کرے، تو جب تک اس کے کفر کی پوری تحقیق نہ ہو جائے، اس کو کافر کہنا ناجائز اور وبال عظیم ہے۔

اسی طرح اسکے مقابل یعنی کافر کو مسلمان کہنے کی ممانعت اس آیت میں ہے:

أتريدون أن تهدوا من اضل اللّه ومن يضلل الله
فلن تجد له سبيلاً . (نساء پ:۵، ع:۹)

کیا تم لوگ اس کا ارادہ رکھتے ہو کہ ایسے لوگوں کو ہدایت کرو،
جن کو اللہ تعالیٰ نے گمراہی میں ڈال رکھا ہے۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ
گمراہی میں ڈال دیں، اس کے لئے کوئی سبیل نہ پاؤ گے۔

تفسیر جلالین میں ان تھدوا کی تفسیر یہ کی ہے: ای تعدوهم من جملة المهتدين یعنی کفار کو اہل ہدایت شمار کرنا۔

سلفِ صالح صحابہ وتابعین اور مابعد کے ائمہ مجتہدین نے اس بارہ میں بڑی احتیاط سے کام لینے کی ہدایتیں فرمائی ہیں۔ حضرات متکلمین اور فقہاء نے اس

باب کو نہایت اہم اور دشوار گزار سمجھا ہے۔ اور اس میں داخل ہونے والوں کے لئے بہت زیادہ تیقظ و بیداری کی تلقین فرمائی ہے۔

چنانچہ علامہ قاریؒ نے شرح شفاء، فصل: تحقیق القول فی اکفار المتاولین میں امام الحرمین کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

ادخال کافر فی الملة الاسلامیة او اخراج مسلم عنها عظیم فی الدین (شرح شفاء ج:۲ ص:۵۰۰)

کسی کافر کو اسلام میں داخل سمجھنا یا مسلمان کو اسلام سے خارج سمجھنا دونوں سخت چیزیں ہیں۔

لیکن آج کل اس کے برعکس یہ دونوں معاملے اس قدر سہل سمجھ لئے گئے ہیں کہ کفر و اسلام اور ایمان و ارتداد کو کوئی معیار اور اصول ہی نہ رہا۔

ایک جماعت ہے جس نے تکفیر بازی کو ہی مشغلہ بنا رکھا ہے۔ ذرا سی خلافِ شرع بلکہ خلاف طبع کوئی بات سرزد ہوئی، اور ان کی طرف سے کفر کا فتویٰ لگا۔ ادنیٰ ادنیٰ فرعی باتوں پر مسلمانوں کو اسلام سے خارج کہنے لگتے ہیں۔ ادھر ان کے مقابل دوسری جماعت ہے، جن کے نزدیک اسلام و ایمان کوئی حقیقت محصلہ نہیں رہتی۔ بلکہ وہ ہر اس شخص کو مسلمان کہتے ہیں، جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے، خواہ تمام قرآن و حدیث اور احکام اسلامیہ کا انکار اور توہین کرتا رہے۔ انکے نزدیک اسلام کے مفہوم میں ہر قسم کا کفر کھپ سکتا ہے۔ انہوں نے ہندوؤں اور دوسرے مذاہب باطلہ کی طرح اسلام کو بھی محض ایک قومی لقب بنا دیا ہے کہ عقائد جو چاہے رکھے۔ اقوال و اعمال میں جس طرح چاہے آزاد رہے، وہ بہر حال مسلمان ہے۔ اور اس کو اپنے نزدیک وسعت خیال اور وسعت حوصلہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

لیکن اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اس کج روی اور افراط و تفریط کے دونوں پہلوؤں سے سخت بیزار ہیں۔ اسلام نے اپنے پیرؤوں کے لئے ایک آسمانی قانون پیش کیا ہے، جو شخص اس کو ٹھنڈے دل سے تسلیم کرے، اور کوئی تنگی اپنے دل میں اس کے ماننے سے محسوس نہ کرے، وہ مسلمان ہے۔ اور جو اس قانون الٰہی کے کسی قطعی حکم کا انکار کر بیٹھے، وہ بلا شبہ و بلا تردد دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ اس کے دائرۂ اسلام میں داخل رکھنے سے اسلام بیزار ہے۔ اور اس کے ذریعہ اسلامی برادری کی مردم شماری بڑھانے سے اسلام اور مسلمانوں کو غیرت ہے۔ اور ان چند لوگوں کے داخل اسلام ماننے سے ہزاروں مسلمانوں کے خارج از اسلام ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے جیسا کہ بہت دفعہ اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہو چکا ہے۔

سوال اول...... کفر و اسلام کا معیار کیا ہے اور کس وجہ سے کسی مسلمان کو مرتد یا خارج از اسلام کہا جا سکتا ہے؟

الجواب...... ارتداد کے معنی لغت میں پھر جانے اور لوٹ جانے کے ہیں۔ اور اصطلاح شریعت میں ایمان واسلام سے پھر جانے کو ارتداد اور پھرنے والے کو مرتد کہتے ہیں۔ اور ارتداد کی صورتیں دو ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی کم بخت صاف طور پر تبدیل مذہب کر کے اسلام سے پھر جائے۔ جیسے عیسائی، یہودی، آریہ سماجی وغیرہ مذہب اختیار کرے۔ یا خداوند عالم کے وجود یا توحید کا منکر ہو جائے، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کر دے۔

دوسرے یہ کہ اس طرح صاف طور پر تبدیل مذہب اور توحید و رسالت سے انکار نہ کرے۔ لیکن کچھ اعمال یا اقوال یا عقائد ایسے اختیار کرے، جو انکارِ قرآن مجید یا انکار رسالت کے مرادف و ہم معنی ہوں۔ مثلاً اسلام کے کسی ایسے ضروری و

قطعی حکم کا انکار کر بیٹھے، جس کا ثبوت قرآن مجید کی نص صریح سے ہو، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق تواتر ثابت ہوا ہو۔ یہ صورت بھی باجماع امت ارتداد میں داخل ہے۔ اگرچہ اس ایک حکم کے سوا تمام احکام اسلامیہ پر شدت کے ساتھ پابند ہو۔

ایمان کی تعریف مشہور و معروف ہے، جس کے اہم جزو دو ہیں۔ ایک حق سبحانہ وتعالیٰ پر ایمان لانا، دوسرے اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، لیکن جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان کے یہ معنی نہیں کہ صرف اس کے وجود کا قائل ہو جائے، بلکہ اس کی تمام صفات کاملہ علم، سمع، بصر، قدرت وغیرہ کو اسی شان کے ساتھ ماننا ضروری ہے جو قرآن وحدیث میں بتلائی ہیں۔ ورنہ یوں تو ہر مذہب و ملت کا آدمی خدا کے وجود وصفات کو مانتا ہے۔ یہودی، نصرانی، مجوسی، ہندو سب ہی اس پر متفق ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا بھی یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ آپ کے وجود کو مان لے، کہ آپ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی، تریسٹھ سال عمر ہوئی، فلاں فلاں کام کئے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی حقیقت وہ ہے، جو قرآن مجید نے بالفاظ ذیل میں بتلائی ہے۔

فلا و ربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیماً. (سورۃ نساء، ع:۲)

قسم ہے آپ کے رب کی کہ یہ لوگ اس وقت تک مسلمان نہیں

ہو سکتے، جب تک کہ وہ آپ کو اپنے تمام نزاعات واختلافات میں حکم نہ بنا دیں۔ اور پھر جو فیصلہ آپ فرما دیں، اس سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اس کو پوری طرح تسلیم کر لیں۔

روح المعانی میں اسی آیت کی تفسیر سلف سے اس طرح نقل فرمائی ہے:

فقد روی عن الصادق رضی اللّٰه عنه انه قال لو ان قوما عبدوا اللّٰه تعالیٰ واقاموا الصلوٰة واٰتوا الزکوٰة وصاموا رمضان وحجوا البیت ثم قالوا لشئٍ صنعه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ألا صنع خلاف ما صنع او وجدوا فی انفسهم لکانوا مشرکین ثم تلا هذه الایة. (روح المعانی ج:٦،ص:٦٥)

حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اگر کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اور نماز کی پابندی کرے، اور زکوٰۃ ادا کرے، اور رمضان کے روزے رکھے، اور بیت اللہ کا حج کرے، مگر پھر کسی ایسے فعل کو جس کا کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو، یوں کہے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا، اس کے خلاف کیوں نہ کیا، اور اس کے ماننے سے اپنے دل میں تنگی محسوس کرے، تو یہ قوم مشرکین میں سے ہے۔

آیت مذکورہ اور اس کی تفسیر سے واضح ہوگیا کہ رسالت پر ایمان لانے کی حقیقت یہ ہے کہ رسول کے تمام احکام کو ٹھنڈے دل سے تسلیم کیا جائے۔ اور اس میں کسی قسم کا پس وپیش یا تردد نہ کیا جائے۔

اور جب ایمان کی حقیقت معلوم ہوگئی، تو کفر وارتداد کی صورت بھی واضح ہو گئی۔ کیونکہ جس چیز کے ماننے اور تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے، اسی کے نہ ماننے اور انکار کرنے کا نام کفر وارتداد ہے۔ (صرح بہ فی شرح المقاصد) اور ایمان وکفر کی مذکورہ تعریف سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ کفر صرف اسی کا نام نہیں کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرے سے نہ مانے، بلکہ یہ بھی اسی درجہ کا کفر اور نہ ماننے کا ایک شعبہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احکام قطعی ویقینی طور پر ثابت ہیں، ان میں سے کسی ایک حکم کے تسلیم کرنے سے (یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے) انکار کر دیا جائے۔ اگر چہ باقی سب احکام کو تسلیم کرے، اور پورے اہتمام سے سب پر عامل بھی ہو۔

تنبیہ

ہاں اس جگہ دو باتیں قابل خیال ہیں۔ اول تو یہ کہ کفر وارتداد اس صورت میں عائد ہوتا ہے، جب کہ حکم قطعی کے تسلیم کرنے سے انکار اور گردن کشی کرے۔ اور اس حکم کے واجب التعمیل ہونے کا عقیدہ نہ رکھے۔ لیکن اگر کوئی شخص حکم کو تو واجب التعمیل سمجھتا ہے، مگر غفلت یا شرارت کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کرتا، تو اس کو کفر وارتداد نہ کہا جائے گا۔ اگر چہ ساری عمر ایک دفعہ بھی اس حکم پر عمل کرنے کی نوبت نہ آئے، مگر اس شخص کو مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ اور پہلی صورت میں کہ کسی حکم قطعی کو واجب التعمیل ہی نہیں جانتا، اگر چہ کسی وجہ سے وہ ساری عمر اس پر عمل بھی کرتا رہے، جب بھی کافر مرتد قرار دیا جائے گا۔ مثلاً ایک شخص پانچوں وقت کی نماز کا شدت کے ساتھ پابند ہے، مگر فرض اور واجب التعمیل نہیں جانتا، یہ کافر ہے۔ اور دوسرا شخص جو فرض جانتا ہے، مگر کبھی نہیں پڑھتا، اگر چہ فاسق وفاجر اور سخت گناہ گار ہے۔

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے احکام اسلامیہ کی مختلف قسمیں ہوگئی ہیں۔ تمام اقسام کا اس بارہ میں ایک حکم نہیں کفر وارتداد صرف ان احکام کے انکار سے عائد ہوتا ہے، جو قطعی الثبوت بھی ہوں، اور قطعی الدلالۃ بھی۔ قطعی الثبوت ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ ان کا ثبوت قرآن مجید یا ایسی احادیث سے ہو، جن کے روایت کرنے والے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر آج تک ہر زمانہ اور ہر قرن میں مختلف طبقات اور مختلف شہروں کے لوگ اس کثرت سے رہے ہوں کہ ان سب کا جھوٹی بات پر اتفاق کرلینا محال سمجھا جائے۔ (اسی کو اصطلاح میں تواتر اور ایسی احادیث کو احادیثِ متواترہ کہتے ہیں۔)

اور قطعی الدلالۃ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو عبارت قرآن مجید میں اس حکم کے متعلق واقع ہوئی ہے، یا حدیث متواتر سے ثابت ہوئی ہے، وہ اپنے مفہوم مراد کو صاف صاف ظاہر کرتی ہو۔ اس میں کسی قسم کی الجھن یا ابہام نہ ہو کہ جس میں کسی کی تاویل چل سکے۔

پھر اس قسم کے احکام قطعیہ اگر مسلمانوں کے ہر طبقہ خاص وعام میں اس طرح مشہور ومعروف ہو جائیں کہ ان کا حاصل کرنا کسی خاص اہتمام اور تعلیم وتعلم پر موقوف نہ رہے، بلکہ عام طور پر مسلمانوں کو وراثۃً وہ باتیں معلوم ہو جاتی ہوں، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا فرض ہونا، چوری، شراب خوری کا گناہ ہونا۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیاء ہونا وغیرہ تو ایسے احکام قطعیہ کو ضروریات دین کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور جو اس درجہ مشہور نہ ہوں، وہ صرف قطعیات کہلاتے ہیں۔ ضروریات نہیں۔

اور ضروریات اور قطعیات کے حکم میں یہ فرق ہے کہ ضروریاتِ دین کا انکار باجماع امت مطلقاً کفر ہے، ناواقفیت و جہالت کو اس میں عذر نہ قرار دیا جائے گا۔ اور نہ کسی قسم کی تاویل سنی جائیگی۔

اور قطعیات محضہ جو شہرت میں اس درجہ کو نہیں پہنچے، تو حنفیہ کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی عام آدمی بوجہ ناواقفیت و جہالت کے ان کا انکار کر بیٹھے، تو ابھی اس کے کفر وارتداد کا حکم نہ کیا جائے گا۔ بلکہ پہلے اس کو تبلیغ کی جائے گی کہ یہ حکم اسلام کے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت احکام میں سے ہے، اس کا انکار کفر ہے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ اپنے انکار پر قائم رہے، تب کفر کا حکم کیا جائے گا۔

کما فی المسائرة والمسامرة لابن الهمام و لفظه واما ما ثبت قطعاً ولم يبلغ حد الضرورة كاستحقاق بنت الابن السدس مع البنت الصلبيه باجماع المسلمين فظاهر كلام الحنفية الاكفار بجحده بانهم لم يشترطوا فی الاكفار سوى القطع فی الثبوت (الى قوله) ويجب حمله على ما اذا علم المنكر ثبوته قطعاً. (مسامره ص: ۱۴۹)

اور جو حکم قطعی الثبوت تو ہو، مگر ضرورت کی حد کو نہ پہنچا ہو، جیسے (میراث میں) اگر پوتی اور بیٹی حقیقی جمع ہوں، تو پوتی کو چھٹا حصہ ملنے کا حکم اجماع امت سے ثابت ہے۔ سو ظاہر کلام حنفیہ کا یہ ہے کہ اس کے انکار کی وجہ سے کفر کا حکم کیا جاوے کیونکہ انہوں نے قطعی الثبوت ہونے کے سوا اور کوئی شرط نہیں لگائی۔ (الی قولہ)

مگر واجب ہے کہ حنفیہ کے اس کلام کو اس صورت پر محمول کیا جاوے کہ جب منکر کو اس کا علم ہو کہ یہ حکم قطعی الثبوت ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح کفر وارتداد کی ایک قسم تبدیل مذہب ہے، اسی طرح دوسری قسم یہ بھی ہے کہ ضروریات دین اور قطعیات اسلام میں سے کسی چیز کا انکار کر دیا جائے، یا ضروریات دین میں کوئی ایسی تاویل کی جائے، جس سے ان کے معروف معانی کے خلاف معنی پیدا ہو جائیں، اور غرض معروف بدل جائے۔

ضابطۂ تکفیر

اس لئے تکفیر مسلم کے بارہ میں ضابطہ شرعیہ یہ ہو گیا کہ جب تک کسی شخص کے کلام میں تاویل صحیح کی گنجائش ہو، اور اس کے خلاف کی تصریح متکلم کے کلام میں نہ ہو، یا اس عقیدہ کے کفر ہونے میں ادنیٰ سے ادنیٰ اختلاف ائمہ اجتہاد میں واقع ہو، اس وقت تک اس کے کہنے والے کو کافر نہ کہا جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے، یا کوئی ایسی ہی تاویل وتحریف کرے، جو اس کے اجماعی معانی کے خلاف معنی پیدا کر دے، تو اس شخص کے کفر میں کوئی تامل نہ کیا جائے۔

واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

تتمہ مسئلہ

از امداد الفتاوی جلد سادس

یہ کل بیان اس صورت میں تھا، جب کہ کسی شخص یا جماعت کے متعلق عقیدۂ کفریہ رکھنا یا اقوال کفریہ کا کہنا متیقن طریق سے ثابت ہو جائے۔ لیکن اگر خود اسی میں کسی موقع پر شک ہو جائے کہ یہ شخص اس عقیدہ کا معتقد یا اس قول کا قائل ہے یا نہیں؟ تو اس کیلئے احوط و اسلم وہ طریق ہے جو امداد الفتاوی میں درج ہے، جس کو بعینہ ذیل میں بطور تتمہ نقل کیا جاتا ہے۔

اگر کسی شخص کے متعلق یا کسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو، خواہ تردد کا سبب علماء کا اختلاف ہو، خواہ قرائن کا تعارض ہو، یا اصول کا غموض، تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم کیا جاوے نہ اسلام کا، حکم اول میں تو خود اس کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے، اور حکم ثانی میں دوسرے مسلمانوں کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے۔ پس احکام میں دونوں احتیاطوں کو جمع کیا جائے گا۔ یعنی اس سے نہ عقد مناکحت کی اجازت دیں گے، نہ اس کی اقتداء کریں گے، نہ اس کا ذبیحہ کھائیں گے، اور نہ اس پر سیاست کافرانہ جاری کریں گے۔ اگر تحقیق کی قدرت ہو، اس کے عقائد کی تفتیش کریں گے، اور اس تفتیش کے بعد جو ثابت ہو، ویسے ہی احکام جاری کریں گے۔ اور اگر تحقیق کی قدرت نہ ہو، تو سکوت کریں

گے۔ اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں گے۔ اس کی نظیر وہ حکم ہے، جو اہل کتاب کی مشتبہ روایات کے متعلق حدیث میں وارد ہے۔

لاتصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبواهم و قولوا امنا بالله و ما انزل الينا . (رواه البخارى)

نہ اہل کتاب کی تصدیق کرو، نہ تکذیب، بلکہ یوں کہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس وحی پر جو ہم پر نازل ہوئی۔

دوسری فقہی نظیر احکام خنثیٰ ہیں:

يوخذ فيه بالاحوط و الاوثق فى امور الدين وان لا يحكم بثبوت حكم وقع الشك فى ثبوته واذا وقف خلف الامام قام بين صف الرجال والنساء و يصلى بقناع و يجلس فى صلاته جلوس المراة و يكره له فى حياته لبس الحلى و الحرير وان يخلوا به غير محرم من رجل او امراة او يسافر مع غير محرم من الرجال و الاناث و لا يغسله رجل و لا امراة و يتمم بالصعيد و يكفن كما يكفن الجارية و امثاله مما فصله الفقهاء (۱۱شعبان ۵۱ھ)

خنثیٰ مشکل کے بارہ میں امور دین میں وہ صورت اختیار کی جاوے، جس میں احتیاط ہو۔ اور کسی ایسی چیز کے ثبوت کا اس پر حکم نہ کیا جاوے، جس کے ثبوت میں شک ہو۔ اور جب وہ امام کے پیچھے نماز کی صف میں کھڑا ہو، تو مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو۔ اور عورتوں کی طرح دوپٹہ اوڑھ کر نماز پڑھے،

اور قعدہ میں اس طرح بیٹھے، جیسے عورتیں بیٹھتی ہیں۔ اور اس کے لئے زیور اور ریشمی کپڑا پہننا مکروہ ہے۔ اور یہ بھی مکروہ ہے کہ کوئی مرد یا عورت غیر محرم اس کے ساتھ خلوت میں بیٹھے، یا ایسے مرد یا عورت کے ساتھ سفر کرے۔ جو اس کا محرم نہ ہو، اور مرنے کے بعد اس کو نہ کوئی مرد غسل دے نہ عورت، بلکہ تیمّم کرا دیا جاوے، اور کفن ایسا دیا جاوے جیسا لڑکیوں کو دیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح دوسرے احکام جن کو فقہاء نے مفصل لکھا ہے۔

خلاصہ رسالہ

مع جواب بعض شبہات

اس معاملہ میں سب سے پہلی بات قابل نظر یہ ہے کہ دائرۂ اسلام سے نکلنے یا کافر ہونے کے لئے اس کا قصد و ارادہ ضروری نہیں، شیطان اکبر ''ابلیس'' نے کافر ہونے کا ارادہ نہیں کیا تھا، مگر اس کی حرکت نے اس کو کافر بنا دیا۔ اسی کے متعلق قرآن مجید میں آیا ہے:

وکان من الکفرین

اور تھا وہ کافروں میں سے

قرن اول میں مانعین زکوۃ اور مسیلمہ کذاب کے متبعین نے بھی ملت

اسلامیہ کو چھوڑا نہیں تھا، مگر با جماعِ صحابہ، اسلام سے خارج قرار دیئے گئے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر تاویل کے ساتھ انکار کرنے کو، مطلقاً انکار و تکذیب سے خارج قرار دیا جائے، تو پھر دنیا میں کوئی بڑے سے بڑے کافر بھی دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ ''بت پرست'' اور یہود و نصاریٰ سبھی کو مسلمان کہنا پڑے گا۔ کیونکہ شیطان ابلیس نے نہ کبھی خدا کا انکار کیا نہ اس کی خدائی کا، نہ اس کی کسی صفت کا، بلکہ اس نے تو صرف غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا۔ وہ تو یہ کہہ سکتا ہے کہ میں ''موحد اعظم'' ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی اس سرکشی کو تکذیب ہی کے حکم میں رکھ کر کفر عظیم قرار دیا۔ اسی طرح عام بت پرست اپنے بتوں کی پرستش کی کبھی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہم بتوں کو خود خدا نہیں مانتے بلکہ ان کو قربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھ کر رضا جوئی کے لئے ان کی عبادت کرتے ہیں خود قرآن کریم نے بت پرستوں کی اس تاویل کو ذکر کر کے نا قابلِ التفات قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

ومانعبدھم الا لیقربونا الی اللّٰہ زلفٰی

ہم بتوں کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے قریب کر دیں۔

اور کہیں یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ بت براہ راست خدا نہیں، بلکہ خدا کی ملک ہیں، مگر غایت تقرب کی وجہ سے یہ بھی علم و قدرت وغیرہ میں خدا کے شریک ہیں۔ حدیث میں ہے کہ مشرکین عرب اپنے حج میں بطور تلبیہ کہا کرتے تھے:

لاشریک لک الا شریکا ھو لک

تیرا کوئی شریک نہیں بجز اس کے جو تیری ہی ملک ہے۔ یعنی بت وغیرہ۔

الغرض بت پرست اور مشرکین بھی کلمہ لاالہ الا اللہ کی صریح مخالفت نہیں کرتے بلکہ تاویل کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ لیکن قرآن و حدیث نے ایسی تاویلاتِ باطلہ کو تکذیب و انکار ہی کا مرادف قرار دے کر ان سب کو کافر ہی کہا ہے۔ کیونکہ قرآن وحدیث کی تصریحات دربارۂ توحید لاشریک لک سے کسی فرد کے استثناء کی متحمل نہیں، اور لاالہ الا اللہ کا عموم اپنے ظاہری معنی پر بلا کسی تخصیص واستثناء کے امت اسلامیہ کا اجماعی عقیدہ ہے۔

اسی طرح جو شخص آیت خاتم النبیین یا حدیث لا نبی بعدی میں امت مسلمہ کے اجماعی عقیدہ کے خلاف کسی تخصیص واستثناء کی راہ نکالے کہ آپ خاتم الانبیاء تو ہیں۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا، مگر بجز اس کے جو ظلی بروزی طور پر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عین یا ظل ہو۔ تو یہ درحقیقت مشرکین عرب کی اسی تاویل کا چربہ ہے، جو وہ الاشریکا ھولک سے کیا کرتے تھے۔

اگر خاتم النبیین اور لا نبی بعدی میں تاویلات باطلہ کرنیوالے کو دائرۂ اسلام سے خارج نہ سمجھا جائے، تو پھر بت پرست اور مشرکین کو بلکہ ان کے معلم وامام، ابلیس کو بھی دائرۂ اسلام سے خارج یا کافر نہیں کہہ سکتے۔

اور جو لوگ ایسی تاویلات باطلہ کر کے امت کے اجماعی عقائد اور قرآن و حدیث کی واضح تصریحات کی تکذیب کرنے والوں کو امت اسلامیہ سے علیٰحدہ کرنے کو اس لئے برا سمجھتے ہیں کہ اس سے اسلامی برادری کو نقصان پہنچتا ہے۔ ان کی تعداد کم ہوتی ہے، یا ان میں تفرقہ پڑتا ہے، تو انہیں غور کرنا چاہیے کہ اگر تفرقہ اور اختلاف سے بچنے کے یہی معنی ہیں کہ کوئی کچھ کیا کرے، اور کہا کرے، مگر اس کو دائرۂ اسلام سے خارج نہ سمجھا جائے، تو پھر ان مٹھی بھر ملاحدہ وزنادقہ سے ملت کو

کیا سہارا لگتا ہے؟ ایسی پوچ تاویلات کے ذریعہ تو سارے جہاں کے کافروں کو ملت اسلامیہ میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایسی ہی رواداری کرنا ہے، تو پیٹ بھر کے کی جائے، تا کہ دنیا کی ساری قومیں اور سلطنتیں اپنی ہو جائیں، اور یہ کفر و ایمان کی جنگ ہی ختم ہو جائے۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس روشن خیالی اور رواداری کے ساتھ قرآن سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔

منکم کافر ومنکم مؤمن

بعض تم میں کافر ہیں اور بعض تم میں مؤمن ہیں

کا اعلان کیا، اور جس نے حزب اللہ اور حزب الشیطان کا تفرقہ قائم کیا، اور جس کا تقریباً آدھا حصہ کفر اور کفار کے ساتھ جہاد و خلاف سے لبریز ہے۔

یہ کافر بنانا نہیں بتانا ہے

آج کل بہت سے وہ لوگ جو اصول دین سے واقف نہیں، ملحدین کے ظاہری نماز روزہ وغیرہ سے متاثر ہو کر ان کو کافر قرار دینے والے علماء پر یہ الزام لگایا کرتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں۔ مذکور الصدر دلائل سے واضح ہو گیا کہ وہ کسی کو کافر بناتے نہیں، البتہ جو خود اپنے عقائد کفریہ کی وجہ سے کافر ہو جائے، اس کا کافر ہونا مسلمانوں کو بتاتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ تکذیب رسول کی یہ صورت جس کا نام ''زندقہ والحاد'' ہے۔ تکذیب و کفر کی بدترین اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے ہر کفر سے زیادہ خطرناک ہے۔ ''ابلیس'' جیسا کافر کفر اسی قسم تکذیب کی وجہ سے کافر قرار دیا گیا ہے۔

لیکن یہ تکذیب چونکہ صاف تکذیب کے رنگ میں نہیں ہوئی، اس لئے خود مسلمان بھی اس، میں اکثر دھوکا کھاتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ اس کا مرتکب، عام شعائرِ اسلام نماز، روزہ، تلاوت اور قرآن وغیرہ کا پابند ہو۔

اس لئے ضرورت تھی کہ قرآن وحدیث اور اکابر امت کی تصریحات سے اس کی اصل حقیقت کو واضح کیا جائے، سو بحمد اللہ اس رسالہ میں اس کی مکمل تفصیل آ گئی۔ جس سے واضح ہو گیا کہ اسلام کے قطعی اور یقینی احکام کو بذریعۂ تاویلات ان کے منصوص اور اجماعی مفہوم سے پھیر کر اس کے خلاف کسی مفہوم پر محمول کرنا، درحقیقت رسول کی تکذیب ہے۔

اسی کے ضمن میں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حدیث میں جو اہل قبلہ کی تکفیر کو منع کیا گیا ہے۔ اس کا یہ مفہوم نہیں کہ جو قبلے کی طرف منہ کر لے، وہ مسلمان ہے، بلکہ یہ شرع اسلام کا ایک اصطلاحی لفظ ہے، جو صرف ان لوگوں کے لئے بولا جاتا ہے، جو اسلام کے عام شعائر، نماز وغیرہ مسلمانوں کی طرح ادا کرتے ہوں، اور ان سے کوئی قول وفعل ایسا سرزد نہ ہو، جس سے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب ہوتی ہو۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

حررہ العبد الضعیف
محمد شفیع عفا اللہ عنہ
ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ
جنوری ۱۹۵۴ء

وصول الأفكار الى اصول الاكفار

تکفیر کے اصول

اور آغا خانی فرقہ کا حکم

تاریخ تالیف ـــــــــ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ (مطابق ۱۹۳۲ء)
مقامِ تالیف ـــــــــ دیوبند سہارنپور
طبع اوّل دارالاشاعت دیوبند ۱۳۵۱ھ

کفر اور اسلام کا معیار کیا ہے؟ کسی مسلمان کو کس وجہ سے مرتد یا خارج از اسلام کہا جاسکتا ہے؟ اور کونسی گمراہیاں انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہیں؟ ان سوالات کا جواب اس مقالہ کا موضوع ہے، اور اس ضمن میں چکڑالوی، مرزائی اور آغاخانی فرقوں کی صحیح حیثیت واضح کی گئی۔

سیدی حضرت حکیم الامۃ تھانوی قدس سرہٗ کی رائے گرامی

رسالہ وصول الافکار الیٰ اصول الاکفار کے متعلق

مولانا عبدالماجد دریابادی کے ایک مفصل خط پر تنقید کے آخر میں حضرت تھانویؒ نے مندرجہ ذیل جملے تحریر فرمائے ہیں۔ یہ خط ۷ شعبان ۱۳۵۱ھ کا تحریر فرمودہ ہے۔ اور ماہنامہ ''النور'' تھانہ بھون ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ میں شائع ہوا تھا اور پھر امداد الفتاویٰ مبوب کی جلد چہارم ص: ۵۳۹ پر شائع ہوا ہے وہ جملے یہ ہیں:

''مولوی محمد شفیع صاحب نے اصول تکفیر میں ایک مختصر اور جامع مانع اور نافع رسالہ لکھا ہے، بعض اجزاء میں میں بھی الجھا تھا، مگر ان کی تقریر وتحریر سے قریب قریب مسئلہ صاف ہوگیا۔ وہ عنقریب چھپ جاوے گا، میں نے اس کا نام رکھا ہے

وصول الافکار الیٰ اصول الاکفار''

۷ شعبان ۱۳۵۱ھ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وکفی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی
خصوصاً سیدنا محمد المجتبی ومن بھدیہ اھتدی

اما بعد!

کسی مسلمان کو کافر یا کافر کو مسلمان کہنا دونوں جانب سے نہایت ہی سخت معاملہ ہے۔ قرآن کریم نے دونوں صورتوں پر شدید نکیر فرمائی ہے۔ مسلمان کو کافر کہنے کے متعلق ارشاد ہے:

یاایھا الذین اٰمنوا اذا ضربتم فی سبیل اللہ فتبینوا ولاتقولوا لمن القیٰ الیکم السلام لست مؤمناً تبتغون عرض الحیوٰۃ الدنیا فعنداللہ مغانم کثیرۃ کذالک کنتم من قبل فمن اللہ علیکم فتبینوا ان اللہ کان بما تعملون خبیرا. (نساء : ۹۴)

اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا کرو تو ہر کام کو تحقیق کر کے کیا کرو اور ایسے شخص کو جو کہ تمھارے سامنے اطاعت ظاہر کرے دنیوی زندگی کے سامان کی خواہش میں یوں مت کہہ دیا کرو کہ تو مسلمان نہیں کیونکہ خدا کے پاس بہت غنیمت کے مال ہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا سو غور کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔ (یعنی جب تم اول

مسلمان ہوئے تھے اگر تمھیں بھی یہی کہہ دیا جاتا کہ تم مسلمان نہیں تو تم کیا کرتے۔)

الغرض اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنا اسلام ظاہر کرے، تو جب تک اس کے کفر کی پوری تحقیق نہ ہو جائے، اس کو کافر کہنا ناجائز اور وبال عظیم ہے۔ اسی طرح اس کے مقابل یعنی کافر کو مسلمان کہنے کی ممانعت اس آیت میں ہے:

اتریدون ان تھدوا من اضل اللہ ومن یضلل اللہ فلن تجد لہ سبیلاً (نساء : ۸۸)

کیا تم لوگ اس کا ارادہ رکھتے ہو کہ ایسے لوگوں کو ہدایت کرو، جن کو اللہ تعالیٰ نے گمراہی میں ڈال رکھا ہے۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں، اس کے لئے کوئی سبیل نہ پاؤ گے۔

سلف صالح صحابہ وتابعین اور مابعد کے ائمہ مجتہدین نے اس بارہ میں بڑی احتیاط سے کام لینے کی ہدایتیں فرمائی ہیں۔ حضرات متکلمین اور فقہاء نے اس باب کو نہایت اہم اور دشوار گذار سمجھا ہے۔ اور اس میں داخل ہونے والوں کے لئے بہت زیادہ تیقظ وبیداری کی تلقین فرمائی ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ قاریؒ نے شرح شفاء فصل (تحقیق القول فی اکفار المتأوّلین) میں فرمایا ہے:

ادخال کافر فی الملۃ الاسلامیۃ او اخراج مسلم عنھا عظیم فی الدین (شرح شفاء ص : ۵۰۰ ج: ۲)

کسی کافر کو اسلام میں داخل سمجھنا یا مسلمان کو اسلام سے خارج سمجھنا (دونوں چیزیں) سخت ہیں۔

لیکن آج کل اس کے برعکس یہ دونوں معاملے اس قدر سہل سمجھ لئے گئے ہیں کہ کفر و اسلام اور ایمان و ارتداد کا کوئی معیار اور اصول ہی نہ رہا۔

ایک جماعت ہے جس نے تکفیر بازی کو ہی مشغلہ بنا رکھا ہے۔ ذرا سی خلاف شرع بلکہ خلاف طبع کوئی بات کسی سے سرزد ہوئی اور ان کی طرف سے کفر کا فتویٰ لگا، ادنیٰ ادنیٰ فرعی باتوں پر مسلمانوں کو اسلام سے خارج کہنے لگتے ہیں۔ ادھر ان کے مقابل دوسری جماعت ہے، جن کے نزدیک اسلام و ایمان کوئی حقیقت محصلہ نہیں رکھتے، بلکہ وہ ہر اس شخص کو مسلمان کہتے ہیں جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے، خواہ تمام قرآن وحدیث اور احکام اسلامیہ کا انکار اور توہین کرتا رہے۔ ان کے نزدیک اسلام کے مفہوم میں ہر قسم کا کفر کھپ سکتا ہے۔ انہوں نے ہندوؤں اور دوسرے مذاہب باطلہ کی طرح اسلام کو بھی محض ایک قومی لقب بنا دیا ہے کہ عقائد جو چاہے رکھے اقوال و اعمال میں جس طرح چاہے آزاد رہے، وہ بہرحال مسلمان ہے۔ اور اس کو اپنے نزدیک وسعت خیال اور وسعت حوصلہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور تمام سیاسی مصالح کا محور و مدار اسی کو بنا رکھا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کجروی اور افراط و تفریط کے دونوں پہلوؤں سے سخت بیزار ہیں۔ اسلام نے اپنے پیروؤں کے لئے ایک آسمانی قانون پیش کیا ہے، جو شخص اس کو ٹھنڈے دل سے تسلیم کرے، اور کوئی تنگی اپنے دل میں اس کے ماننے سے محسوس نہ کرے، وہ مسلمان ہے۔ اور جو اس قانون الٰہی کے کسی ادنیٰ حکم کا انکار کر بیٹھے وہ بلاشبہ و بلاتردد دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ اس کے دائرۂ اسلام میں داخل رکھنے سے اسلام بیزار ہے۔ اور اس کے ذریعہ اسلامی برادری کی مردم شماری بڑھانے سے اسلام اور مسلمانوں کو غیرت ہے۔ اور ان چند لوگوں کے داخل اسلام ماننے سے ہزاروں مسلمانوں کے خارج

از اسلام ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے۔ جیسا کہ بہت دفعہ اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہو چکا ہے۔

اور یہ ایک مضرت ایسی ہے کہ اگر فی الواقع ہزاروں مصالح بھی اس کے مقابلے میں موجود ہوں تو وہ کسی مذہب دوست مسلمان کے لئے ہرگز قابل التفات نہیں ہوسکتیں۔ بالخصوص جب کہ وہ مصالح بھی محض موہوم اور خیالی ہوں۔

الغرض ابنائے زمانہ کی اس افراط وتفریط اور کفر واسلام کے معاملہ میں بے احتیاطی کو دیکھ کر مدت سے خیال ہوتا تھا کہ اس بحث پر ایک مختصر جامع رسالہ لکھا جائے، جس میں کفر واسلام کا معیار ہو۔

اور اصولی طور پر یہ بات واضح کر دی جائے کہ وہ کون سے عقائد یا اقوال و افعال ہیں، جن کی بنا پر کوئی مسلمان اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اسی اثناء میں ذیل کے سوال کا جواب لکھنے کی ضرورت پیش آئی، تو اسی کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھ دیا گیا۔ جس سے علاوہ اصول تکفیر معلوم ہونے کے بعض فرقوں کا حکم بھی واضح ہو گیا۔ اور مرتد کے بعض احکام بھی معلوم ہو گئے اور اس مجموعے کا نام "(۱) وصول الافکار الیٰ اصول الاکفار" رکھا گیا ہے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

---

(۱) یہ رسالہ حضرت مجدد الملۃ، عارف باللہ سیدی حضرت مولانا تھانوی دامت برکاتہم نے باستیعاب ملاحظہ فرمایا، اور بہت سی اصلاحات سے مزین فرمایا۔ اور اس کا نام "وصول الافکار الیٰ اصول الاکفار" تجویز فرمایا۔

سوال اول

کفر و اسلام کا معیار کیا ہے اور کس وجہ سے کسی مسلمان کو مرتد یا خارج از اسلام کہا جا سکتا ہے؟

الجواب

ارتداد کے معنی لغت میں پھر جانے اور لوٹ جانے کے ہیں۔ اور اصطلاح شریعت میں ایمان و اسلام سے پھر جانے کو ارتداد اور پھرنے والے کو مرتد کہتے ہیں۔ اور ارتداد کی صورتیں دو ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی کم بخت صاف طور پر تبدیل مذہب کر کے اسلام سے پھر جائے۔ جیسے عیسائی، یہودی، آریہ سماجی وغیرہ مذہب اختیار کرے۔ یا خداوند عالم کے وجود یا توحید کا منکر ہو جائے۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرے۔ (والعیاذ باللہ تعالیٰ)

دوسرے یہ کہ اس طرح صاف طور پر تبدیل مذہب اور توحید و رسالت سے انکار نہ کرے۔ لیکن کچھ اعمال یا اقوال یا عقائد ایسے اختیار کرے، جو انکار قرآن مجید یا انکار رسالت کے مرادف و ہم معنی ہیں۔ مثلاً اسلام کے کسی ایسے ضروری و قطعی حکم کا انکار کر بیٹھے جس کا ثبوت قرآن مجید کی نص صریح سے ہو یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق تواتر ثابت ہوا ہو۔ یہ صورت بھی باجماع امت ارتداد میں داخل ہے۔ اگرچہ اس ایک حکم کے سوا تمام احکام اسلامیہ پر شدت کے ساتھ پابند ہو۔

ارتداد کی اس دوسری صورت میں اکثر مسلمان غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اور ایسے لوگوں کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ اور یہ اگرچہ بظاہر ایک سطحی اور معمولی غلطی ہے۔ لیکن اگر اس کے ہولناک نتائج پر نظر کی جائے، تو اسلام اور مسلمان کے لئے اس سے زیادہ کوئی چیز مضر نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں کفر و اسلام کے حدود ممتاز نہیں رہتے، کافر مؤمن میں کوئی امتیاز نہیں رہتا۔ اسلام کے چالاک دشمن اسلامی برادری کے ارکان بن کر مسلمانوں کے لئے ''مارِ آستین'' بن سکتے ہیں۔ اور دوستی کے لباس میں دشمنی کی ہر قرارداد کو مسلمانوں میں نافذ کر سکتے ہیں۔

اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس صورت ارتداد کی توضیح کسی قدر تفصیل کے ساتھ کر دی جائے۔ اور چونکہ ارتداد کی صحیح حقیقت ایمان کے مقابلہ ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس لئے اجمالاً ایمان کی تعریف اور پھر ارتداد کی حقیقت لکھی جاتی ہے۔

ایمان وارتداد کی تعریف

ایمان کی تعریف مشہور و معروف ہے۔ جس کے اہم جزو دو ہیں۔ ایک حق سبحانہ وتعالیٰ پر ایمان لانا۔ دوسرے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ لیکن جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان کے یہ معنی نہیں، کہ صرف اس کے وجود کا قائل ہو جائے۔ بلکہ اس کی تمام صفات کاملہ علم، سمع، بصر، قدرت وغیرہ کو اسی شان کے ساتھ ماننا ضروری ہے، جو قرآن وحدیث میں بتلائی ہیں۔ ورنہ یوں تو ہر مذہب و ملت کا آدمی خدا کے وجود وصفات کو مانتا ہے۔ یہودی، نصرانی، مجوسی، ہندو سب ہی اس پر متفق ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا بھی یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ آپؐ کے وجود کو مان لے کہ آپ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، اور مدینہ طیبہ کی

طرف ہجرت کی۔ تریسٹھ سال عمر ہوئی، فلاں فلاں کام کیے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی حقیقت وہ ہے، جو قرآن مجید نے بالفاظ ذیل بتلائی ہے:

فَلاَ وَ رَبِّکَ لاَیُؤمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لاَیَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً

قسم ہے آپ کے رب کی کہ یہ لوگ اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتے، جب تک کہ وہ آپ کو اپنے تمام نزاعات واختلافات میں حکم نہ بنادیں۔ اور پھر جو فیصلہ آپ فرمادیں، اس سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اس کو پوری طرح تسلیم نہ کرلیں۔

روح المعانی میں اسی آیت کی تفسیر سلف سے اس طرح نقل فرمائی ہے:

فقد روی عن الصادق رضی الله عنه انه قال لو ان قوما عبدوا الله تعالیٰ و اقاموا الصلوٰة واٰتوا الزکوٰة و صاموا رمضان و حجوا البیت ثم قالوا لشئ صنعه رسول الله صلی الله علیه وسلم الأ صنع خلاف ما صنع او وجدوا فی انفسهم حرجاً لکانوا مشرکین ثم تلا هذه الأیة (روح المعانی ص:۶۵ ج:۵)

حضرت صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اگر کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اور نماز کی پابندی کرے، اور زکوٰۃ ادا کرے، اور رمضان کے روزے رکھے، اور بیت اللہ کے حج کرے، مگر پھر کسی ایسے فعل کو جس کا ذکر حضورؐ سے ثابت ہو یوں کہے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا، اس کے خلاف کیوں نہ کیا، اور اس کے ماننے سے اپنے دل میں تنگی محسوس کرے، تو یہ قوم مشرکین میں سے ہے۔

آیت مذکورہ اور اس کی تفسیر سے واضح ہو گیا کہ رسالت پر ایمان لانے کی حقیقت یہ ہے کہ رسول کے تمام احکام کو ٹھنڈے دل سے تسلیم کیا جائے، اور اس میں کسی قسم کا پس و پیش یا تردد نہ کیا جائے۔

اور جب ایمان کی حقیقت معلوم ہو گئی تو کفر و ارتداد کی صورت بھی واضح ہو گئی۔ کیونکہ جس چیز کے ماننے اور تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے، اسی کے نہ ماننے اور انکار کرنے کا نام کفر و ارتداد ہے۔ (صرّح بہ فی شرح المقاصد) اور ایمان و کفر کی مذکورہ تعریف سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ کفر صرف اسی کا نام نہیں کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرے سے نہ مانے۔ بلکہ یہ بھی اسی درجہ کا کفر اور نہ ماننے کا ایک شعبہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احکام قطعی و یقینی طور پر ثابت ہیں، ان میں سے کسی ایک حکم کے تسلیم کرنے سے (یہ سمجھتے ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے) انکار کر دیا جائے، اگر چہ باقی سب احکام کو تسلیم کرے، اور پورے اہتمام سے سب پر عامل بھی ہو۔

اور وجہ یہ ہے کہ کفر و ارتداد حضرت مالک الملک والملکوت کی بغاوت کا نام ہے۔ اور سب جانتے ہیں کہ بغاوت جس طرح بادشاہ کے تمام احکام کی نافرمانی اور مقابلہ پر کھڑے ہو جانے کو کہتے ہیں، اسی طرح یہ بھی بغاوت ہی سمجھی جاتی ہے کہ کسی ایک قانونِ شاہی کی قانون شکنی کی جائے اگر چہ باقی سب احکام کو تسلیم کر لے۔

شیطان ابلیس جو دنیا میں سب سے بڑا کافر اور کافر گر ہے، اس کا کفر بھی اسی دوسری قسم کا کفر ہے۔ کیونکہ اس نے بھی نہ تبدیل مذہب کیا نہ خدا تعالیٰ کے وجود قدرت وغیرہ کا انکار کیا نہ ربوبیت سے منکر ہوا صرف ایک حکم سے سرتابی کی جس کی وجہ سے ابدالآباد کے لئے مطرود و ملعون ہو گیا۔

حافظ ابن تیمیہؒ الصارم المسلول ص: ۳۶۷ میں فرماتے ہیں:

کما ان الردة تتجرد عن السبّ فکذالک تتجرد عن قصد تبدیل الدین و ارادة التکذیب بالرسالة کما تجرد کفر ابلیس عن قصد التکذیب بالربوبیة

جیسا کہ ارتداد بغیر اس کے بھی ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ یا اس کے رسولؐ کی شان میں سب وشتم سے پیش آوے، اسی طرح بغیر اس کے بھی ارتداد متحقق ہوسکتا ہے کہ آدمی تبدیل مذہب کا یا تکذیب رسول کا قصد کرے۔ جیسا کہ ابلیس لعین کا کفر تکذیب ربوبیت سے خالی ہے۔

الغرض ارتداد صرف اسی کو نہیں کہتے کہ کوئی شخص اپنا مذہب بدل دے یا صاف طور پر خدا اور رسول کا منکر ہو جائے بلکہ ضروریات دین کا انکار کرنا اور قطعی الثبوت و الدلالۃ احکام میں سے کسی ایک کا بعد علم انکار کر دینا بھی اسی درجہ کا ارتداد اور کفر ہے۔

تنبیہ

ہاں اس جگہ دو باتیں قابل خیال ہیں۔ اول تو یہ کہ کفر وارتداد اس صورت میں عائد ہوتا ہے جب کہ حکم قطعی کے تسلیم کرنے سے انکار اور گردن کشی کرے۔ اور اس حکم کے واجب التعمیل ہونے کا عقیدہ نہ رکھے۔ لیکن اگر کوئی شخص حکم کو تو واجب التعمیل سمجھتا ہے، مگر غفلت یا شرارت کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کرتا، تو اس کو کفر وارتداد نہ کہا جائے گا۔ اگر چہ ساری عمر میں ایک دفعہ بھی اس حکم پر عمل کرنے کی نوبت نہ آئے۔ بلکہ اس شخص کو مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ اور پہلی صورت میں کہ کسی حکم قطعی کو واجب التعمیل ہی نہیں جانتا، اگر چہ کسی وجہ سے وہ ساری عمر اس پر

عمل بھی کرتا رہے، جب بھی کافر مرتد قرار دیا جائے گا۔ مثلاً ایک شخص پانچوں وقت کی نماز کا شدت کے ساتھ پابند ہے، مگر فرض اور واجب التعمیل نہیں جانتا، یہ کافر ہے۔ اور دوسرا شخص جو فرض جانتا ہے، مگر کبھی نہیں پڑھتا، وہ مسلمان ہے۔ اگر چہ فاسق و فاجر اور سخت گناہ گار ہے۔

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے احکام اسلامیہ کی مختلف قسمیں ہوگئی ہیں۔ تمام اقسام کا اس بارہ میں ایک حکم نہیں۔ کفر وارتداد صرف ان احکام کے انکار سے عائد ہوتا ہے، جو قطعی الثبوت بھی ہوں، اور قطعی الدلالۃ بھی۔ قطعی الثبوت ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ ان کا ثبوت قرآن مجید یا ایسی احادیث سے ہو، جن کے روایت کرنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لےکر آج تک ہر زمانہ اور ہر قرن میں مختلف طبقات اور مختلف شہروں کے لوگ اس کثرت سے رہے ہوں، کہ ان سب کا جھوٹی بات پر اتفاق کر لینا محال سمجھا جائے۔ (اسی کو اصطلاح حدیث میں تواتر اور ایسی احادیث کو احادیث متواترہ کہتے ہیں)

اور قطعی الدلالۃ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو عبارت قرآن مجید میں اس حکم کے متعلق واقع ہوئی ہے، یا حدیث متواترہ سے ثابت ہوئی ہے، وہ اپنے مفہوم مراد کو صاف صاف ظاہر کرتی ہو، اس میں کسی قسم کی الجھن نہ ہو کہ جس میں کسی کی تاویل چل سکے۔

پھر اس قسم کے احکام قطعیہ اگر مسلمانوں کے ہر طبقہ خاص و عام میں اس طرح مشہور و معروف ہو جائیں کہ ان کا حاصل کرنا کسی خاص اہتمام اور تعلیم و تعلم پر موقوف نہ رہے، بلکہ عام طور پر مسلمانوں کو وراثۃً وہ باتیں معلوم ہو جاتی ہوں۔ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا فرض ہونا چوری، شراب خوری، کا گناہ ہونا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیاء ہونا وغیرہ تو ایسے احکام قطعیہ کو ضروریات دین کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور جو اس درجہ مشہور نہ ہوں، وہ صرف قطعیات کہلاتے ہیں، ضروریات نہیں۔

اور ضروریات اور قطعیات کے حکم میں یہ فرق ہے کہ ضروریات دین کا انکار باجماع امت مطلقاً کفر ہے۔ ناواقفیت و جہالت کو اس میں عذر نہ قرار دیا جائے گا، اور نہ کسی قسم کی تاویل سنی جائے گی۔

اور قطعیاتِ محضہ جو شہرت میں اس درجہ کو نہیں پہنچتے، تو حنفیہ کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی عامی آدمی بوجہ ناواقفیت و جہالت کے ان کا انکار کر بیٹھے، تو ابھی اس کے کفر وارتداد کا حکم نہ کیا جائے گا۔ بلکہ پہلے اس کو تبلیغ کی جائے گی کہ یہ حکم اسلام کے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ احکام میں سے ہے، اس کا انکار کفر ہے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ اپنے انکار پر قائم رہے تب کفر کا حکم کیا جائے گا۔

كما في المسايرة والمسامرة لابن الهمام ولفظه و اما ما ثبت قطعاً و لم يبلغ حد الضرورة كاستحقاق بنت الابن السدس مع البنت الصلبية باجماع المسلمين فظاهر كلام الحنفية الاكفار بجحده بانهم لم يشترطوا في الاكفار سوى القطع في الثبوت (الىٰ قوله) ويجب حمله على ما اذا علم المنكر ثبوته قطعاً

(مسامرہ ص: ۱۴۹)

اور جو حکم قطعی الثبوت تو ہو مگر ضرورت کی حد کو نہ پہنچا ہو، جیسے (میراث میں) اگر پوتی اور بیٹی حقیقی جمع ہوں، تو پوتی کو چھٹا حصہ ملنے کا حکم اجماع امت سے ثابت ہے۔ سو ظاہر کلام حنفیہ کا یہ ہے کہ اس

کے انکار کی وجہ سے کفر کا حکم کیا جاوے، کیونکہ انہوں نے قطعی الثبوت ہونے کے سوا اور کوئی شرط نہیں لگائی۔ (الی قولہ) مگر واجب ہے کہ حنفیہ کے اس کلام کو اس صورت پر محمول کیا جاوے کہ جب منکر کو اس کا علم ہو کہ یہ حکم قطعی الثبوت ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح کفر و ارتداد کی ایک قسم تبدیل مذہب ہے۔ اسی طرح دوسری قسم یہ بھی ہے کہ ضروریات دین اور قطعیات اسلام میں سے کسی چیز کا انکار کر دیا جائے۔ یا ضروریات دین میں کوئی ایسی تاویل کی جائے، جس سے ان کے معروف معانی کے خلاف معنی پیدا ہو جائیں۔ اور غرض معروف بدل جائے۔ اور ارتداد کی اس قسم دوم کا نام قرآن کی اصطلاح میں الحاد ہے:

قال تعالیٰ ان الذین یلحدون فی اٰیاتنا لا یخفون علینا. الایة

جو لوگ ہماری آیات میں الحاد کرتے ہیں، وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے۔

اور حدیث میں اس قسم کے ارتداد کا نام زندقہ رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ صاحب مجمع البحار نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اتی علی بزنادقة هی جمع زندیق (الی قوله) ثم استعمل فی کل ملحد فی الدین و المراد ههنا قوم ارتدوا عن الاسلام. (مجمع البحار ص: ۶۹۵)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس چند زنادقہ (گرفتار کر کے) لائے گئے، زنادقہ جمع زندیق کی ہے، اور لفظ زندیق ہر اس شخص کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جو دین میں الحاد (بے جا تاویلات) کرے۔

اور اس جگہ مراد ایک مرتد جماعت ہے۔

اور علمائے کلام اور فقہاء اس خاص قسم ارتداد کا نام باطنیت رکھتے ہیں۔ اور کبھی وہ بھی زندقہ کے لفظ سے تعبیر کر دیتے ہیں۔

شرح مقاصد میں علامہ تفتازانی اقسام کفر کی تفصیل اس طرح نقل فرماتے ہیں:

''یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ کافر اس شخص کا نام ہے، جو مومن نہ ہو، پھر اگر وہ ظاہر میں ایمان کا مدعی ہو، تو اس کو منافق کہیں گے۔ اور اگر مسلمان ہونے کے بعد کفر میں مبتلا ہوا ہے، تو اس کا نام مرتد رکھا جائے گا۔ کیونکہ وہ اسلام سے پھر گیا ہے۔ اور اگر دو یا دو سے زیادہ معبودوں کی پرستش کا قائل ہو، تو اس کو مشرک کہا جائے گا۔ اور اگر ادیان منسوخہ یہودیت وعیسائیت وغیرہ میں کسی مذہب کا پابند ہو، تو اس کو کتابی کہیں گے۔ اور اگر عالم کے قدیم ہونے کا قائل ہو، اور تمام واقعات وحوادث کو زمانہ کی طرف منسوب کرتا ہو، تو اس کو دہریہ کہا جائے گا۔ اور اگر وجود باری تعالیٰ ہی کا قائل نہ ہو، تو اس کو معطل کہتے ہیں۔ اور اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اقرار اور شعار اسلام نماز، روزہ وغیرہ کے اظہار کے ساتھ کچھ ایسے عقائد دلی رکھتا ہو، جو بالاتفاق کفر ہیں، تو اس کو زندیق کہا جاتا ہے۔'' (ترجمہ عبارت شرح مقاصد ص: ۲۶۸ وص: ۲۶۹ ج: ۲) ومثلہ فی کلیات ابی البقاء ص: ۵۵۳ ص: ۵۵۴۔

زندیق کی تعریف میں جو عقائد کفریہ کا دل میں رکھنا ذکر کیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مثل منافق کے اپنا عقیدہ ظاہر نہیں کرتا، بلکہ یہ مراد ہے کہ اپنے عقیدۂ کفریہ کو ملمع کر کے اسلامی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔

کما ذکرہ الشامی حیث قال فان الزندیق یموہ

كفره و يروج عقيدته الفاسدة و يخرجها فی الصورة الصحيحة و هذا معنى ابطان الكفر فلا ينافی اظهاره الدعوىٰ (شامی باب المرتدص: ۴۵۸ ج:۳)

علامہ شامی نے فرمایا ہے کہ زندیق اپنے کفر پر ملمع سازی کرتا ہے۔ اور اپنے عقیدۂ فاسدہ کو رائج کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کو عمدہ صورت میں ظاہر کرتا ہے۔ اور زندیق کی تعریف میں جو یہ لکھا جاتا ہے۔ کہ وہ اپنے کفر کو چھپاتا ہے، اس کا یہی مطلب ہے۔ (کہ وہ اپنے کفر کو ایسے عنوان اور صورت میں پیش کرتا ہے، جس سے لوگ مغالطہ میں پڑ جائیں۔) اس لئے یہ اخفاء کفر اظہار دعویٰ کے منافی نہیں۔

کفر کی اقسام مذکورہ بالا میں سے آخری قسم اس جگہ زیر بحث ہے، جس کے متعلق شرح مقاصد کے بیان سے ظاہر ہو گیا کہ جس طرح اقسام سابقہ کفر کے انواع ہیں، اسی طرح یہ صورت بھی اسی درجہ کا کفر ہے کہ کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن مجید کے احکام کو تسلیم کرنے کے باوجود صرف بعض احکام وعقائد میں اختلاف رکھتا ہو، اگر چہ دعویٰ مسلمان ہونے کا کرے، اور تمام ارکان اسلام پر شدت کے ساتھ عامل بھی ہو۔

ایک شبہ کا جواب

یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں، اور کتب فقہ وعقائد میں بھی اس کی تصریحات موجود ہیں۔ نیز بعض احادیث سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہے۔

كما رواه ابوداؤد فی الجهاد عن انسؓ قال

قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلث من اصل الايمان الكف عمن قال لااله الا الله ولا تكفره بذنب و لا تخرجه من الاسلام بعمل. (الحديث)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان کی اصل تین چیزیں ہیں۔ایک یہ کہ جو شخص کلمہ لا الہ الا اللہ کا قائل ہو،اس کے قتل سے باز رہو،اور کسی گناہ کی وجہ سے اس کو کافر مت کہو،اور کسی عمل بد کی وجہ سے اس کو اسلام سے خارج نہ قرار دو۔

اس لئے مسئلہ زیر بحث میں یہ شبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ جو شخص نماز،روزہ کا پابند ہے، وہ اہل قبلہ میں داخل ہے،تو پھر بعض عقائد میں خلاف کرنے یا بعض احکام کے تسلیم نہ کرنے سے اس کو کیسے کافر کہا جا سکتا ہے۔اور اسی شبہ کی بنیاد پر آج کل بہت سے مسلمان قسم ثانی کے مرتدین یعنی ملحدین و زنادقہ کو مرتد و کافر نہیں سمجھتے۔ اور یہ ایک بھاری غلطی ہے۔جس کا صدمہ براہ راست اصول اسلام پر پڑتا ہے، کیونکہ میں اپنے کلام سابق میں عرض کر چکا ہوں کہ اگر قسم دوم کے ارتداد کو ارتداد نہ سمجھا جائے،تو پھر شیطان کو بھی کافر نہیں کہہ سکتے۔اس لئے ضرورت ہوئی کہ اس شبہ کے منشاء کو بیان کر کے اس کا شافی جواب ذکر کیا جائے۔اصل اس کی یہ ہے کہ شرح فقہ اکبر وغیرہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ سے اور حواشی شرح عقائد میں شیخ ابوالحسن اشعریؒ سے اہل سنت والجماعۃ کا یہ مسلک نقل کیا گیا ہے:

ومن قواعد اهل السنة و الجماعة ان لا يكفر واحد من اهل القبلة (كذا فى شرح العقائد النسفية ص: ۱۲۱) وفى شرح التحرير ص: ۳۱۸ ج:۳ سياقها عن ابى حنيفةؒ ولا نكفر اهل القبلة بذنب انتهىٰ فقيده

بالذنب فی عبارة الامام و اصله فی حدیث ابی داؤد کما مر انفاً.

اہل سنت والجماعۃ کے قواعد سب سے ہے کہ اہلِ قبلہ میں سے کسی شخص کی تکفیر نہ کی جائے۔ (شرح عقائد نسفی) اور شرح تحریر ص: ۳۱۸ ج: ۳ میں ہے کہ یہ مضمون امام اعظم ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ ہم اہل قبلہ میں سے کسی شخص کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے۔ سو اس میں بذنب کی قید موجود ہے، اور غالباً یہ قید حدیث ابوداؤد کی بناء پر لگائی گئی ہے۔ جو ابھی گزر چکی ہے۔

جس کا صحیح مطلب تو یہ ہے کہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے کسی مسلمان کو کافر مت کہو، خواہ کتنا ہی بڑا گناہ ہو۔ (بشرطیکہ کفر وشرک نہ ہو) کیونکہ گناہ سے مراد اس جگہ پر وہی گناہ ہے، جو حد کفر تک نہ پہنچا ہو۔

کما فی کتاب الایمان لابن تیمیه حیث قال و نحن اذا قلنا اهل السنة متفقون علی ان لایکفر بالذنب فانما نرید المعاصی کالزنا والشرب انتهیٰ واوضحه القونوی فی شرح العقیدة الطحاویة.

جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ کی کتاب الایمان میں ہے کہ ہم جب یہ کہتے ہیں کہ اہل سنۃ والجماعۃ اس پر متفق ہیں کہ اہل قبلہ میں سے کسی شخص کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہ کہیں، تو اس جگہ گناہ سے ہماری مراد معاصی مثل زنا وشراب خوری وغیرہ ہوتے ہیں۔ اور علامہ قونوی نے عقیدہ طحاوی کی شرح میں اس مضمون کو خوب واضح کر دیا ہے۔

ورنہ پھر اس عبارت کے کوئی معنی نہیں رہتے، اور لفظ بذنب کے اضافہ کی (جیسا کہ فقہ اکبر اور شرح تحریر کے حوالہ سے اوپر نقل ہوا ہے) کوئی وجہ باقی نہیں

رہتی۔ اب شبہات کی ابتداء یہاں سے ہوئی کہ بعض علماء کی عبارتوں میں اختصار کے مواقع میں بذنب کا لفظ بوجہ معروف ومشہور ہونے کے چھوڑ دیا گیا۔ اور مسئلہ کا عنوان عدم تکفیر اہل قبلہ ہو گیا۔ حدیث وفقہ سے ناآشنا اور غرض متکلم سے ناواقف لوگ یہاں سے یہ سمجھ بیٹھے کہ جو شخص قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے اس کو کافر کہنا جائز نہیں، خواہ کتنے ہی عقائد کفریہ رکھتا ہو۔ اور اقوال کفریہ بکتا پھرے۔ اور یہ بھی خیال نہ کیا کہ اگر یہی لفظ پرستی ہے، تو اہل قبلہ کے لفظوں سے تو یہ بھی نہیں نکلتا کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے، بلکہ ان لفظوں کا مفہوم تو اس سے زائد نہیں کہ صرف قبلہ کی طرف منہ کر لے خواہ نماز بھی پڑھے یا نہ پڑھے۔ اگر یہ معنی مراد لئے جائیں، تو پھر دنیا میں کوئی شخص کافر ہی نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ کبھی نہ کبھی ہر شخص کا منہ قبلہ کی طرف ہو ہی جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ لفظ اہل قبلہ کی مراد تمام اوقات و احوال کا استیعاب باستقبال قبلہ نہیں۔

خوب سمجھ لیجئے کہ لفظ اہل قبلہ ایک شرعی اصطلاح ہے۔ جس کے معنی اہل اسلام کے ہیں۔ اور اسلام وہی ہے، جس میں کوئی بات کفر کی نہ ہو۔ لہٰذا یہ لفظ صرف ان لوگوں کے لئے بولا جاتا ہے، جو تمام ضروریات دین کو تسلیم کریں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام پر (بشرط ثبوت) ایمان لائیں، نہ ہر اس شخص کے لئے جو قبلہ کی طرف منہ کر لے۔ جیسے دنیا کی موجودہ عدالتوں میں اہلکار کا لفظ صرف ان لوگوں کے لئے بولا جاتا ہے، جو باضابطہ ملازم اور قوانین ملازمت کا پابند ہو۔ اس کے مفہوم لغوی کے موافق ہر کام والے آدمی کو اہل کار نہیں کہا جاتا۔ اور یہ جو کچھ لکھا گیا علم فقہ وعقائد کی کتابیں تقریباً تمام اس پر شاہد ہیں۔ جن میں سے بعض عبارات درج ذیل ہیں۔

حضرت ملا علی قاریؒ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

اعلم ان المراد باهل القبلة الذين اتفقوا على ما هو من ضروريات الدين كحدوث العالم و حشر الاجساد و علم الله تعالىٰ بالكليات والجزئيات و ما اشبه ذالک من المسائل المهمات فمن واظب طول عمره على الطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم و نفى الحشر او نفى علمه سبحانه وتعالىٰ بالجزئيات لايكون من اهل القبلة وان المراد بعدم تكفير احد من اهل القبلة عند اهل السنة انه لايكفر احد ما لم يوجد شئ من امارات الكفر وعلاماته ولم يصدر عنه شئ من موجباته.

خوب سمجھ لو کہ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں، جو ان تمام عقائد پر متفق ہوں، جو ضروریات دین میں سے ہیں۔ جیسے حدوث عالم اور قیامت وحشر ابدان اور اللہ تعالیٰ کا علم تمام کلیات و جزئیات پر حاوی ہونا اور اسی قسم کے دوسرے عقائدِ مہمہ پس جو شخص تمام عمر طاعات و عبادات پر مداومت کرے، مگر ساتھ ہی عالم کے قدیم ہونے کا معتقد ہو یا قیامت میں مردوں کے زندہ ہونے کا یا حق تعالیٰ کے علم جزئیات کا انکار کرے، وہ اہل قبلہ میں سے نہیں اور یہ کہ اہل سنت کے نزدیک اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے سے مراد یہی ہے کہ ان میں سے کسی شخص کو اس وقت تک کافر نہ کہیں جب تک اس سے کوئی ایسی چیز سرزد نہ ہو جو علامات کفر یا موجبات کفر میں سے ہے۔

اور شرح مقاصد مبحث سابع میں مذکور الصدر مضمون کو مفصل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

فلا نزاع فى كفر اهل القبلة المواظب طول العمر

علی الطاعات باعتقاد قدم العالم ونفی الحشر و نفی العلم بالجزئیات و نحو ذالک و کذالک بصدور شیٔ من موجبات الکفر عنه.

اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ اہل قبلہ میں سے اس شخص کو کافر کہا جاوے گا، جو اگرچہ تمام عمر طاعات وعبادات میں گزارے، مگر عالم کے قدیم ہونے کا اعتقاد رکھے یا قیامت وحشر کا یا حق تعالیٰ کے عالم جزئیات ہونے کا انکار کرے۔ اسی طرح وہ شخص جس سے کوئی چیز موجبات کفر میں سے صادر ہو جائے۔

اور علامہ شامی نے ردالمحتار باب الامامۃ جلد اول میں بحوالہ تحریر الاصول نقل فرمایا ہے:

لا خلاف فی کفر المخالف (ای للضروریات) من اهل القبلةالمواظب طول عمره علیٰ الطاعات کما فی شرح التحریر (ص:۳۷۷ج:۱)

اس میں کسی کا خلاف نہیں کہ اہل قبلہ میں سے جو شخص ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر ہو وہ کافر ہے، اگرچہ تمام عمر طاعات و عبادات میں گزار دے۔

اور شرح عقائد نسفی کی شرح نبراس ص: ۵۷۲ میں ہے:

اهل القبلة فی اصطلاح المتکلمین من یصدق بضروریات الدین الی قوله فمن انکر شیئاً من الضروریات (الی قوله) لم یکن من اهل القبلة و لو کان مجاهدا بالطاعات و کذالک من باشر شیئاً من امارات

التكذيب كسجود الصنم والاهانة بامر شرعي والاستهزاء عليه فليس من اهل القبلة و معنى عدم تكفير اهل القبلة ان لا يكفر بارتكاب المعاصي ولا بانكار الامور الخفية غير المشهور هذا ماحققه المحققون.

اہل قبلہ متکلمین کی اصطلاح میں وہ شخص ہے، جو تمام ضروریات دین کی تصدیق کرے۔ پس جو شخص ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے، وہ اہل قبلہ میں سے نہیں۔ اگر چہ عبادت واطاعت میں مجاہدات کرنے والا ہو۔ ایسے ہی وہ شخص جو علامات کفر وتکذیب میں سے کسی چیز کا مرتکب ہو۔ جیسے بت کو سجدہ کرنا یا کسی امر شرعی کی اہانت و استہزاء کرنا، وہ اہل قبلہ میں سے نہیں۔ اور اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ معاصی کے ارتکاب کی وجہ سے اس کو کافر نہ کہیں، اور نہ ایسے امور کے انکار کی وجہ سے کافر کہیں، جو اسلام میں مشہور نہیں۔ یعنی ضروریات دین میں سے نہیں۔

تنبیہ

کسی مسلمان کو کافر کہنے کے معاملہ میں آج کل ایک عجیب افراط وتفریط رونما ہے، ایک جماعت ہے کہ جس نے مشغلہ یہی اختیار کرلیا ہے کہ ادنیٰ معاملات میں مسلمانوں پر تکفیر کا حکم لگا دیتے ہیں۔ اور جہاں ذرا سی کوئی خلاف شرع حرکت کسی سے دیکھتے ہیں، تو اسلام سے خارج کہنے لگتے ہیں۔ اور دوسری طرف نو تعلیم یافتہ آزاد خیال جماعت ہے، جس کے نزدیک کوئی قول وفعل خواہ کتنا ہی شدید اور عقائد اسلامیہ کا صریح مقابل ہو کفر کہلانے کا مستحق نہیں۔ وہ ہر مدعی اسلام کو

مسلمان کہنا فرض سمجھتے ہیں۔ اگر چہ اس کا کوئی عقیدہ اور عمل اسلام کے موافق نہ ہو، اور ضروریات دین کا انکار کرتا ہو۔ اور جس طرح کسی مسلمان کو کافر کہنا ایک سخت پر خطر معاملہ ہے اسی طرح کافر کو مسلمان کہنا بھی اس سے کم نہیں۔ کیونکہ حدود کفر و اسلام میں التباس بہر دو صورت لازم آتا ہے۔ اس لئے علماء امت نے ہمیشہ ان دونوں معاملوں میں نہایت احتیاط سے کام لیا ہے۔ امر اول کے متعلق تو یہاں تک تصریحات ہیں کہ اگر کسی شخص سے کوئی کلام خلاف شرع صادر ہو جائے، اور اس کلام کی مراد میں محاورات کے اعتبار سے چند احتمال ہوں، اور سب احتمالات میں یہ کلام ایک کلمہ کفر بنتا ہو، لیکن صرف ایک احتمال ضعیف ایسا بھی ہو کہ اگر اس کلام کو اس پر حمل کیا جائے، تو معنی کفر نہیں رہتے۔ بلکہ عقائد حقہ کے مطابق ہو جاتے ہیں۔ تو مفتی پر واجب ہے کہ اس احتمال ضعیف کو اختیار کر کے اس کے مسلمان ہونے کا فتویٰ دے جب تک کہ خود وہ متکلم اس کی تصریح نہ کرے کہ میری مراد یہ معنی نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان کسی ایسے عقیدہ کے قائل ہو جاوے، جو ائمہ اسلام میں سے اکثر لوگوں کے نزدیک کفر ہو، لیکن بعض ائمہ اس کے کفر ہونے کے قائل نہ ہوں۔ تو اس کفر مختلف فیہ سے بھی مسلمان پر کفر کا حکم کرنا جائز نہیں۔

(صرح بہ فی البحر الرائق باب المرتدین ج:۵) ومثلہ فی رد المحتار و جامع الفصولین من باب کلمات الکفر.

اور امرِ دوم کے متعلق بھی صحابہ کرامؓ اور سلفِ صالحین کے تعامل نے یہ بات متعین کر دی کہ اس میں تہاون و تکاسل کرنا اصول اسلام کو نقصان پہنچانا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو لوگ مرتد ہوئے تھے، ان کا ارتداد قسم دوم ہی کا ارتداد تھا۔ صریح طور پر تبدیل مذہب (عموماً) نہ تھا۔ لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان پر جہاد کرنے کو اتنا زیادہ اہم سمجھا کہ نزاکت وقت اور اپنے

ضعف کا بھی خیال نہ فرمایا۔ اسی طرح مسیلمہ کذاب مدعی نبوت اور اس کے ماننے والوں پر جہاد کیا جس میں جمہور صحابہ شریک تھے۔ جن کے اجماع سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جو شخص ختم نبوت کا انکار کرے، یا نبوت کا دعویٰ کرے، وہ مرتد ہے۔ اگر چہ تمام ارکان اسلام کا پابند اور زاہد و عابد ہو۔

ضابطہ تکفیر

اس لئے تکفیر مسلم کے بارہ میں ضابطہء شرعیہ ہوگیا کہ جب تک کسی شخص کے کلام میں تاویل صحیح کی گنجائش ہو، اور اس کے خلاف کی تصریح متکلم کے کلام میں نہ ہو، یا اس عقیدہ کے کفر ہونے میں ادنیٰ سے ادنیٰ اختلاف ائمہ اجتہاد میں واقع ہو، اس وقت تک اس کے کہنے والے کو کافر نہ کہا جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے، یا کوئی ایسی ہی تاویل و تحریف کرے، جو اس کے اجماعی معانی کے خلاف معنی پیدا کردے، تو اس شخص کے کفر میں کوئی تامل نہ کیا جائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تنبیہ ضروری

مسئلہ زیر بحث میں اس بات کا ہر وقت خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ مسئلہ نہایت نازک ہے۔ اس میں بیباکی اور جلد بازی سے کام لینا سخت خطرناک ہے۔ مسئلہ کی دونوں جانب نہایت احتیاط کی مقتضی ہیں۔ کیونکہ جس طرح کسی مسلمان کو کافر کہنا وبال عظیم ہے۔ اور حسب تصریح حدیث اس کہنے والے کے کفر کا اندیشہ قوی ہے۔ اسی طرح کسی کافر کو مسلمان کہنا یا سمجھنا بھی اس سے کم نہیں۔ جیسا کہ عبارت شفاء سے منقول ہے۔ اور شفاء میں مسئلہ کی نزاکت کو بایں الفاظ بیان فرمایا ہے:

و لمثل هذا ذهب ابو المعالی فی اجوبته الیٰ محمد عبدالحق و کان سأله عن المسئلة فاعتذر له بان الغلط فیه یصعب لان ادخال کافر فی الملة الاسلامیة او اخراج مسلم عنها عظیم فی الدین

(شرح شفاء فصل فی تحقیق القول فی اکفار المتأ ولین ص: ۵۰۰ ج: ۲)

ابو المعالی نے جو محمد عبدالحق کے سوالات کے جواب لکھے ہیں۔ان میں ان کا بھی یہی مذہب ثابت ہے کیونکہ ان سے ایسا ہی سوال کیا گیا تھا،جس کے جواب میں انہوں نے عذر کر دیا کہ اس بارہ میں غلطی سخت مصیبت کی چیز ہے۔کیونکہ کسی کافر کو مذہب اسلام میں داخل سمجھنا یا مسلمان کو اس سے خارج سمجھنا دین میں بڑے خطرہ کی چیز ہے۔

اسی لئے ایک جانب تو یہ احتیاط ضروری ہے کہ اگر کسی شخص کا کوئی مبہم کلام سامنے آئے، جو مختلف وجوہ کو محتمل ہو، اور سب وجوہ سے عقیدہ کفریہ قائل کا ظاہر ہوتا ہو، لیکن صرف ایک وجہ ایسی بھی ہو، جس سے اصطلاحی معنی اور صحیح مطلب بن سکے، گو وہ وجہ ضعیف ہی ہو، تو مفتی وقاضی کا فرض ہے کہ اس وجہ کو اختیار کر کے اس شخص کو مسلمان کہے۔ **(کما صرح به فی الشفاء فی هذه الصفحه و بمثله صرح فی البحر و جامع الفصولین وغیره)۔**

اور دوسری طرف یہ لازم ہے کہ جس شخص میں کوئی وجہ کفر کی یقیناً ثابت ہو جاوے۔اس کی تکفیر میں ہرگز تاخیر نہ کرے، اور نہ اس کے متبعین کو کافر کہنے میں دریغ کرے۔جیسا کہ علماء امت کی تصریحات محررہ بالا سے بخوبی واضح ہو چکا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

تتمہ مسئلہ از امداد الفتاویٰ جلد سادس

یہ کُل بیان اس صورت میں تھا جب کہ کسی شخص یا جماعت کے متعلق عقیدہ کفریہ رکھنا یا اقوال کفریہ کا کہنا متیقن طریق سے ثابت ہو جائے۔ لیکن اگر خود اسی میں کسی موقع پر شک ہو جائے کہ یہ شخص اس عقیدہ کا معتقد یا اس قول کا قائل ہے، یا نہیں، تو اس کے لئے احوط واسلم وہ طریق ہے جو امداد لفتاویٰ میں درج ہے۔ جس کو بعینہ ذیل میں بطور تتمہ نقل کیا جاتا ہے۔

اگر کسی خاص شخص کے متعلق یا کسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو خواہ تردد کے اسباب علماء کا اختلاف ہو خواہ قرائن کا تعارض ہو یا اصول کا غموض، تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم کیا جاوے، نہ اسلام کا حکم، اول میں تو خود اس کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے۔ اور حکم ثانی میں دوسرے مسلمانوں کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے۔ پس احکام میں دونوں احتیاطوں کو جمع کیا جائے گا، یعنی اس سے نہ عقد مناکحت کی اجازت دیں گے، نہ اس کی اقتداء کریں گے، نہ اس کا ذبیحہ کھائیں گے، اور نہ اس پر سیاست کافرانہ جاری کریں گے۔ اگر تحقیق کی قدرت ہو اس کے عقائد کی تفتیش کریں گے، اور اس تفتیش کے بعد جو ثابت ہو، ویسے ہی احکام جاری کریں گے۔ اور اگر تحقیق کی قدرت نہ ہو، تو سکوت کریں گے، اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں گے، اس کی نظیر وہ حکم ہے، جو اہل کتاب کی مشتبہ روایات کے متعلق حدیث میں وارد ہے۔

لاتصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوهم و قولوا امنا بالله و ما انزل الينا. الاية، رواه البخارى.

نہ اہل کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب، بلکہ یوں کہو کہ ہم اللہ تعالیٰ

پر ایمان لائے، اور اس وحی پر جو ہم پر نازل ہوئی۔ الخ

دوسری فقہی نظیر احکام خنثیٰ کے ہیں:

یوخذ فیہ بالاحوط و الاوثق فی امور الدین و ان لایحکم بثبوت حکم وقع الشک فی ثبوتہ و اذا وقف خلف الامام قام بین صف الرجال و النساء و یصلی بقناع و یجلس فی صلاتہ جلوس المرأۃ و یکرہ لہ فی حیاتہ لبس الحلی و الحریر وان یخلو بہ غیر محرم من رجل او امرأۃ او یسافر مع غیر محرم من الرجال و الاناث ولا یغسلہ رجل و لا امرأۃ و یتیمم بالصعید و یکفن کما یکفن الجاریۃ و امثالہ مما فصلہ الفقہاء

(۱۱ شعبان ۱۳۵۱ھ)

خنثیٰ مشکل کے بارہ میں امور دین میں وہ صورت اختیار کی جاوے، جس میں احتیاط ہو، اور کسی ایسی چیز کے ثبوت کا اس پر حکم نہ کیا جاوے جس کے ثبوت میں شک ہو، اور جب وہ امام کے پیچھے نماز کی صف میں کھڑا ہو تو مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو۔ اور عورتوں کی طرح دوپٹہ اوڑھ کر نماز پڑھے۔ اور قعدہ میں اس طرح بیٹھے جیسے عورتیں بیٹھتی ہیں۔ اور اس کے لئے زیور اور ریشمی کپڑا پہننا مکروہ ہے۔ اور یہ بھی مکروہ ہے کہ کوئی مرد یا عورت غیر محرم اس کے ساتھ خلوت میں بیٹھے۔ یا ایسے مرد یا عورت کے ساتھ سفر کرے جو اس کا محرم نہ ہو۔ اور مرنے کے بعد اس کو نہ کوئی مرد غسل دے نہ عورت، بلکہ تیمم کرا دیا جائے۔ اور کفن ایسا دیا جائے، جیسا لڑکیوں کو دیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح دوسرے احکام جن کو فقہاء نے مفصل لکھا ہے۔

مشورہ

یہ بحث کہ کن کن امور سے کوئی مسلمان خارج از اسلام ہو جاتا ہے، اور حکم تکفیر کے لئے شرعی ضابطہ کیا ہے، اور اہل قبلہ کو کافر نہ کہنے کی کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق ایک جامع مانع بہترین رسالہ رئیس المحد ثین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا ''اکفار الملحد ین'' کے نام سے عربی زبان میں شائع ہو چکا ہے۔ جو حضرات ان مسائل کو مکمل دیکھنا چاہتے ہیں، اس کی مراجعت کریں۔

سوال دوم

اس عام سوال کے بعد چند فرقوں کے متعلق خاص طور پر سوال کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اول: فرقہ چکڑالویہ، دوم: فرقہ مرزائیہ، سوم: فرقہ رافضیہ۔ ان تینوں فرقوں کے عقائد درج ذیل ہیں۔ ان عقائد کو زیر نظر رکھتے ہوئے ان فرقوں کے متعلق تحریر فرمایا جائے کہ یہ فرقے دائرۂ اسلام میں داخل ہیں یا نہیں؟

فرقہ چکڑالویہ کے عقائد

پنجاب میں ایک فرقہ ہے، جو اپنے کو اہل قرآن کہتا ہے، اس کا بانی عبداللہ چکڑالوی ہے۔ اور اسی کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے، اس فرقہ کے عقائد کا نمونہ خود بانی فرقہ عبداللہ چکڑالوی کی کتاب (برہان الفرقان علی صلوٰۃ القرآن) سے بحوالہ صفحات لکھا جاتا ہے تاکہ علماء کرام اس پر غور فرمائیں کہ یہ فرقہ اور اس کے متبعین مسلمان ہیں یا نہیں؟ وہ عقائد بعینہ اس کے الفاظ میں یہ ہیں:

منقول از برہان الفرقان علیٰ صلوٰۃ القرآن از عبداللہ چکڑالوی

۱......قرآن مجید ہی کی سکھائی نماز پڑھنی فرض ہے، اور اس کے سوا اور کسی طرح کی نماز پڑھنا کفر و شرک ہے۔ ص: ۵، سطر: ۶

۲......سنو کہ وہ شے محض قرآن مجید ہی ہے جو رسول اللہ کی طرف وحی کی گئی، اس کے سوا اور کوئی چیز ہرگز ہرگز خاتم النبیین پر وحی نہیں ہوئی۔ ص: ۹، سطر: ۳

۳......آسمانی کتاب کے سوا پر ایک دینی کام کرنا شرک و کفر ہے، خواہ کوئی ہو جو ایسا کرے، وہ مشرک ہو جاتا ہے۔ ص: ۱۲، سطر: ۱۶

۴......جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماسوائے کتاب اللہ کے بھی احکام بتائے ہیں، وہ حقیقت میں خاتم النبیین پر سبّ کرتے ہیں۔ ص: ۱۵، سطر: ۱۲

۵......سوائے اللہ تعالیٰ اور کا حکم ماننا بھی اعمال صحیح کا باطل کرنے والا باعث ابدی و دائمی عذاب ہے۔ افسوس شرک فی الحکم میں آج کل اکثر لوگ مبتلا ہیں۔

ص: ۱۶، سطر: ۲۱

۶......لیکن شرک فی الحکم لوگوں کی طبیعتوں میں ایسا مل گیا ہے کہ اس کو اب وہ ایک دینی مسئلہ سمجھتے ہیں، اور اس کے برا ہونے کا ان کو خیال تک بھی نہیں آتا، بلکہ اس کے برا سمجھنے والے کو برا سمجھتے ہیں۔ علانیہ بڑے زور و شور سے کہتے ہیں، اور اس اپنے کہنے پر قرآن شریف سے دلائل پیش کرتے ہیں کہ جس طرح اللہ کا حکم ماننا فرض ہے، اسی طرح رسول اللہ سلام علیہ کا۔ العجب ثم العجب اور اس مشرکانہ خیال کو اصل اصول جانتے ہیں۔ ص: ۱۷، سطر: ۲

۷......پس واضح ہو کہ مطابق الرحمٰن علم القرآن کے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تعلیم دی ہے اور بس، دیگر ذریعہ سے تعلیم نہیں دی۔ ص: ۱۹، سطر: ۱۵

۸......اور جس رسول کی فرمان برداری کا حکم ہوا ہے، وہ خاص قرآن مجید ہی ہے، واجب الاتباع دو چیزیں نہیں، بلکہ ایک ہی شی ہے۔ قرآن مجید اور محمد رسول اللہ سلام علیہ بے شک دو چیزیں ہیں۔ لیکن آپ کی فرماں برداری کا قرآن مجید میں کسی جگہ حکم نہیں ہوا۔ ص: ۲۱، سطر: ۱۱

۹......میں محمد رسول اللہ کو دل و جان سے رسول جانتا ہوں، مگر جن آیات میں رسول اللہ کی فرماں برداری کا حکم ہوا ہے، وہاں رسول اللہ سے مراد فقط قرآن مجید ہی ہے۔ ص: ۲۱، سطر: ۱۹

۱۰......لیکن محمد رسول اللہ صرف اپنے زمانہ کے لوگوں کے ہی پاس آئے تھے، آج کل کے لوگوں میں سے آپ کسی کے پاس نہیں آئے، اگر کسی صاحب کے پاس آپ کی آمدورفت ہو تو بتا دیں۔ یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و رسولہ و لا تولوا عنہ.

اس جگہ رسول اللہ سے مراد آپ کی ذات نہیں ہو سکتی، ورنہ معنی لغو ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا رسول اللہ سے مراد اس جگہ پر قرآن مجید ہی ہے۔ ص: ۳۰، سطر: ۱

۱۱......ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی واضح ہو کہ پیروی اور اتباع سے صرف یہ مراد ہے کہ جس طرح قرآن مجید پر میں عمل کرتا ہوں، اسی طرح تم بھی عمل کرو، کسی مؤمن یا رسول کا ہر ایک فعل واجب الاتباع نہیں۔ ص: ۴۲، سطر: ۱

۱۲......واضح ہو کہ کتاب اللہ میں جنبی کو صرف نماز سے روکا گیا ہے، جیسے کہ آیت ولا تقربوا الصلوٰۃ سے ثابت ہے۔ لیکن قرآن مجید پڑھنے سے کہیں نہیں روکا

گیا۔ص: ۵۸، سطر: ۱۰

۱۳......مسواک کے بیان کے ذیل میں لکھتا ہے کہ اگر بالفرض رسول اللہ سلام علیہ نے یہ باتیں کہی بھی ہیں، تو وحی خفی سے نہیں کہیں، بلکہ عقل انسانی سے۔

ص: ۶۰، سطر: ۱۴

۱۴......یا ایها الذین اٰمنوا اذا قمتم الیٰ اٰخر الایة.

مطابق آیت بالا یقیناً پاؤں کا دھونا بھی فرض ہے، مسح جائز نہیں، خواہ ننگے پاؤں پر ہو، خواہ جرابوں پر یا موزوں پر، جس قدر ایسی احادیث ہیں، جن میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ سلام علیہ نے موزوں اور جرابوں پر مسح کیا، اور دوسروں کو ایسا کرنے کی اجازت دی، سب باطل اور رسول اللہ پر افتراء ہیں۔ص: ۶۴، سطر: ۱

۱۵......قرآن سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ شرمگاہ کو ہاتھ لگنے اور نکسیر پھوٹنے آگ کی پکی ہو چیزیں یا اونٹ کا گوشت کھانے یا قے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔جن احادیث میں یہ مضمون ہے کہ یہ چیزیں وضو کو توڑنے والی ہیں، وہ بے ہودہ اور مردود ہیں۔ص: ۸۲، سطر: ۱

عقائد فرقہ ہذا مندرجہ الصلوٰۃ للہ

عقائد فاسدہ	دلائل کاسدہ
(۱) آسمانی کتابوں میں کوئی فرق نہیں سب ہم رتبہ و ہم پلّہ ہیں۔	(۱) جس چیز کا بیج ازل سے جاری ہوا ابد تک رہے گا بدلنے کا امکان نہیں ہے ایسی ہی کتابیں ایک خدا کی ہیں سب یکساں ہوں گی لا تبدیل لخلق اللّٰہ

عقائد فاسدہ	دلائل کاسدہ
(۲) نبیوں میں فرق نہیں ہے سب ایک درجہ کے ہیں اور سلسلہ نبوت تا قیامت جاری رہے گا۔	(۲) لا نفرق بین احدٍ من رسله ولن تجد لسنة الله تحویلا.
(۳) اوقاتِ نماز چار ہیں تہجد، فجر، مغرب، ظہر۔	(۳) تہجد کا وقت نفل کے لئے باقی کا فرض کے لئے ہے دلیل یہ ہے رب المشرق والمغرب. واقم الصلوٰة لدلوک الشمس الخ
(۴) قبلہ پورب اور پچھّم دو طرف ہے تہجد و فجر مشرق جانب اور ظہر و مغرب پچھّم جانب ہیں۔	(۴) دلیل رب المشرق والمغرب ہے، (غرض جب آفتاب پورب کی سمت میں ہو تو پورب کرے جیسے تہجد و فجر میں اور جب پچھّم ہو تو پچھّم کی جانب جیسے ظہر و مغرب میں)
(۵) تکبیر نماز اللہ اکبر نہیں ہے، بلکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔	(۵) سلیمان علیہ السلام کا قصہ انه من سلیمان و انه بسم الله الرحمن الرحیم موجود ہے۔
(۶) ارکان چودہ ہیں جو داخل نماز ہیں، اور وہ یہ نہیں ہیں، جو لوگ سمجھتے ہیں، اور عقیدہ رکھتے ہیں۔	(۶) انا اعطینٰک الکوثر، کوثر سے مراد سبع مثانی، سبع مثانی سے مراد چودہ اور چودہ سے مراد ارکان۔
(۷) یہ اذان ممنوع ہے آثار آسمانی سے نمازی آوے گا۔	(۷) قرآن میں ذکر نہیں ہے بلکہ ان انکر الاصوات لصوت الحمیر آیا ہے۔
(۸) وضو کا لفظ خود ساختہ اور غلط ہے، اصل لفظ غسل سکر ہے۔	(۸) فاغسلوا وجوهکم و ایدیکم الیٰ المرافق۔
(۹) وضو میں صرف ہاتھ منہ دھونا ہے، اور سر پیر کا مسح کرنا ہے بس۔	

عقائد فاسدہ	دلائل کاسدہ
(۱۰) جب سے زمانہ نے رنگ بدلا اور میرے جانشین ہوئے، اصلی نماز کی صورت بگاڑ دی اور مشرکانہ دعائیں شامل کردی ہیں۔	
(۱۱) رکعت کا لفظ قصر (قصر، تعریف ہوکر بنا ہے اصل قصر اولیٰ اخری ہے رکعت اخری نہیں ہے۔	
(۱۲) صلوٰۃ جنازہ میں ہاتھ نہ باندھے	(۱۲) واخفض جناحک للمؤمنین دلیل ہے
(۱۳) رمضان شریف کا مہینہ تیس دن کا ہے	(۱۳) وواعدنا موسی ثلاثین لیلۃ دلیل ہے۔
(۱۴) شہر رمضان سے شمسی مہینہ مراد ہے۔	(۱۴) ورنہ آیت بالا کے معنی درست نہ ہوں گے۔
(۱۵) صورت نماز اہل قرآن یہ ہے کہ اپنی تکبیر کہتا ہوا بصورت قعدہ بیٹھ جائے پھر تکبیر کے ساتھ کھڑا ہو پھر بایاں ہاتھ دائیں بغل میں دباوے اور دایاں ہاتھ بائیں شانے پر رکھے پھر رکوع کرے، پھر سجدہ میں ٹھوڑی رکھے پھر سر، پھر جلسہ میں آوے اور سینہ میں ہاتھ رکھے، پھر سجدہ کرے، وغیرہ وغیرہ	

الجواب

ا.قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ.

(ال عمران ۳۲)

۲......قال اللہ تبارک و تعالیٰ :وما ارسلنا من رسول الا ليطاع باذن الله ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک فاستغفروا الله و استغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيماً. (نساء:۶۴)

۳:......يا ايها الذين اٰمنوا اطيعوا الله و اطيعوا الرسول و اولى الامر منكم فان تنازعتم فى شئ فردوه الیٰ الله والرسول الاية (سورۃ النساء:۵۹)

۴:......واطيعوا الله و اطيعوا الرسول فان توليتم فانما على رسولنا البلغ المبين. (سورہ تغابن: ۱۲)

۵:......ماكان لمؤمن و لامؤمنة اذا قضى الله و رسوله امراً ان يكون لهم الخيرة من امرهم ومن يعص الله و رسوله فقد ضل ضلالا مبيناً.

(الاحزاب:۳۶)

۶:......فلا و ربک لا يؤمنون حتى يحكموک فيما شجر بينهم ثم لايجدوا فى انفسهم حرجاً مما قضيت و يسلموا تسليماً (سورۃ النساء:۶۵)

۷:......قل ان كنتم تحبون الله فاتبعونى يحببكم الله

(سورۃ ال

عمران: ۳۰)

۸:......وما اٰتاكم الرسول فخذوه و مانهاكم عنه فانتهوا.

(سورۃ حشر:۷)

۹:......هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیاته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب و الحکمة و ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین. (سورۃ جمعہ: ۲)

۱۰:......و انزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم و لعلهم یتفکرون. (سورہ نحل: ۴۴)

۱۱:......و ارسلناک للناس رسولا و کفی بالله شهیدا من یطع الرسول فقد اطاع الله و من تولیٰ فما ارسلناک علیهم حفیظاً.

(سورہ النساء: ۷۹، ۸۰)

۱۲:......لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة. (سورۃ احزاب: ۲۱)

۱۳:......و من یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ و یتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولیٰ و نصله جهنم و ساء ت مصیراً.

(سورۃ النساء: ۱۱۵)

۱۴:......فاٰمنوا بالله و رسوله النبی الامی الذی یؤمن بالله و کلماته و اتبعوه لعلکم تهتدون. (الاعراف ۱۵۸)

۱۵:......فلیحذر الذین یخالفون عن امره ان تصیبهم فتنة او یصیبهم عذاب الیم. (سورۃ نور: ۶۳)

۱۶:......و اذا قیل لهم تعالوا الیٰ ما انزل الله و الیٰ الرسول رأیت المنافقین یصدون عنک صدوداً. (سورۃ النساء: ۶۱)

آیات مذکورہ بالا و نیز دیگر آیات کثیرہ سے نہایت صراحت اور وضاحت کے ساتھ دو امر ثابت ہوتے ہیں۔

ایک یہ کہ قرآن مجید اپنے ماننے والوں کو جس طرح احکام قرآنیہ کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت پر مجبور کرتا ہے، جیسا کہ آیت نمبر ا و آیت نمبر ۸ سے ثابت ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں سے یہ بھی ہے کہ آپ قرآن مجید کے صحیح مطالب وصحیح تفسیر بیان فرمادیں۔ جیسا کہ آیت نمبر ۹ و نمبر ۱۰ سے ثابت ہے۔

اسی لئے جب کسی آیت کے متعلق آپ سے کوئی تفسیر منقول ہو تو اس کے مخالف کوئی دوسری تفسیر ہرگز قابل التفات نہ ہوگی، اگرچہ الفاظ قرآن میں باعتبار لغت کے اس کا احتمال بھی موجود ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے آج تک تمام امت محمدیہ کا یہی اعتقاد رہا ہے۔ اور اگر کسی نے کبھی اس کے خلاف عقیدہ ظاہر کیا ہے، تو اس کو باجماع مسلمین کافر و مرتد سمجھا گیا، اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا، جو کفار و مرتدین کے ساتھ شریعت میں معمول ہے۔

ایسی ہی تفسیر کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ان الذین یلحدون فی اٰیاتنا لایخفون علینا افمن یلقی فی النار خیر ام من یاتی اٰمنا یوم القیامۃ اعملوا ما شئتم انہ بما تعملون بصیر. (حم سجدہ: ۴۰)

ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ھو یضع الکلام علی غیر موضعہ. اخرجہ ابن ابی حاتم (کذا فی الاتقان ص: ۱۹۱، ج: ۲)

الحاد کرنے والا وہ شخص ہے، جو کلام کو بے محل استعمال کرے۔

اور تفسیر روح المعانی میں ہے۔

ینحرفون فی تاویل اٰیات القران عن جهة الصحة و الاستقامة یحملونها علی المحامل الباطلة و هو مراد ابن عباس بقوله یضعون الکلام فی غیر موضعه انتهی (ثم قال فی تفسیر قوله تعالیٰ) افمن یلقی فی النار الایة. تنبیه علی کیفیة الجزاء .(ثم قال فی قوله) اعملوا ما شِئتم ،تهدید شدید للکفرة الملحدین الذین یلقون فی النار . (روح ص: ۱۱۲و ۱۱۳، ج: ۲۴)

وہ آیات کی تفسیر میں صحت و استقامت سے علیحدہ ہوتے ہیں، اور ان کو معانی باطلہ پر محمول کرتے ہیں، اور یہی مراد حضرت ابن عباسؓ کی ہے اس ارشاد سے کہ وہ لوگ کلام کو بے محل استعمال کرتے ہیں۔ (اس کے بعد حق تعالیٰ کے ارشاد افمن یلقی فی النار الایۃ کی تفسیر میں لکھا ہے) کہ یہ اس پر تنبیہ ہے کہ کفار ملحدین کی سزا کیسی ہوگی، (پھر اعملوا ما شئتم کی تفسیر میں فرماتے ہیں) کہ یہ تہدید شدید ہے کفار ملحدین کے لئے جو جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

عقائد نسفی میں ہے:

النصوص علی ظاهرها و العدول عنها الیٰ معان یدعیها اهل الباطل الحاد

نصوص اپنے ظاہری معانی پر محمول ہیں۔ اور ان معانی سے ایسے معانی کی طرف عدول کرنا، جن کا اہل باطل دعویٰ کرتے ہیں، الحاد ہے۔

اور علامہ سیوطیؒ نے اتقان میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص آیت کریمہ من ذا الذی یشفع عندہ کے الفاظ کو تحلیل کر کے من ذل ذی قرار دے کر یہ تفسیر کرتا تھا کہ جو شخص اپنے نفس کو ذلیل کرے، وہ اللہ کے نزدیک سفارش کر سکتا ہے۔

شیخ الاسلام سراج الدین بلقینیؒ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو یہ فتویٰ دیا کہ وہ ملحد زندیق ہے۔ (اتقان مصری ص: ۱۹۱، ج: ۲ فصل مایحتاج الیہ المفسر)

اور قرآن شریف میں ہے:

لا تحرک به لسانک لتعجل به ان علینا جمعه و قرآنه فاذا قرأناه فاتبع قرآنه ثم ان علینا بیانه.

اے پیغمبر! آپ قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تاکہ آپ اس کو جلدی جلدی لیں، ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کر دینا، اور اس کا پڑھوا دینا، تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے پھر اس کا بیان کرا دینا ہمارے ذمہ ہے۔

الغرض آیات وعبارات مذکورہ سے واضح ہوا کہ جو شخص وہ عقائد رکھے، جو فرقہ چکڑالویہ کی کتابوں سے سوال میں ظاہر کئے گئے ہیں، وہ بلاشبہ ملحد وزندیق اور کافر خارج از اسلام ہے۔ کیونکہ وہ بہت سی ضروریات دین کا منکر ہے۔ جیسا کہ عقائد مذکورہ کے دیکھنے والے پر مخفی نہیں رہ سکتا، عقائد مذکور کا ضروریات دین کے خلاف ہونا چونکہ بالکل بدیہی اور آفتاب کی طرح روشن ہے، اس لئے ضرورت نہیں کہ ہر عقیدے کے متعلق جدا جدا کچھ لکھا جاوے۔

علاوہ ازیں اس وقت ہجوم مشاغل کے سبب فرصت بھی نہیں، آئندہ اگر فرصت ملی یا کسی دوسرے صاحب نے ہمت کی اور اس کی تفصیل لکھ دی تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کو اس رسالہ کا ضمیمہ بنا دیا جاوے گا۔

فرقہ مرزائیہ کے عقائد

مرزا غلام احمد ساکن قادیان ضلع گورداسپور پنجاب اس فرقہ کا بانی ہے، اور اس وقت اس فرقہ کی تین پارٹیاں مشہور ہیں۔ ایک ظہیر الدین اروبی کی متبع اور دوسری مرزا محمود کی متبع جس کو قادیانی پارٹی کہا جاتا ہے۔ تیسرے مسٹر محمد علی لاہوری کی متبع جس کو لاہوری پارٹی کہا جاتا ہے۔

پہلی پارٹی مرزا غلام احمد کے مذہب کو بغیر کسی نفاق و تاویل کے ظاہر کرتی ہے۔ اور ان کو ان کی تعلیم کے مطابق نبی اور رسول مستقل ناسخ شریعت مانتی ہے۔ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو معاذ اللہ منسوخ کہتی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت میں مرزا کا نام لینا ضروری سمجھتے ہیں۔

دوسری پارٹی خواہ اپنی چالاکی کی وجہ سے مسلمان ایسے شدید کفر سے فوراً متنفر ہو جائیں گے، یا اپنی کم فہمی کی وجہ سے مرزا کی تصریحات کے خلاف اس کو صاحبِ شریعت ناسخ القرآن نہیں مانتی، لیکن نبی اور رسول ہونے کا بلکہ دوسرے انبیاء سے افضل ہونے کا اعتقاد رکھتی اور ظاہر کرتی ہے۔

تیسری پارٹی اس کو مسیح موعود اور مہدی و امام کہتی ہے۔ نبی اور رسول کا لفظ بھی اس کے لئے استعمال کرتی ہے۔ مگر یہ کہہ کر کہ لغوی اور مجازی امتی نبی ہیں۔ ایسے نہیں جیسے پہلے انبیاء گزرے ہیں۔

ان تینوں پارٹیوں کے عقائد مفصل حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب دام مجدھم نے اپنے رسالہ ''اشد العذاب'' میں ان کی کتابوں میں سے بقید صفحات نقل کئے ہیں۔ جن میں سے بعض بطور نمونہ اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں۔

اروبی مرزائی کے عقائد

رسالہ المبارک ص: ۳ میں اروبی کہتا ہے۔ اپنے عقائد کا خلاصہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہوئے احسن طور پر یہ بیان کرنا ہوگا کہ **لا الہ الا اللہ احمد جری اللہ** اور اسی کتاب کے صفحہ مذکور پر ہے، قرآن کریم کو سچے دل سے منجانب اللہ یقین کرتے ہوئے اس تازہ وحی الٰہی پر یقین لانا مقدم سمجھنا ہوگا۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی۔

پھر اسی صفحہ میں لکھتا ہے، اور خدا کی عبادت کرتے وقت مسجد اقصیٰ اور مسیح موعود کے مقام قادیان کی طرف منہ کرنے کو ترجیح دینی ہوگی۔ پھر رسالہ ''تبدیل قانون'' ص: ۲، ۳ میں مفصل تحریر کے ذیل میں لکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے لئے وہ شریعت نہیں رہی جو آج سے تیرہ سو برس پہلے تھی۔ دیکھو حضرت مسیح موعود کیسی وضاحت سے لکھتے ہیں۔ الخ

قادیانی پارٹی کے عقائد

مرزا محمود خلیفہ قادیان اپنی کتاب حقیقۃ النبوۃ ص: ۱۷۴ میں لکھتے ہیں۔ ''پس شریعت اسلام نبی کے جو معنی کرتی ہے، اس کے معنی سے حضرت صاحب ہر گز مجازی نبی نہیں بلکہ حقیقی نبی ہیں۔''

اور اخبار الفضل جلد دوم (۲۲)، ۱۲۳ مورخہ ۴، ۶ اپریل ۱۹۱۵ء میں ہے محکم کیا ہے حضرت مسیح موعود نبی ہیں یہ بلحاظ نفس نبوت یقیناً ایسے ایسے ہمارے آقا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم محکم کیا ہے، نبی کا منکر **اولئک ھم الکفرون حقا** کے فتوے کے نیچے داخل ہے۔ (اشد العذاب ص: ۴۵ بحوالہ رسالہ موجودہ قادیانی مذہب)

اور رسالہ موجودہ قادیانی مذہب ص: ۳۰ میں بحوالہ تشحیذ الاذہان جلد ۲ نمبر ۱۴۰ لکھا ہے، قرآن شریف میں انبیاء کے منکرین کو کافر کہا گیا ہے۔ اور ہم لوگ حضرت مسیح موعود کو نبی اللہ مانتے ہیں، اس سے ہم آپ کے منکروں کو کافر کہتے ہیں۔

لاہوری پارٹی کے عقائد

اشد العذاب ص: ۵۷ میں بحوالہ ہنڈیل نمبر ۲ ص: ۱ قبل اس کے کہ جناب میاں صاحب اوران کے مریدین کے عقائد کو خلاف عقائد حضرت مسیح موعود دکھایا جاوے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ ہم حضرت مسیح موعود کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ امام الزمان مجدد ملہم من اللہ جزوی ظلی بروزی مجازی امتی نبی بمعنی محدث نہ بمعنی نبی مہدی و مسیح موعود ہیں۔

یہ تو وہ عقیدہ ہے جو لاہوری پارٹی مرزا کے متعلق رکھتی ہے، اس کے علاوہ خود اس کے رئیس مسٹر محمد علی صاحب نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن میں بہت سی آیاتِ قرآنیہ کی ایسی تحریف کی ہے جن میں سے ہر ایک مستقل وجہ کفر معلوم ہوتی ہے، ان عقائد پر غور کرتے ہوئے ہر ایک پارٹی کے متعلق جدا جدا تحریر فرمایا جاوے کہ یہ پارٹیاں خارج از اسلام ہیں یا ان میں کوئی تفصیل ہے؟

الجواب

ان تینوں پارٹیوں میں چند مشترک وجوہ تو کفر ہیں۔ اور بعض وجوہ خاص خاص پارٹیوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس جگہ مشترک وجوہ میں سے چند وجوہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے، وہ یہ ہیں:

۱......مرزا کو باوجود ایسے صاف دعویٰ نبوت کے جس میں کسی تاویل کی ہرگز

گنجائش نہیں مسلمان بلکہ مہدی و مسیح سمجھنا۔

۲......ختم نبوت کے مسئلہ میں جو کہ ضروریات دین میں سے ہے تاویل فاسد کرنا اور اس کے اجماعی مفہوم کو بدلنا۔

۳......مرزا کو باوجود کھلی ہوئی توہین انبیاء کے مسلمان سمجھنا یہ وجوہ کفر ایسی ہیں جو تینوں پارٹیوں میں مشترک ہیں۔ اور ان کے کفر کے لئے کافی ہیں۔ ان کے علاوہ دوسری بہت سی وجوہ اور بھی ہیں جن کے استیعاب کی اس جگہ ضرورت نہیں اور وجوہ مذکورہ بالا کے کفر ہونے کا ثبوت تمام کتب مذہب میں موجود ہے جن میں سے چند عبارات اس جگہ نقل کی جاتی ہیں۔

علامہ خفاجی شرح شفاء میں فرماتے ہیں:

و کذالک ابن القاسم فی من تنبأ وزعم انه یوحی الیه و قاله سحنون و قال ابن القاسم فیمن تنبأ انه کالمرتد سواء کان دعا ذالک الیٰ متابعة نبوته سراً او جهراً کمسیلمة لعنه الله و قال اصبغ بن الفرح هو ای من زعم انه نبی یوحی الیه کالمرتد فی احکامه لانه قد کفر بکتاب الله لانه کذبه صلی الله علیه وسلم فی قوله انه خاتم النبیین و لانبی بعده مع الفریة علی الله.

ابن قاسم اس شخص کے متعلق کہتے ہیں، جو نبوت کا دعویٰ کرے کہ وہ مثل مرتد کے ہے خواہ اپنی نبوت کی طرف وہ لوگوں کو سراً دعوت دے، یا جہراً، جیسے مسیلمۃ کذاب لعنہ اللہ تعالیٰ اور اصبغ بن فرح فرماتے ہیں کہ وہ یعنی وہ شخص جو یہ کہے کہ میں نبی ہوں اور مجھ پر وحی آتی ہے، تمام احکام میں مثل مرتد کے ہے۔ اس لئے کہ وہ کتاب اللہ کا منکر ہے،

کیونکہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حکم میں تکذیب کی کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر افتراء بھی کرتا ہے۔ (کیونکہ اس نے اس کو نبی صاحب وحی نہیں بنایا یہ محض افتراء کرتا ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔)

ابن حبان فرماتے ہیں۔

من ذهب الى ان النبوة مكتسبة **لا تنقطع** او الىٰ ان الولى افضل من النبى **فهو زنديق يجب قتله**

(زرقانی ص:۱۸۸ ج:۶)

جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ نبوت کسب وعمل سے حاصل ہوسکتی ہے اور کبھی منقطع نہ ہوگی یا یہ کہ نبی سے ولی افضل ہے وہ زندیق ہے اس کا قتل واجب ہے۔

اور شفاء قاضی عیاض میں ہے۔

و قد قتل عبدالملک ابن مروان الحارث المتنبى وصلبه و فعل ذالک غير واحد من الخلفاء والملوک بأشباههم واجمع علماء وقتهم على صواب فعلهم والمخالف فى ذالک من كفرهم كافر.

(ازاکفار ص: ۴۳)

عبدالملک بن مروان نے حارث مدعی نبوت کو قتل کیا، اور سولی پر چڑھایا۔ اور یہی معاملہ بہت سے خلفاء اور شاہانِ اسلام نے مدعیان نبوت کے ساتھ کیا ہے۔ اور ہر زمانہ کے علماء نے اس پر اجماع واتفاق کیا کہ ان خلفاء اور ملوک کا فعل درست ہے۔ اور جو شخص ان مدعیانِ نبوت کے کفر میں اختلاف کرے وہ بھی کافر ہے۔

اور شرح شفاء میں ہے:

و کذالک نکفر من ادعی نبوة احد مع نبینا صلی الله علیه وسلم ای فی زمنه کمسیلمة الکذاب والاسود العنسی او ادعی نبوة احد بعده فانه خاتم النبیین بنص القرآن و الحدیث فهذا تکذیب اللّٰه و رسوله صلی الله علیه وسلم کالعیسویة. (شرح شفاء)

اسی طرح ہم اس شخص کو بھی کافر سمجھتے ہیں، جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی کو نبی مانے۔ یعنی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں کسی کو نبی تسلیم کرے جیسے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی یا آپ کے بعد کسی شخص کی نبوت کا قائل ہو، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنص قرآن وحدیث خاتم النبیین ہیں، تو (آپ کے ساتھ یا آپ کے بعد کسی کو نبی قرار دینا) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تکذیب ہے۔ جیسے عیسویہ کہتے ہیں۔

اور صبح الاعشیٰ ص: ۳۰۵ میں ہے:

وهاتان المسئلتان من جملة ما کفروا به بتجویز النبوة بعد النبی صلی الله علیه وسلم الذی اخبر تعالیٰ انه خاتم النبیین.

اور یہ دونوں مسئلے ان مسائل میں سے ہیں، جن کی وجہ سے اُن لوگوں کی تکفیر کی گئی ہے۔ کیونکہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت جاری رہنے کو جائز قرار دیا، جن کے متعلق حق تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری ص: ۲۶۳ ج: ۲ میں ہے:

اذا لم یعرف ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء فلیس بمسلم و لو قال انا رسول او قال بالفارسیة من پیغمبرم یرید بہ من پیغام می برم یکفر.

(فتویٰ عالمگیری)

جو کوئی شخص یہ اعتقاد نہ رکھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء ہیں، وہ مسلمان نہیں ہے۔ اور اگر یہ کہا کہ میں رسول ہوں، (اگر چہ اس کی مراد اصطلاحی رسول و پیغمبر نہ ہو) بلکہ پیغام رساں مراد ہو، جب بھی وہ کافر ہے۔ (کیونکہ یہ تاویل بے معنی اور الحاد کا دروازہ کھولنے والی ہے)

علامہ ابن حجر مکی شافعی اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

من اعتقد وحیاً بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کفر باجماع المسلمین.

جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئی وحی کا اعتقاد کرے وہ باجماع مسلمین کافر ہے۔

الاشباہ والنظائر کتاب السیر والردۃ میں لکھتے ہیں:

اذا لم یعرف ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء فلیس بمسلم لانہ من الضروریات

(الاشباہ ص: ۲۹۶)

جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر الانبیاء نہ سمجھے، وہ مسلمان نہیں۔ اس لئے کہ یہ مسئلہ ضروریات دین میں سے ہے۔

اور ملا علی قاری شرح شمائل میں مہر نبوت کے متعلق فرماتے ہیں:

و اضافته الى النبوة لانه ختم به بيت النبوة حتى لايدخل بعده احد

خاتم النبوت میں خاتم کی اضافت نبوت کی طرف اس لئے کی گئی کہ اس نے بیت نبوت پر مہر لگا دی کہ اس کے بعد اس میں کوئی داخل نہ ہو سکے گا۔

اور نیز علامہ موصوف شرح فقہ اکبر ص: ۱۹۱ میں فرماتے ہیں:

ودعوىٰ النبوة بعد نبينا صلى الله عليه وسلم كفر بالاجماع (مطبوعہ گلزار محمدی لاہور)

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا باجماع مسلمین کفر ہے۔

اور علامہ سید محمود آلوسی مفتی بغداد نے اپنی تفسیر روح المعانی میں اس مسئلہ کو نہایت مکمل لکھا ہے۔ جس کے چند جملے یہ ہیں:

و كونه صلى الله عليه وسلم خاتم النبيين مما نطقت به الكتاب و صدعت به السنة و اجمعت عليه الامة فيكفر المدعى خلافه و يقتل ان اصر.

(روح المعانی ص: ۶۵ ج: ۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا ان چیزوں میں سے ہے جن پر قرآن مجید نے تصریح فرمائی، اور احادیث نبویہ نے ان کو واضح کر دیا۔ پس جو شخص اس کے خلاف کا مدعی ہو اس کو کافر کہا جاوے گا۔ اور اگر اس پر اصرار کرے گا، تو قتل کیا جائے گا۔

اور تحفہ شرح منہاج میں لکھا ہے:

و كذب رسولاً او نبياً او نقصه باى منقص كان

صغر اسمه مريداً تحقيره او جوز نبوة احد بعد وجود نبوة نبينا صلى الله عليه وسلم و عيسىٰ عليه والسلام نبي قبل فلايرد. (ازاكفار ص: ۴۲)

یا کسی رسول و نبی کی تکذیب کرے، یا اُن کی کسی طرح تنقیص شان کرے، خواہ اسی طرح ہو کہ ان کے نام کی تصغیر بقصد تحقیر کرے یا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد کسی دوسرے شخص کے لئے نبوت کو جائز رکھے۔ (وہ کافر ہے) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام (باوجود نبی ہونے کے آخر زمانہ میں نازل ہوں گے اس سے ختم نبوت پر شبہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ) وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبی ہو چکے ہیں۔

اور ملل ص: ۲۴۹ ج: ۳ میں فرماتے ہیں:

و كذالك من قال (الى قوله) او ان بعد محمد صلى الله عليه وسلم نبيا غير عيسىٰ بن مريم عليه السلام فانه لايختلف اثنان فى تكفيره لصحة قيام الحجة بكل.

ایسے ہی وہ شخص بھی کافر ہے جو یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بجز عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی اور نبی ہے۔ کیونکہ یہ ایسی کھلی ہوئی بات ہے کہ اس میں دو آدمی بھی اختلاف نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ اس پر حجت قائم ہے۔

اور شیخ ابوشکور سالمیؒ تمہید میں تحریر فرماتے ہیں:

و قالت الروافض ان العالم لا يكون خاليا من النبى قط و هذا كفر لان الله تعالىٰ قال و خاتم النبيين و من ادعى النبوة فى زماننا فانه يصير كافرا و من طلب منه

المعجزات فانه يصير كافرا لانه لا شك فى النص فيجب الاعتقاد بانه لاشركة لاحد فى النبوة لمحمد صلى الله عليه وسلم بخلاف ما قاله الروافض ان عليا كان شريكا لمحمد صلى الله عليه وسلم فى النبوة و هذا منهم كفر

روافض کہتے ہیں کہ عالم کسی وقت ہرگز نبی سے خالی نہیں رہ سکتا اور یہ کفر ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وخاتم النبیین اور جو شخص ہمارے زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص اس سے (بنظر اعتقاد) معجزات طلب کرے، وہ بھی کافر ہے۔ کیونکہ اس نے نص قرآنی میں شک کیا، پس واجب ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جاوے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت میں کسی کی شرکت نہیں ہے۔ بخلاف روافض کے جو کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت میں شریک تھے۔ اور یہ ان کا (کھلا ہوا) کفر ہے۔

اور امام غزالیؒ اپنی کتاب اقتصاد میں فرماتے ہیں:

ان الامة فهمت من هذا اللفظ انه افهم عدم نبى بعده ابدا و عدم رسول بعده ابدا و انه ليس فيه تاويل ولا تخصيص فكلامه من انواع الهذيان لايمنع الحكم بتكفيره لانه مكذب لهذا النص الذى اجمعت الامة على انه غير مأول و لامخصوص.

تمام امت محمدیہ نے اس لفظ (یعنی خاتم النبیین) سے یہی سمجھا ہے کہ اس نے یہ بتلایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک

نہ کوئی نبی ہوگا، نہ رسول۔ اور یہ کہ نہ اس میں کوئی تاویل ہے نہ تخصیص، اور جو شخص اس میں کسی قسم کی تخصیص و تاویل کرے اس کا کلام مجنونانہ ہذیان (بڑ) ہے۔ اور یہ تاویل اس پر حکم کفر کرنے سے مانع نہیں ہے، کیونکہ وہ اس نص قرآنی کی تکذیب کرنے والا ہے جس کے متعلق امت کا اجماع ہے کہ وہ نہ مؤول ہے نہ مخصوص۔

اور حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں:

ادعت ای الروافض ایضا ان علیا نبی (الی قوله) لعنهم الله و الملائکة و سائر خلقه الی یوم الدین و قلع اباد خضرائهم و لاجعل منهم فی الارض دیارا فانهم بالغوا فی غلوهم و مردوا علی الکفر و ترکوا الاسلام و فارقوا الایمان و حجدوا لااله الا الله و الرسل و التنزیل فنعوذ بالله من ذهب الی هذه المقالة.

روافض نے یہ بھی دعوی کیا ہے کہ حضرت علیؓ نبی ہیں، لعنت کرے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور تمام مخلوق ان پر قیامت تک، اور برباد کرے ان کی کھیتیوں کو اور نہ چھوڑے ان میں سے کوئی گھر میں بسنے والا، اس لئے کہ انہوں نے اپنے غلو میں مبالغہ سے کام لیا ہے، اور کفر میں جم گئے، اور اسلام و ایمان کو چھوڑا، اور انبیاء اور قرآن کا انکار کیا۔ پس ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں۔ اس شخص سے جس نے یہ قول اختیار کیا۔

اور علامہ عارف باللہ شیخ عبدالغنی نابلسیؒ شرح فرائد میں روافض کی تکفیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فساد مذهبهم غنى عن البيان لشهادة العيان كيف و هو يؤدى الى تجويز نبى مع نبينا صلى الله عليه وسلم او بعده و ذالك يستلزم تكذيب القرآن اذ قد نص على انه خاتم النبيين و آخر المرسلين و فى السنة أنا العاقب لانبى بعدى و اجمعت الامة على ابقاء هذا الكلام على ظاهره و هذا احد المسائل المشهورة التى كفرنا بها الفلاسفة لعنهم الله تعالىٰ. (از اکفار ص: ۴۲)

ان کے مذہب کا فساد محتاج بیان نہیں بلکہ مشاہد ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا بعد بھی کوئی نبی پیدا ہو سکتا ہے، اور اس سے قرآن کی تکذیب لازم آتی ہے اس لئے کہ اس کی تصریح کر دی گئی ہے کہ آپ خاتم النبیین اور آخر المرسلین ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ میں عاقب ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر بغیر کسی تاویل و تخصیص کے رکھا جائے، اور یہ بھی انہیں مسائل میں سے ہے جن کی وجہ سے ہم نے فلاسفہ ملاعنہ کی تکفیر کی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ لوگ مرزا کو باوجود ان خیالات وعقائد باطلہ کفریہ کے جو باجماع امت کفر ہیں، اور جن سے مرزائی کتابیں لبریز ہیں، نہ صرف مسلمان بلکہ مسیح موعود مہدی موعود، محدث وغیرہ مانتے ہیں۔ جس کا کھلا ہوا نتیجہ یہ ہے کہ (معاذ اللہ) تمام اسلاف امت صحابہ و تابعین اور ائمہ اجتہاد اور ساڑھے تیرہ سو برس تک کے تمام علماء گمراہی وضلالت میں تھے۔ کہ وہ جن اقوال وافعال کو باجماع کفر وضلال کہتے ہیں، وہ بجائے کفر وضلالت کے ہدایت مجسمہ اور مسیحیت موعودہ ہے۔ اور کوئی ایسا عقیدہ رکھنا جس سے تمام امت کا گمراہی پر ہونا لازم آئے باتفاق کفر ہے۔

شفاء قاضی عیاضؒ اور اس کی شرح ملا علی قاری میں ہے:

وکذالک نقطع بتکفیر کل قائل قال قولا یتوصل به الی تضلیل الامة المرحومة و تکفیر جمیع الصحابة

(شرح شفاء للقاری ص: ۵۲۱ ج: ۲)

اور ایسے ہی ہم اس شخص کے کفر کا بھی یقین رکھتے ہیں، جو کوئی ایسا قول اختیار کرے جس سے تمام امت مرحومہ اور تمام صحابہ کی تکفیر لازم آتی ہو۔

اور علامہ ابن حجر مکی کتاب الزواجر عن اقتراف الکبائر میں اسی مضمون کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

و فی معنی ذالک کل من فعل فعلا اجمع المسلمون علی انه لایصدر الا عن کافر (الی قوله) او یشک فی نبوة نبی (الی قوله) او فی تکفیر کل قائل قولا یتوصل به الی تضلیل الامة (زواجر ص: ۲۴ ج: ۱)

اور اسی حکم میں ہے وہ شخص جو کوئی ایسا فعل کرے جس کے متعلق مسلمانوں کا اجماع ہو کہ یہ فعل سوائے کافر کے کسی سے صادر نہیں ہوسکتا، یا کسی نبی کی نبوت میں شک کرے یا اس شخص کی تکفیر میں شک کرے جو ایسا قول اختیار کرتا ہے کہ جس سے تمام امت کا گمراہ ہونا سمجھا جاوے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایسے شخص کے کفر میں جو شخص شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ پس جب کسی کافر کو جس کا کفر کھلا ہوا اور صاف ہو صرف مسلمان کہنا بلکہ اس کے کفر میں شک کرنا بھی کفر ہے جیسا کہ زواجر کی عبارت مذکورہ سے ثابت ہوا اگر چہ کسی تاویل کے ساتھ ہو تو پھر مرزا کو اس کے عقائد معلوم ہونے کے بعد مہدی

اور مسیح وغیرہ کہنے والا ضرور بالضرور کافر اور خارج از اسلام ہے۔ اور قاضی عیاض نے شفاء میں اور ملا علی قاری نے اس کی شرح میں اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ ولفظہ ہذا:

فالاجماع علی کفر من لم یکفر احدا من النصاری و الیھود و کل من فارق دین المسلمین او وقف او شک قال القاضی ابوبکر لان التوقیف و الاجماع اتفقا علی کفرھم فمن وقف فی ذالک فقد کذب النص و التوقیف او شک فیه و التکذیب و الشک فیه لا یقع الا من کافر. (متن الشفاء از شرح قاری ص: ۵۱۰ ج: ۲)

اس شخص کے کفر پر اجماع ہے جو نصاری و یہود میں سے کسی کو کافر نہ سمجھے یا اس شخص کو کافر نہ سمجھے جو مسلمانوں کے دین سے جدا ہو، یا اس میں (بلا وجہ شرعی) توقف یا شک کرے، قاضی ابوبکر فرماتے ہیں کہ نقل شرعی اور اجماع دونوں ان کے کفر پر متفق ہیں، پس جو شخص اس میں (بلا وجہ شرعی) توقف یا شک کرے، اس نے نص شرعی کی تکذیب کی اور اس میں تکذیب یا شک کافر ہی کر سکتا ہے۔

اسی طرح درمختار باب المرتدین میں اس شخص کے متعلق جس نے کسی نبی کی توہین کی ہو تصریح کرتے ہیں۔

ومن شک فی کفرہ و عذابه کفر (درمختار) واقرہ الشامی

اور جو شخص اس کے کفر اور معذب ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اگر یہ کہا جاوے کہ یہود و نصاریٰ اور ہندو، آریہ وغیرہ کو مسلمان کہنا تو بے شک حسب تصریحات مذکورہ کفر ہے، لیکن قادیانی کا کفر اس درجہ میں نہیں، اس کے متعلق اگر کوئی شخص بوجہ حسن ظن کے تاویل کرے، تو گنجائش ہے کیونکہ وہ مدعی اسلام اور ظاہر میں قرآن وحدیث کا اقرار کرتا ہے، اور نماز، روزہ وغیرہ احکام و شرائع اسلامیہ کا پابند ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ ضروریات دین کے خلاف میں تاویل معتبر نہیں، اور نہ اس کی گنجائش ہے ورنہ اگر یہی حسن ظن اور تاویل کی وسعت کی جائے، تو دنیا میں کوئی کافر نہیں رہتا۔ کیونکہ عموماً کفار کے طبقات کچھ نہ کچھ تاویل رکھتے ہیں۔ بت پرست اور مشرکین کی تاویل خود قرآن میں مذکور ہے۔ ما نعبدھم الالیقر بونا الی اللہ زلفی۔ اور یہ ان کی تاویل بلاشبہ مرزا کی تاویلات سے زیادہ بہتر ہے۔

مرزا کے عقائد کفریہ، نبوت کا دعویٰ، وحی کا دعویٰ، ختم نبوت کا انکار، ختم نبوت کے اجماعی معانی اور اس بارہ میں آیات قرآنیہ کی تحریف، عیسیٰ علیہ السلام کی سخت ترین توہین، دوسرے انبیاء کی توہین وغیرہ وغیرہ ان کی تمام تصانیف میں اس قدر واضح اور صاف ہیں کہ ان میں تاویل کرنا اس سے کم نہیں جو مشرکین کی تاویل بت پرستی کے متعلق آیت مذکورہ میں گزری ہے، یا حدیث میں ہے کہ مشرکین بوقت طواف تلبیہ میں کہا کرتے تھے: **لاشریک لک الا شریکا ھو لک۔** (ترمذی)

اس لئے علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ ضروریات دین کے بارہ میں اجماعی معانی کے سوا آیات و روایات کی کسی دوسرے معنی کی طرف تاویل کرنا عذر مسموع نہیں۔ اور یہ تاویل ان پر حکم تکفیر کے لئے مانع نہیں ہوسکتی، حضرت مولانا سید محمد انور

شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ اکفار الملحدین میں اس کے متعلق کافی نقول جمع فرمادی ہیں (من شاء فلیراجع ثمہ) وللّٰہ الحمد اولہ و اٰخرہ۔

عقائد روافض وشیعہ

روافض واہل تشیع میں بہت سے مختلف العقائد فرقے ہیں۔ اور ہر فرقہ کے عقائد کو جدا جدا منضبط کرنا بھی دشوار ہے، ایک دوسری مشکل یہ ہے کہ کسی فرقہ کی کتابوں میں ان کے بعض عقائد معلوم ہوتے ہیں۔ مگر جب وہ عقیدہ ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، تو وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ مثلاً کتب شیعہ میں جابجا اس قسم کی عبارتیں ملتی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ موجودہ قرآن کو محرف و ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں، مگر جب کہا جاتا ہے کہ تم موجودہ قرآن پر ایمان نہیں رکھتے تو وہ شدت کے ساتھ تبری کرتے ہیں۔ ایک مشکل یہ ہے کہ ہندوستان میں عوام روافض کے متعلق یہ فیصلہ بھی دشوار ہے کہ وہ کس فرقہ میں درج ہیں۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ ایسی حالت میں ہم روافض کے ساتھ کیا معاملہ کریں ان کو مسلمان سمجھیں یا کافران کے فرقوں کے جس قدر عقائد معلوم ہوسکے وہ لکھے جاتے ہیں۔

۱...... بعض شیعہ مسلمانوں سے صرف اس میں اختلاف رکھتے ہیں کہ وہ خلافت کے مستحق اول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو قرار دیتے ہیں۔ مگر باقی صحابہ کرامؓ پر بھی تبرّیٰ نہیں کرتے؟

۲...... بعض روافض وہ ہیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ اول قرار دیتے ہیں، اور باقی حضرات صحابہؓ پر تبرا بھی کرتے ہیں؟

۳...... بعض وہ ہیں جو (معاذ اللہ) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خود معبود سمجھتے ہیں۔

۴...... بعض وہ ہیں جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی، اصل میں وحی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر آئی تھی، وہ غلطی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ (نعوذ باللہ منہ) گو حقیقتاً نبی و رسول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مانتے ہیں؟

۵...... بعض وہ ہیں جو حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت رکھتے ہیں، یا تمام حضرات صحابہ کرامؓ کو معاذ اللہ کافر مرتد کہتے ہیں؟

الجواب

مختصر اور محقق و جامع کلام روافض کے بارہ میں یہ ہے کہ بلحاظ احکام روافض کی تین صورتیں ہیں۔

اول: یہ کہ ان میں سے کسی شخص یا فرقہ کے متعلق یقینی طور سے یہ بات ثابت ہو جاوے کہ وہ ضروریات [1] دین میں سے کسی چیز کا منکر ہے۔ اگرچہ انکار میں تاویل بھی کرتا ہو اور صاف انکار کرنے سے تبریٰ بھی کرتا ہو۔ مثلاً قرآن مجید کے محرف و ناقابل اعتبار ہونے پر اگر کسی شخص کی ایسی صاف عبارت ہے کہ اس سے یقینی طور پر یہی مفہوم نکلتا ہے، پھر باوجود اس کے وہ اپنی عبارت کو غلط مان کر اس سے رجوع ظاہر نہیں کرتا، مگر عقیدہ تحریف قرآن سے تبریٰ کرتا ہے تو اس تبریٰ کا کوئی اعتبار نہیں۔ بلکہ وہ باتفاق و باجماع کافر مرتد ہے۔ اس کے ساتھ کسی قسم کا اسلامی معاملہ رکھنا جائز نہیں۔ نہ اس سے کسی مسلمان کا نکاح جائز۔ اور اگر نکاح

(۱) ضروریات دین اصطلاح میں ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جن کا ثبوت اسلام میں قطعی ویقینی اور ایسا بدیہی ہو کہ عام مسلمان اس سے واقف ہوں اس کا مفصل تعریف اور احکام اسی رسالہ کے ص: ۶ میں گذر چکے ہیں ۱۲

کے بعد اس کا عقیدہ ایسا ہو گیا، تو نکاح فسخ ہو جاوے گا۔ نہ اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال، نہ اس پر نماز جنازہ جائز وغیرہ ذالک من الاحکام۔ اور دلیل اس کی وہ تمام عبارات فقہاء ہیں، جو سوال اول کے جواب میں ضروریات دین میں سے کسی چیز کے منکر کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ نیز علامہ شامیؒ کی عبارت ذیل بھی اس کے لئے کافی ہے۔ نعم لاشک فی تکفیر من قذف السیدة عائشةؓ او انکر صحبة الصدیق او اعتقد الالوهیة فی علی او ان جبریل غلط فی الوحی الخ . شامی استنبولی ص: ۴۰۶ ج: ۳۔

دوم: صورت یہ ہے کہ کسی شخص یا فرقہ کے متعلق یقینی طور پر معلوم ہو جاوے کہ وہ ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر نہیں مگر صرف اس میں اختلاف رکھتا ہے کہ جمہور امت کے خلاف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو افضل الصحابہؓ اور خلیفہ اول سمجھتا ہے تو وہ شخص فاسق (۱) وگمراہ ہے۔ مگر کافر و مرتد نہیں۔ اس کے ساتھ وہ اسلامی معاملات جائز ہیں۔ جو کسی فاسق وگمراہ کے ساتھ کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً ذبیحہ اس کا حلال ہے۔ اس کے جنازہ پر نماز جائز ہے۔ نکاح کے معاملہ میں اس سے بھی اجتناب کرنا بہتر ہے۔ کیوں کہ فاسق کی معاشرت کے اثرات و نتائج خطرناک ہیں لیکن اگر کسی مسلمان سنی لڑکی کا نکاح اس سے کر دیا گیا، تو اگرچہ بلا ضرورت شدیدہ ایسا کرنا اچھا نہیں، لیکن یہ نکاح اس شرط سے جائز و منعقد ہو جاوے گا، کہ لڑکی بالغہ اور اس کے اولیاء دونوں کو نکاح کے وقت اس کا عقیدہ معلوم ہو۔ اور وہ دونوں اس عقیدہ کے باوجود نکاح کی اجازت دے دیں۔ اور اگر

---

(۱) لما فی الشامی عن الاختیار اتفق الائمة علی تضلیل اهل البدع اجمع و تخطئهم وسب احد من الصحابة و بغضه لا یکون کفراً لکن یضلل (شامی ص: ۴۰۵، ج: ۳)

دونوں میں سے کسی ایک نے بھی نکاح کی اجازت دینے سے انکار کیا تو یہ نکاح (مذہب مفتیٰ بہ کے مطابق) منعقد و صحیح نہیں ہوگا۔ لڑکی کو شرعاً اختیار ہوگا کہ اپنا نکاح دوسری جگہ کسی سنی مسلمان سے کرے۔

اور اگر بوقت نکاح اس شخص نے دھوکہ دے کر اپنے آپ کو سنی مسلمان ظاہر کیا اس بناء پر لڑکی اور اس کے اولیاء نے نکاح کر دیا، بعد نکاح حقیقت حال معلوم ہوئی، تو لڑکی اور اس کے اولیاء کو حق ہوگا کہ مسلمان حاکم کی عدالت میں دعویٰ دائر کر کے نکاح فسخ کرالیں اور اگر مسلمان حاکم کی عدالت میں مقدمہ لے جانا اختیار میں نہ ہو، تو اہل محلہ یا اہل شہر میں سے دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت کے سامنے معاملہ پیش کر کے ان سے فسخ نکاح کرالیا جائے (لیکن اس صورت میں قانونی گرفت سے بچنے کے لئے) بہتر یہ ہے کہ پہلے موجودہ حکومت میں درخواست دے کر نکاح فسخ کرائیں، خواہ حاکم مسلم ہو یا غیر مسلم۔ پھر اگر حاکم مسلم ہو تو یہی فسخ شرعاً بھی معتبر ہوگا، اور اگر حاکم غیر مسلم تھا۔ تو دوبارہ مسلمانوں کی پنچائیت میں معاملہ پیش کر کے نکاح فسخ کرایا جاوے۔ مسلمانوں کی پنچائیت جس کا فیصلہ شرعاً معتبر ہو سکتا ہے اس کے لئے چند شرائط ہیں، جو رسالہ حیلہ ناجزہ میں مدلل و مفصل اور رسالہ المرقومات للمظلومات میں مختصر مگر کافی طور سے لکھ دیئے گئے ہیں۔ اگر ضرورت پیش آوے، تو بغیر اس کے دیکھے ہوئے عمل نہ کیا جاوے، اس قسم دوم کے احکام کے دلائل بھی رسالہ حیلۂ ناجزہ کے تتمہ میں خیار کفاءت کے ذیل میں مفصل مذکور ہیں وہاں دیکھ لینا چاہئے، اور اجمالی طور پر عبارات ذیل بھی ثبوت کے لئے کافی ہیں۔

فی الدر المختار فی الباب الخامس من نکاح العالمگیریہ: تعتبر الکفاءۃ فی الدیانۃ و ھذا قول ابی حنیفۃ و ابی یوسف و ھو الصحیح کذا

فی الهداية فلا يكون الفاسق كفواً للصالحة كذا فی المجمع سواء كان معلن الفسق او لم يكن كذا فی المحيط (عالمگیری ص:۱۳ ج:۲ مطبوعه کانپور) نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولی و له اذا كان عصبة و لو غير محرم (الی قوله) الاعتراض فی غير الكفوء مالم تلد و يفتی بعدم جوازه اصلاً الخ وفی ردالمحتار هذه رواية الحسن عن ابی حنيفةؒ و أيّده صاحب الدر بقوله و هو المختار للفتوىٰ و العلامة الشامی و غيره بقول شمس الائمة و هذا اقرب الی الاحتياط، انتهیٰ. و كذالک فی كفاءة الدر المختار و لو زوجها برضاها و لم يعلموا بعدم الكفاءة ثم علموا لاخيار لاحد الا اذا شرطوا الكفاءة او اخبرهم بها وقت العقد فزوجوها علی ذالک ثم ظهر انه غير كفوء كان لهم الخيار و لوالجيه.

تیسری صورت یہ ہے کہ یقینی طور پر کسی امر کا ثبوت نہ ملے یعنی نہ اس کا یقین ہے کہ وہ ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر ہے، اور نہ اس کا کہ منکر نہیں، بلکہ ایک مشتبہ حالت ہے خواہ اشتباہ اس وجہ سے ہو کہ اس فرقہ کے اقوال وعقائد ہی مشتبہ ہیں یا اس وجہ سے کہ اس شخص کے متعلق یہ یقین نہیں کہ اس کا تعلق باعتبار مذہب وعقائد کے کس فرقہ سے ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق شرعی فیصلہ بھی دشوار ہے اس میں سب سے زیادہ احوط واسلم وہ حکم ہے جو فقیہ العصر امام وقت مجدد الملت حکیم الامت سیدنا وسندنا حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم نے امداد الفتاویٰ میں تحریر فرمایا ہے جو رسالہ ہذا کے ص: ۲۱ میں بعینہا مذکور ہے اور اس جگہ مکرر نقل کیا جاتا ہے۔

عبارت امداد الفتاویٰ جلد سادس

اگر کسی خاص شخص کے متعلق یا کسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو خواہ تردد کے اسباب علماء کا اختلاف ہو خواہ قرائن کا تعارض ہو یا اصول کا غموض، تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم کیا جاوے، نہ اسلام کا، حکم اول میں تو خود اس کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے۔ اور حکم ثانی میں دوسرے مسلمانوں کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے۔ پس احکام میں دونوں احتیاطوں کو جمع کیا جائے گا، یعنی اس سے نہ عقد مناکحت کی اجازت دیں گے، نہ اس کی اقتداء کریں گے، نہ اس کا ذبیحہ کھائیں گے، اور نہ اس پر سیاست کا فرانہ جاری کریں گے۔ اگر تحقیق کی قدرت ہو اس کے عقائد کی تفتیش کریں گے، اور اس تفتیش کے بعد جو ثابت ہو، ویسے ہی احکام جاری کریں گے۔ اور اگر تحقیق کی قدرت نہ ہو، تو سکوت کریں گے، اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں گے، اس کی نظیر وہ حکم ہے، جو اہل کتاب کی مشتبہ روایات، کے متعلق حدیث میں وارد ہے۔

لاتصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوهم و قولوا آمنا بالله و ماانزل الينا. الاية، رواه البخارى.

نہ اہل کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب، بلکہ یوں کہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، اور اس وحی پر جو ہم پر نازل ہوئی۔ الخ

دوسری فقہی نظیر احکام خنثیٰ کے ہیں:

يوخذ فيه بالاحوط و الاوثق فى امور الدين و ان لايحكم بثبوت حكم وقع الشك فى ثبوته و اذا وقف خلف الامام قام بين صف الرجال و النساء و يصلى بقناع و يجلس فى صلاته جلوس المرأة و يكره له فى

حیاتہ لبس الحلی و الحریر وان یخلو بہ غیر محرم من رجل او امرأۃ او یسافر مع غیر محرم من الرجال و الاناث ولا یغسلہ رجل و لا امرأۃ و یتیمم بالصعید و یکفن کما یکفن الجاریۃ و امثالہ مما فصلہ الفقہاء (ترجمہ اس عبارت کا پہلے گزر چکا ہے)و اٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

العبدالضعیف محمد شفیع عفاعنہ

مدرس دارالعلوم دیوبند
رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ

الحكم الحقانی

فی الحزب الآغاخانی

مصنفہ حضرت مجدد الملت حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں، علماء دین اور مفتیان شرع متین صورت مسئولہ میں کہ ہمارے شہر کٹک میں ایک شخص .... اطراف بمبئی کا باشندہ قوم سے خوجہ، سوداگر رہتا ہے، اپنے آپ کو آغا خان کا مرید اور پیرو ظاہر کرتا ہے، اتفاق سے اس کے یہاں ایک میت ہوگئی، تاجر مذکور نے اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہا، اس پر یہاں کے مسلمانوں میں کچھ کش مکش پیدا ہوگئی ہے۔ ایک فریق کی رائے ہے کہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں ہرگز دفن نہ کیا جائے۔ کیونکہ سر آغا خان دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ اور اپنی رائے کی تائید میں امور ذیل پیش کرتا ہے:

۱:...... سر آغا خان کی تصویر کی پرستش کرتا ہے۔

۲:...... ہندوؤں نے مشہور اوتار کرشن جی کی مورت اپنے عبادت خانہ میں رکھ چھوڑی ہے۔

۳:...... دیوالی جو ہندوؤں کا مشہور تیوہار ہے، اس میں اپنے حساب کا بھی

کھاتہ تبدیل کرتا ہے، علاوہ اس کے اور بھی بعض مراسم مشرکانہ ادا کرتا ہے۔ مثلاً

۴:......اپنے کھاتہ کی ابتداء میں بجائے بسم اللہ الخ کے لفظ اوم لکھتا ہے۔

۵:......سر آغا خان کے اندر خدائی حلول کا معتقد ہے۔

مسلمانوں کا دوسرا فریق کہتا ہے کہ وہ کلمہ گو ہے، اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، اس کو کسی طرح کافر نہیں کہہ سکتے۔

خود تاجر موصوف سے جو دریافت کیا گیا، تو اس نے بھی بیان کیا کہ میں مسلمان ہوں، کلمہ پڑھتا ہوں، مسلمانوں کی ضروریات میں چندہ دیتا ہوں، فرق صرف یہ ہے کہ میں سر آغا خان کو اپنا رہنما اور مرشد سمجھتا ہوں، جیسے عام طور پر مسلمان کسی نہ کسی پیر کے مرید ہوا کرتے ہیں، وبس۔

فریق اول اس تمام بیان کو تاجر مذکور کے ضرورت اور مصلحتِ وقت پر محمول کرتا ہے، اب حضور سے چند امور دریافت طلب ہیں۔

سوال اول: سر آغا خانیوں کے متعلق حضور کی کیا تحقیق ہے؟ ان کو شرعاً مسلمان کہیں گے، یا کافر؟

سوال دوم: اگر کافر ہیں، تو تاجر مذکور کا اپنی صفائی میں یہ پیش کرنا کہ مسلمان ہوں، کلمہ گو ہوں۔ وغیرہ وغیرہ اس بیان سے اس کو مسلمان سمجھا جائے گا، یا نہیں؟

سوال سوم: اگر نہیں تو ایک مدعی اسلام کی تکفیر کیسے ہو سکتی ہے، کافر اور مسلمان ہونے کا آخر کیا معیار ہے؟

سوال چہارم: بعض بہی خواہان قوم کا خیال ہے کہ گو تاجر مذکور شرعی نقطہ نگاہ سے اسلام سے خارج ہو، لیکن اس وقت ہم مسلمانوں کو اتحاد قومی اور ترقی کی

ضرورت ہے۔ لہٰذا ایسے جھگڑے بکھیڑوں کو نکالنا مناسب نہیں۔ یہ وقت نازک ہے، سب مدعیانِ اسلام کو مسلمان کہنا اور سمجھنا چاہئے۔ ان کو اسلام سے خارج کر کے اپنی تعداد اور مردم شماری کو گھٹانا نہیں چاہئے۔ بہی خواہان قوم اور ہمدردانِ اسلام کا یہ خیال شرعاً کس قدر وقعت رکھتا ہے؟

سوال پنجم: سر آغا خانیوں کے معتقدات کا خواہ اسلام روادار ہو، یا نہ ہو، سردست یہ امر حل طلب ہے کہ خصوصیت کے ساتھ تاجر موصوف کا بیان اور دعوائے اسلام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو کافر کہیں گے، یا مسلمان سمجھیں گے، اور ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں جگہ دی جائے، یا کیا معاملہ کرنا چاہئے؟

سوال ششم: جو نام نہاد مولوی تاجر مذکور کی میت کی نماز جنازہ پڑھتے، اور اس کو مسلمان کہتے ہیں، اور کہلواتے ہیں، اور اس میں کوشش کرتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

نوٹ: اسی اثناء میں گجراتی زبان میں ایک استفتاء دستیاب ہو گیا، جس میں ان کے عقائد وطریقہ نماز کا تذکرہ موجود ہے۔ مزید بصیرت کے لئے منسلک لفافہ ہذا ہے۔

محمد طاہر

طریقہ نماز یا اصول دعا تعلیم کردہ آغا خان

منقول از ترجمہ رسالہ تقویۃ الایمان بزبان گجراتی

نماز پڑھو، نماز پڑھو، خدا تم کو برکت دے، خدا کا نام لو، خداوند شاہ علی تم کو ایمان اور اخلاق دے، یا شاہ! میری شام کی نماز اور دعاء قبول کر، جو حق تم کو ملا

ہے، میں اس کا واسطہ دیتا ہوں، اے ہمارے آقا! آغا سلطان محمد شاہ، اس کے بعد سجدہ کرو۔ اور اگر رات کی نماز ہو، تو اس طرح کہو، میری شام اور رات کی دعائیں، دوسری مرتبہ سجدہ کرو۔ اور تسبیح پڑھو، اور حسب ذیل طریقہ پر دعاء و درود پڑھو۔

تسبیح: میں اپنے گناہوں پر پچھتاتا ہوں، دو مرتبہ۔ میں سر سے پاؤں تک تیرا تقصیر وار ہوں، اے غفور، رحیم شاہ میرا گناہ معاف کر۔ پیر تیری ہی عبادت کرتے ہیں، بندہ دعا مانگتا ہے، اے سچے شاہ! تو منظور رکھنے والا ہے، میں شاہ کے اسی فرمان کو سر اور آنکھوں پر رکھتا ہوں، جو پیر کے ذریعہ مجھ کو ملا ہے۔ یہ کہہ کر تسبیح زمین پر رکھ دو، اور نیچے بتایا ہوا ورد کرو۔

اشهد، سبحان الله، لا اله الا الله، الله اكبر، لاحول و لا قوة الا بالله العلى العظيم. الرحمن، ذى الجلال و الاكرام.

ان تمام صفتوں سے بنا ہوا قدوس، سب پر طاقت ور خدا، ایران کے ضلع جالدیا میں انسان کا جسم لے کر ستر باپ کی پیٹھ سے نکلا۔ انتھ (۶۹) خدا ہو جانے کے بعد سترھویں (اوتار کے لفظ سے) اڑتالیسواں امام، دسواں بے عیب اوتار، ہمارا خداوند آغا سلطان محمد شاہ داتا۔

اس کے بعد سجدہ کرو، حق شاہ اچھا، دنیا اور زمین کا شاہ، خلیفہ اور گدی کے جانشینوں کا نام کا وظیفہ کرو۔ دنیا اور زمین کے اچھوں کا نام یہ ہے، شاہ کے خلیفہ ابوطالب ولی کا نام حسب ذیل:

۱: ۱: ہمارا سچا خداوند شاہ علی۔
۲: ۲: ہمارا سچا خداوند شاہ حسین۔
۳: ہمارا سچا خداوند شاہ زین العابدین۔
۶: ہمارا سچا خداوند شاہ اسماعیل۔
۷: ہمارا سچا خداوند شاہ محمد ابی اسماعیل۔
۸: ہمارا سچا خداوند شاہ رفیع احمد ہکذا الی نمبر ۴۹

۴: ہمارا سچا خداوند شاہ محمد باقر۔ ۴۷: ہمارا سچا خداوند شاہ آغا علی شاہ۔
۵: ہمارا سچا خداوند شاہ محمد جعفر۔ ۴۸: ہمارا سچا خداوند شاہ آغا محمد شاہ داتا۔

اور اس وقت کی امامت کا مالک خداوند زمان، امام شیخ المشائخ امامت کی طاقت رکھنے والا مانو، آغا سلطان محمد شاہ داتا بے شمار کروڑوں آدمیوں کا دستگیر اس وقت کی امامت کا مالک، اے شاہ! جو حق تم کو ملا ہے، بہ طفیل اس کے اپنے حضور میں میری دعا منظور کر، اے ہمارے خداوند! آغا سلطان محمد شاہ۔

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اول چند مقدمات ممہد کرتا ہوں۔

الف:......قال اللہ تعالیٰ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح بن مریم.

ب:......قال اللہ تعالیٰ ما جعل اللہ من بحیرۃ و لا سائبۃ و لا وصیلۃ و لا حام و لکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب.

ج......قال اللہ تعالیٰ و لا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار.

د:......قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی صلا تنا و استقبل قبلتنا و اکل ذبیحتنا فذالک المسلم. رواہ البخاری

ہ:......قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایۃ المنافق ثلاث. رواہ الشیخان زاد مسلم و ان صام و صلی و زعم انہ مسلم.

و :......عن حذیفةؓ قال انما النفاق کان علی عهد رسول صلی الله علیه وسلم فاما الیوم فانما هو الکفر او الایمان .رواه البخاری

ز :......فی اللمعات فی شرح الحدیث ای الحکم بعدم التعرض لاهله و الستر علیهم کان علی عهد رسول صلّی الله علیه وسلم لمصالح کانت مقتصرة علی ذالک الزمان اما الیوم فلم تبق تلک المصالح فنحن ان علمنا انه کافر سرا قتلناه حتی یؤمن .اه

فی ردالمحتار احکام المرتد تحت قول الدر المختار لان التلفظ لها صار علامة علی الاسلام مانصه افاد بقوله صار الی ان ما کان فی زمن الامام محمد تغیر لانه فی زمنه ما کانوا یمتنعون عن النطق بها فلم تکن علامة الاسلام فلذا شرطوا معها التبری و اما فی زمان قاری الهدایة فقد صارت علامة الاسلام لانه لا یاتی بها الا المسلم.الخ

ط :......فی الدر المختار احکام غسل المیت و محل دفنهم کدفن ذمیة حبلیٰ من مسلم. الخ

ی:......فی مختصر المعانی بحث الاسناد ما نصه و قولنا فی التعریف بتأول یخرج نحو ما مر من قول الجاهل انبت الربیع البقل رائیا الانبات من الربیع الخ فیه بحث وجوب القرینة للاسناد المجازی ما نصه و صدوره عطف علی استحالة ای او کصدوره عن الموحد فی مثل اشاب الصغیر الخ.

آیات وروایات وعبارات بالا سے یہ امور مستفاد ہوئے۔

اول: حلول کا قائل ہونا کفر ہے۔ (الایۃ:۱)

ثانی: جو رسوم و عادات کفار کے ساتھ ایسی خصوصیت رکھتی ہوں کہ بمنزلہ ان کے شعار کے ہو گئے ہوں، اگر عرفاً وہ شعار مذہبی سمجھے جاتے ہوں، وہ بھی کفر ہیں۔ (الایۃ: ب) اس اصول پر فقہاء نے شدزنار کو کفر فرمایا ہے۔ ورنہ تشبہ بالکفار ہے، جو مستلزم رکون الی الکفار ہونے کے سبب معصیت و حرام ہے۔ (آیت: ج) جس طرح عادات مخصوصہ بالمسلمین دلیل اسلام ہیں۔ (آیت: د) بشرطیکہ کوئی یقینی دلیل کفر کی نہ ہو، ورنہ کفر ہی کا حکم کیا جائے گا۔

لقوله تعالیٰ ان الذین یکفرون بالله و رسله و یریدون ان یفرقوا بین الله و رسله و یقولون نؤمن ببعض و نکفر ببعض و یریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلاً. اولئک هم الکافرون حقاً.

اور اسلام کی وجہ واحد کو کفر کی وجوہ متعددہ پر ترجیح اس وقت ہے، جب وہ وجوہ متحمل ہوں، متیقن نہ ہوں۔

ثالث: موجبات کفر کے ہوتے ہوئے بعض کا دعویٰ اسلام و صلوٰۃ و صیام اور استقبال بیت الحرام ترتیب احکام اسلام کے لئے کافی نہیں، جب تک ان موجبات سے تائب نہ ہو جائے۔ (روایت: ہ)

رابع: باوجود ثبوت کفر کے اسلام ظاہر کرنے والوں کے ساتھ بنا بر مصالح اسلامیہ مسلمانوں کا سا برتاؤ کرنا گو بعض اوقات ان کے کفر کا بھی ظہور ہو جاتا تھا۔ کما نقل عنهم قولهم انؤمن کما امن السفهاء و نحوه مخصوص تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے ساتھ اب وہ حکم باقی نہیں رہا۔ (روایت و عبارات: ز) بلکہ بعض احکام کے اعتبار سے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر عہد میں معاملہ کالمسلمین میں تغیر ہو گیا تھا چنانچہ آیت لا تصل

علی احد منھم مات ابدا و لا تقم علی قبرہ میں مصرح ہے۔

و النھی عن الزیارۃ یستلزم النھی عن الدفن فی مقابر المسلمین لان الدفن یستلزم الزیارۃ عادۃ.

البتہ تعرض بالقتل والنہب کی ممانعت باقی رہ گئی تھی۔

خامس: جو کافر اصول اسلامیہ کا بھی مقر ہو، اس کے حکم بالاسلام کے لئے محض تلفظ بکلمتے الشہادۃ کافی نہیں، جب تک اپنے کفریات سے تبری کا اعلان نہ کرے۔ (عبارت: ح)

سادس: کافر کو مقابر مسلمین میں دفن کرنا جائز نہیں۔ (عبارت: ط)

سابع: جس شخص کا کفر ثابت ہو جائے، اس کے اقوال وافعال محتملہ للکفر و الاسلام میں تاویل کرنے سے اس کا کفر مانع ہوگا۔ (عبارت: ی)

اب مقدمات کے بعد سب سوالات کا جواب ظاہر ہے، مگر تبرعاً جدا جدا بھی عرض کرتا ہوں، سوال میں دو قسم کے امور مذکور ہیں، ایک قسم وہ جو یقیناً موجب کفر ہیں۔ جیسے تصویر کی پرستش کرنا یا کرشن کی تصویر عبادت خانہ میں رکھنا جو شعار کفار کا ہے، یا بجائے بسم اللہ کے لفظ اوم لکھنا یا حلول کا قائل ہونا، جو سوال کی تمہید اور ترکیب نماز کے آغاز میں مذکور ہے۔ اور دوسری قسم وہ جو صرف محتمل کفر ہیں، جیسے دیوالی سے بہی کھاتہ کا حساب شروع کرنا، یا مقتداؤں کو لفظ خداوند سے خطاب کرنا، یا ان سے دعاء مانگنا۔ پس قسم اول پر تو حکم بالکفر ظاہر ہے۔ (للامر الاول والثانی)

اور قسم ثانی کا صدور اگر مسلمان سے ہوتا، تو اس میں تاویل کر کے مباح یا معصیت پر محمول کیا جاتا۔ مگر جب اس کا صدور کافر سے ہے، تو تاویل کی ضرورت نہیں۔ (للامر السابع) اور ان کفریات کے ہوتے ہوئے نہ ایسے شخص کا دعویٰ

اسلام کافی ہے، اور نہ اس کا نمازی اور روزہ دار ہونا کافی ہے۔ اور نہ اس پر نماز جنازہ جائز ہے، نہ مقابر مسلمین میں دفن کرنا جائز ہے۔ (للامر الثالث والسادس) اور نہ مصلحت کے سبب کافر کو مسلمان کہنا، یا اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کرنا جائز ہے۔ (للامر الرابع و الخامس) البتہ بلاضرورت کسی سے لڑائی جھگڑا بھی نہ چاہئے، اور ایسے مصالح کی بناء پر ایسی رعایت کرنا، ان مصالح سے زیادہ مفاسد کا موجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ مصالح تو محض دنیوی ہیں، اور مفاسد دینیہ۔ ان مفاسد کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ان کفریات کے ہوتے ہوئے کسی کو مسلمان کہا جاوے گا، تو ناواقف مسلمانوں کی نظر میں ان کفریات کا قبح کم ہو جاوے گا۔ اور وہ آسانی سے ایسے گمراہوں کے شکار ہو سکیں گے۔ تو کافروں کو اسلام میں داخل کہنے کا انجام یہ ہوگا کہ بہت سے مسلمان اسلام سے خارج ہو جائیں گے۔ کیا کوئی مصلحت اس مفسدہ کی مقاومت کر سکے گی؟ ایسے مصالح و مضار کے اجتماع کا یہ فیصلہ فرمایا گیا۔

قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس و اثمھما اکبر من نفعھما و قال تعالیٰ یدعو لمن ضرہ اقرب من نفعہ. فقط واللہ اعلم

اشرف علی

۱۷/ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ

مسیح موعود کی پہچان

قرآن و حدیث کی روشنی میں

تاریخ تالیف ______ صفر ۱۳۴۵ھ (مطابق ۱۹۲۶ء)
مقامِ تالیف ______ دارالعلوم کراچی

اس رسالہ میں مسیح موعود سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تمام نشانیاں اور علامات قرآن وحدیث کے حوالہ سے جمع کردی گئی ہیں تاکہ وہ لوگ جو مرزا غلام احمد قادیانی کو نعوذ باللہ مسیح موعود مانتے ہیں ان پر ایک نظر ہی میں واضح ہوجائے کہ قرآن وحدیث میں بیان کردہ علامات میں سے کوئی بھی علامت مرزا پر صادق نہیں آتی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے آخری دور میں بہ تقاضائی حکمت الہیہ دجال اکبر کا خروج مقدر و مقرر تھا جس کے شر سے تمام انبیائے سابقین (۱) اپنی اپنی امتوں کو ڈراتے آئے تھے اور حسب تصریحات احادیث متواترہ اس کا فتنہ تمام اگلے پچھلے فتنوں سے اشد ہوگا۔ اس کے ساتھ ساحرانہ قوتیں اور خوارق عادات بے شمار ہوں گے۔

اسی کے ساتھ زمرہ انبیاء میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص شان اور خاتم الامم کے ساتھ خاص عنایات حق کے اظہار کے لئے باقتضائی حکمت الہیہ یہ بھی مقدر و مقرر تھا کہ فتنہ دجال سے امت کا بچانے اور دجال کو شکست دینے کے لئے حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں نزول فرمائیں گے۔ جو اپنی مخصوص شان مسیحی سے مسیح دجال کا خاتمہ کریں گے۔

خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات امت مرحومہ کے آگے آنے والے تمام فتن اور واقعات میں سب سے اہم تھے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر اپنی امت پر سب سے زیادہ رحیم و شفیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان واقعات کی تبیین و تعیین میں اور مسیح دجال مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی علامات و نشانات بتلانے میں انتہائی تفصیل و توضیح سے کام لیا سو سے زیادہ احادیث ہیں جو مختلف

(۱) اُخرجہ ابوداؤد عن انسؓ۔ کذا فی جمع الفوائد مترجم ص ۶۷، ج ۴۔ ۱۲ منہ

اوقات میں صحابہؓ کے مختلف مجامع میں مختلف عنوانات کے ساتھ بیان کی گئی ہیں ۔عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے حالات و علامات اور بوقت نزول ان کی مکمل کیفیات کا اظہار فرمایا۔

یہ احادیث درجہ تواتر کو پہونچی ہوئی ہیں۔ اکابر محدثین ان کو متواتر قرار دیا ہے اور خبر متواتر سے جو چیز ثابت ہو اس کا قطعی اور یقینی ہونا تمام اہل عقل اور اہل دین کے نزدیک باتفاق مسلم ہے۔

ان تمام احادیث معتبرہ کو احقر نے اپنے عربی رسالہ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح میں جمع کر دیا ہے اور اس میں ہر حدیث پر نمبر ڈالدیئے ہیں اس رسالہ میں صرف حدیث کا نمبر اور کتاب کا حوالہ دینے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اور انشاء اللہ کسی وقت ان احادیث کو مع ترجمہ وتشریح (۱) بھی شائع کر دیا جائے گا۔ علاوہ ازیں خود قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جتنی علامات اور نشانیاں بتلائی ہیں اتنی کسی رسول اور نبی کے متعلق نہیں بتلائیں یہاں تک کہ خود سرور کائنات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن پر قرآن اترا ہے ان کی بھی مادی اور جسمانی علامات ونشانات قرآن کے اس نے تفصیل سے نہیں بتلائے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے درمیان صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قرآن کا یہ معاملہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں اس پر مزید درمزید اضافہ بلاشبہ اس لئے تھا کہ آخر زمانہ میں ان کا اس امت میں تشریف لانا مقدر تھا۔ اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ ان کی علامات ونشانات امت کو ایسی وضاحت سے بتلا دیئے جائیں کہ پھر کسی کو کسی اشتباہ والتباس کی ادنیٰ گنجائش نہ رہے۔ اس رسالہ میں جمع

(۱) اب یہ ترجمہ وتشریح کا کام برخوردار عزیز مولوی محمد رفیع عثمانی سلمہ مدرس دارالعلوم کراچی نے کر دیا ہے جو علامات قیامت اور نزول مسیح کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ محمد شفیع ۳۰ رصفر ۱۳۹۴ھ

کی ہوئی تمام علامات ونشانات کو دیکھنے کے بعد ہر شخص یہ کہہ اٹھے گا کہ کسی انسان کی تعیین کے لئے اس سے زیادہ نشانات وعلامات نہیں بتلائے جاسکتے ....

اور تمام انبیاء علیہم السلام میں سے اس کام کے لئے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انتخاب میں شاید یہ حکمت بھی ہو کہ ان کی پیدائش اور خلقت وتربیت تمام بنی نوع انسان سے جدا ایک خاص معجزانہ طریق پر ہوئی ہے۔ ان کے حالات کسی دوسرے انسان کے ساتھ ملتبس اور مشتبہ ہو ہی نہیں سکتے۔

الغرض قرآن (۱) وحدیث نے آخر زمانہ میں آنے والے مسیح علیہ السلام کی تعیین اور اس میں پیدا ہونے والے ہر التباس واشتباہ کو رفع کرنے کے لئے اس قدر اہتمام فرمایا کہ اس سے زیادہ اہتمام عادۃً ناممکن ہے تاکہ کوئی جھوٹا مدعی اپنے آپ کو مسیح موعود کہہ کر امت کو گمراہ نہ کرسکے۔

لیکن شاباش ہے قادیانی مرزا غلام احمد کو کہ انہوں نے قرآن وحدیث کے اس تمام اہتمام کے مقابلہ میں اکھاڑا جما دیا اور ان میں بیان کی ہوئی تمام چیزوں پر پانی پھیر کر خود مسیح موعود بن بیٹھے اور اس سے زیادہ حیرت ان لوگ پر ہے جنھوں نے قرآن وحدیث اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے کے دعویدار ہوتے ہوئے ان کو مسیح موعود مان لیا۔ لیکن اس امت میں سے کسی شخص کو مسیح موعود بننا بغیر اس کے ممکن نہیں تھا کہ قرآن وحدیث کی قائم کی ہوئی تمام مضبوط ومستحکم بنیادوں کو اکھاڑ کر ایک نیا دین نئی ملت بنائی جائے۔ اس لئے مرزا صاحب نے :۔

۱......امت کے اجماعی عقیدہ اور قرآن وحدیث کی تصریحات کے خلاف یہ

---

(۱) قرآن مجید سے نزول عیسیٰ علیہ السلام کا مکمل ثبوت حضرت الاستاذ العلامۃ مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ کی کتاب عقیدۃ الاسلام فی نزل عیسیٰ علیہ السلام میں اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور کی کتاب کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور اس مسئلہ سے متعلق احادیث احقر کے عربی رسالہ التصریح لما تواتر فی نزول مسیح میں مذکور ہیں ۱۲ منہ

دعویٰ کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوچکی۔ ان کی قبر کشمیر میں ہے۔

۲...... پھر یہ دعویٰ کیا کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں نہیں آئیں گے بلکہ ان کا کوئی شبیہ ومثیل آئے گا۔

۳...... پھر وہ شبیہ ومثیل خود بننے کی کوشش جاری فرمائی۔

۴...... اور چونکہ حسب تصریح قرآن وحدیث واجماع اُمّت ہر قسم کی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوچکی ہے اب کوئی نبی پیدا نہیں ہوسکتا عیسیٰ علیہ السلام تو پہلے نبی ہیں ان کا آنا ختم نبوت کے منافی نہیں تھا۔ اگر کوئی ان کا مثیل وشبیہ آئے تو مسئلہ ختم نبوت اس کی راہ میں حائل ہوتا ہے اس لئے اس اجماعی مسئلہ کی تحریف کرنا پڑی اور نبوت کی خودساختہ قسمیں بنا کر بعض اقسام کا سلسلہ جاری قرار دیا۔

۵...... آخر کار خود نبی ورسول بن گئے۔

۶...... دعوائے نبوت کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ جو ان کو نہ مانے وہ کافر قرار دیا جائے اس کے نتیجے میں اپنی ایک مٹھی جماعت کے سوا امت کے ستر کروڑ مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا۔

۷...... اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کسی مدعی نبوت کے ماننے والے اور نہ ماننے والے ایک ملت نہیں ہوسکتے کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ کسی نبی کے ماننے والے بھی مسلمان کہلائیں اور اس کو جھوٹا سمجھنے والے بھی مسلمان رہیں۔ اس طرح ملتِ اسلامیہ کے ٹکڑے کرکے ایک علیحدہ ملت کی تعمیر کی گئی۔ یہ سارے کفریات اس کے نتیجے میں آئے کہ قرآن وحدیث کی بے شمار تصریحات کے خلاف اپنے آپ کو مسیح موعود قرار دیا۔

اس لئے احقر نے اس مختصر رسالہ میں آخر زمانہ میں آنے والے مسیح عیسیٰ علیہ السلام کی تمام نشانیاں اور علامات بحوالہ قرآن وحدیث جمع کردی ہیں تاکہ ہر دیکھنے والا ایک نظر میں دیکھ لے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جو

علامات بیان کی ہیں قادیانی مرزا صاحب میں ان میں سے کوئی موجود ہے یا نہیں۔

ہم نے سہولت کے لئے ان حالات و علامات کو ایک جدول کی صورت میں پیش کیا ہے جس کے ایک خانے میں آنے والے مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی علامات ذکر کی گئی ہیں۔ دوسرے خانے میں ان کا حوالہ قرآن یا حدیث سے دیا گیا ہے۔ احادیث کی عبارت طویل تھی اس لئے تمام احادیث کو مع ترجمہ کے آخر رسالہ میں بطور ضمیمہ لکھا گیا ہے ان پر نمبر ڈال دیئے ہیں۔ اس جدول میں صرف حدیث کا نمبر لکھا جائے گا جس کو اصل حدیث دیکھنا ہو اس نمبر کے حوالہ سے آخر رسالہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ تیسرے خانے میں مرزا صاحب کے حالات و علامات کا مقابلہ دکھلانا تھا۔

مگر ہمیں تو ان علامات میں سے کوئی بھی مرزا صاحب میں نظر نہیں آئی بلکہ صراحۃً اس کے مخالف علامات وحالات معلوم ہوئے۔ مخالف حالات اور وہ بھی ذاتی اور گھریلو معاملات سے متعلق اگر بیان کیے جائیں تو دیکھنے والے شاید اس کو تہذیب کے خلاف سمجھیں۔

اس لئے ہم نے یہ خانہ سب جگہ خالی چھوڑ دیا ہے کہ مرزا صاحب کو مسیح موعود ماننے والے خدا کو حاضر و ناظر جان کر ایمان داری سے اس خانہ کو خود پُر کریں۔

شاید اللہ تعالیٰ اسی کو ان کے لئے ذریعہ ہدایت بنا دیں۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

مدرس دار العلوم دیوبند

شعبان ۱۳۴۵ھ

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مريمَ قَولَ الحَقِّ الذِى فيه يمترُوْن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسیح موعود کا نام، کنیت اور لقب

نمبر	بیان	حوالہ	
۱	آپ کا نام عیسیٰ ہے۔ علیہ السلام	ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ	
۲	آپ کی کنیت عیسیٰ ابن مریم ہے۔	ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مريمَ قَولَ الْحَقِّ	
۳	آپ کا لقب مسیح ہے۔	اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ	
۴	// // کلمۃ اللہ ہے۔	الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ	
۵	// // روح اللہ ہے۔	// //	

مسیح موعود کے خاندان کی پوری تفصیل

نمبر	بیان	حوالہ	
۶	آپ کی والدہ ماجدہ کا نام مریم ہے	ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ	
	آپ بغیر باپ کے بقدرت خداوندی		
۷	صرف ماں سے پیدا ہوئے	اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلَامٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِيًّا۔	
	آپ کے نانا عمران علیہ السلام ہیں	مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِى	
۸	آپ کی نانی امرأۃ عمران (حنہ)	اِذْ قَالَتِ امْرَاَةُ عِمْرَانَ	
۹	ہیں۔		
	آپ کے ماموں ہارون ہیں (۱)	يٰاُخْتَ هٰرُوْنَ	
۱۰			

(۱) ہارون سے اس جگہ ہارون نبی علیہ السلام مراد نہیں۔ کیونکہ وہ تو مریمؑ سے بہت پہلے گزر چکے تھے، بلکہ ان کے نام پر حضرت مریمؑ کے بھائی کا نام ہارون رکھا گیا تھا (بکذا رواہ مسلم ولنسائی والترمذی مرفوعاً)

۱۱ آپ کی نانی کی یہ نذر کہ اس حمل سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ بیت المقدس کے لئے وقف کروں گی۔	اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّراً
۱۲ پھر حمل سے لڑکی کا پیدا ہونا۔	فَلَمَّا وَضَعَتْهَا الآیة
۱۳ پھر ان کا عذر کرنا کہ یہ عورت ہونے کی وجہ سے وقف کے قابل نہیں	اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی
۱۴ اس لڑکی کا نام مریم رکھنا۔	اِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ

والدۂ مسیح علیہ السلام موعود حضرت مریمؑ کے بعض حالات

۱۵ مَسِ شیطان سے محفوظ رہنا۔	اِنِّیْ اُعِیْذُهَا بِكَ
۱۶ ان کا نشوونما غیر عادی طور پر ایک دن میں سال بھر کے برابر ہونا۔	وَاَنْبَتَهَا نَبَاتاً حَسَناً
۱۷ مجاورین بیت المقدس کا مریمؑ کی تربیت میں جھگڑنا اور حضرت زکریّا کا کفیل ہونا	اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ
۱۸ اُن کو محراب میں ٹھہرانا اور ان کے پاس غیبی رزق آنا۔	كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا
۱۹ زکریّا کا سوال اور مریم کا جواب کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔	قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ
۲۰ فرشتوں کا ان سے کلام کرنا۔	اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ
۲۱ ان کا اللہ کے نزدیک مقبول ہونا۔	اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ
۲۲ ان کا حیض سے پاک ہونا۔	وَطَهَّرَكِ
۲۳ تمام دنیا کی موجودہ عورتوں سے افضل ہونا	وَاصْطَفٰكِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ

حضرت مسیح علیہ السلام کے ابتدائی حالات۔ استقرارِ حمل وغیرہ

۲۴ مریم کا ایک گوشہ میں جانا۔	اِذِ انْتَبَذَتْ	
۲۵ اس گوشہ کا شرقی جانب میں ہونا۔	مَكَانًا شَرْقِيًّا	
اُن کا پردہ ڈالنا۔	فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا	
۲۶ اُن کے پاس بشکل انسان فرشتہ کا ۲۷ آنا	فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا	
مریم کا پناہ مانگنا۔	اِنِّیْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ	
۲۸ فرشتہ کا من جانب اللہ ولادت ۲۹ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خبر دینا۔	لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا	
مریم کا اس خبر پر تعجب کرنا کہ بغیر ۳۰ صحبتِ مرد کے کیسے بچہ ہوگا؟	اَنّٰى يَكُوْنُ لِیْ غُلَامٌ وَّ لَمْ يَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ	
فرشتہ کا منجانب اللہ یہ پیغام دینا کہ ۳۱ اللہ تعالیٰ پر یہ سب آسان ہے۔	قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَیَّ هَيِّنٌ	
بحکم خداوندی بغیر صحبت مرد کے ۳۲ ان کا حاملہ ہونا۔	فَحَمَلَتْهُ	
دردِزہ کے وقت ایک کھجور کے ۳۳ درخت کے نیچے جانا	فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ	

آپ کی ولادت کس جگہ اور کس طرح پر ہوئی؟

۳۴ مسکونہ مکان سے دور ایک باغ کے گوشہ میں ولادت ہوئی۔	فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا۔	

۳۵	حضرت مریمؑ ایک کھجور کے درخت کے تنہ پر ٹیک لگائے ہوئی تھیں۔	اِلیٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ
۳۶	ولادت کے بعد مریم کا بوجہ حیاء کے پریشان ہونا اور لوگوں کی تہمت سے ڈرنا۔	قَالَتْ يٰلَيْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْياً مَّنْسِيًّا فَنَادٰهَا مِنْ تَحْتِهَآ۔
۳۷	درخت کے نیچے سے فرشتہ کا آواز دینا کہ گھبراؤ نہیں اللہ نے تمہیں ایک سردار دیا ہے۔	اَلَّا تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا
۳۸	ولادت کے بعد حضرت مریم کی غذا تازہ کھجوریں۔	تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا
۳۹	حضرت مریم کا آپ کو گود میں اٹھا کر گھر لانا۔	فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ
۴۰	اُن کی قوم کا تہمت رکھنا اور بدنام کرنا۔	يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئاً فَرِيًّا
۴۱	حضرت مریم سے رفع تہمت کے لئے من جانب اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام فرمانا۔ اور فرمانا کہ میں نبی ہوں۔	قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِيًّا۔

حضرت مسیح موعودؑ کے خصائص

۴۲	مسیح موعود کا مُردوں کو بحکم خدا زندہ کرنا۔	و اُحيِي الْمَوْتیٰ
۴۳	برص کے بیمار کو شفاء دینا	اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ

نمبر	علامت	حوالہ	
۴۴	مادرزاد اندھے کو بحکم الٰہی شفاء دینا۔	اُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ	
۴۵	مٹی کی چڑیوں میں بحکم الٰہی جان ڈالنا	فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا م بِاِذْنِ اللّٰهِ۔	
۴۶	آدمیوں کے کھائے ہوئے کھانے کو بتادینا کہ کیا کھایا تھا۔؟	وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ	
۴۷	جو چیزیں لوگوں کے گھروں میں چھپی ہوئی رکھی ہیں ان کو بن دیکھے بتادینا	" " "	
۴۸	کفار بنی اسرائیل کا حضرت عیسیٰؑ کے قتل کا ارادہ کرنا اور حفاظتِ الٰہی۔	وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ	
۴۹	کفار کے نرغہ کے وقت آپ کو آسمان پر زندہ اُٹھانا۔	اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ۔	

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حلیہ

نمبر	علامت	حوالہ	
۵۰	آپ کا وجیہ ہونا۔	وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ	
۵۱	آپ کا قدوقامت درمیانہ ہے۔	حدیث نمبر ۱۰ بروایت ابوداود ابن ابی شیبہ واحمد وابن حبان وصححہ ابن حجر فی الفتح	
۵۲			
۵۳	رنگ سفید سرخی مائل ہے۔	" " "	
۵۴	بالوں کی لمبائی دونوں شانوں تک ہوگی۔	" " "	
	بالوں کا رنگ بہت سیاہ چمک دار ہوگا۔ جیسے نہانے کے بعد بال ہوتے ہیں۔	" " "	

۵۵ بال گھنگریالے ہوں گے۔	" " (بعض روایات میں ہے کہ سیدھے بال ہونگے جیسا کہ حدیث نمبر ۱۸ میں ہے ممکن ہے کہ اختلاف دو وقتوں کے لحاظ سے ہو)
۵٦ صحابہ میں آپ کے مشابہ عروہ بن مسعود ہیں۔	حدیث مذکور
۵۷ آپ کی خوراک لوبیا اور جو چیزیں آگ پر نہ پکیں۔	حدیث نمبر ۷۲ رواہ الدیلمی

آخر زمانہ میں آپ کا دوبارہ نزول

۵۸ قرب قیامت میں پھر آسمان سے اترنا۔	حدیث نمبر الغایت نمبر ۷۵
۵۹ نزول کے وقت آپ کا لباس دو زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے۔	حدیث نمبر ۱۰ ابوداؤد وغیرہ
٦۰ آپ کے سر پر ایک لمبی ٹوپی ہوگی۔	حدیث نمبر ٦٨ ابن عساکر
٦۱ آپ ایک زرہ پہنیں گے۔	حدیث نمبر ۸۴ در منثور

بوقتِ نزول آپ کے بعض حالات

٦۲ دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے کندھوں پر رکھے ہوئے اتریں گے۔	حدیث نمبر ۵ مسلم، ابوداؤد، ترمذی، احمد۔
٦۳ آپ کے ہاتھ میں ایک حربہ ہوگا جس سے دجال کو قتل کریں گے۔	حدیث نمبر ۸۴ ابن عساکر۔

۶۴	اُس وقت جس کسی کافر پر آپ کے سانس کی ہوا پہنچ جائے گی وہ مرجائے گا۔	حدیث نمبر ۵ صحیح مسلم۔
۶۵	سانس کی ہوا اتنی دور تک پہونچے گی جہاں تک آپ کی نظر جائے گی۔	" " "

مقام نزول اور وقتِ نزول کی مکمل تعیین وتوضیح

۶۶	آپ کا نزول دمشق میں ہوگا۔	حدیث نمبر ۵ مسلم
۶۷	دمشق کی جامع مسجد میں نزول ہوگا۔	" "
۶۸	جامع مسجد دمشق کے بھی شرقی گوشہ میں نزول ہوگا۔	" "
۶۹	نماز صبح کے وقت آپ نازل ہوں گے۔	" "

بوقتِ نزول حاضرین کا مجمع اور ان کی کیفیت

۷۰	مسلمانوں کی ایک جماعت مع امام مہدیؓ کے مسجد میں موجود ہوگی۔ جو دجال سے لڑنے کے لئے جمع ہوئے ہونگے۔	حدیث نمبر ۷ مسلم۔
۷۱	ان کی تعداد آٹھ سو (۸۰۰) مرد اور چار سو (۴۰۰) عورتیں ہوں گی	حدیث نمبر ۲۹ دیلمی۔

۷۲	بوقت نزولِ عیسیٰ علیہ السلام یہ لوگ نماز کے لئے صفیں درست کرتے ہوئے ہوں گے۔	
۷۳	اس جماعت کے امام اس وقت حضرت مہدی ہوں گے۔	حدیث نمبر ۱۳ و نمبر ۴۱ تا نمبر ۴۳
۷۴	حضرت مہدی عیسیٰ علیہ السلام کو امامت کے لئے بلائیں گے اور وہ انکار کریں گے۔	حدیث نمبر ۳ مسلم و احمد
۷۵	جب حضرت مہدیؓ پیچھے ہٹنے لگیں گے تو عیسیٰ علیہ السلام ان کی پشت پر ہاتھ رکھ کر انہیں کو امام بنائیں گے۔	حدیث نمبر ۳۱، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان، ابن خزیمہ۔
۷۶	پھر حضرت مہدیؓ نماز پڑھائیں گے۔	حدیث نمبر ۴۱ ابونعیم

بعد نزول آپ کتنے دنوں تک دنیا میں رہیں گے؟

۷۷	آپ چالیس سال دنیا میں قیام فرمائیں گے۔	حدیث نمبر ۱۰، ابوداؤد ابن شیبہ، احمد، ابن حبان، ابن جریر۔

بعد نزول آپ کا نکاح اور اولاد

۷۸	حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم میں نکاح ہوگا۔	حدیث نمبر ۷۳، فتح الباری و نمبر ۵۸ حدیث نمبر ۱۰۱، کتاب الخلط للمقریزی۔
۷۹	بعدِ نزول آپ کے اولاد ہوگی۔	حدیث نمبر ۷۳، مذکور

نزول کے بعد مسیح موعودؑ کے کارنامے

۸۰ آپ صلیب توڑیں گے یعنی صلیب پرستی کو اُٹھا دیں گے۔	حدیث نمبر ا، بخاری، ومسلم۔
۸۱ خنزیر کو قتل کریں گے یعنی نصرانیت کو مٹائیں گے۔	حدیث نمبر ا بخاری ومسلم
۸۲ آپ نماز سے فارغ ہو کر دروازۂ مسجد کھلوائیں گے اور اس کے پیچھے دجال ہوگا۔	حدیث نمبر ۱۳
۸۳ دجّال اور اس کے ساتھیوں سے جہاد کریں گے۔	" " "
۸۴ دجّال کو قتل فرمائیں گے۔	حدیث نمبر ۱۳
۸۵ دجّال کا قتل اَرضِ فلسطین میں بابِ لُد کے پاس واقع ہوگا۔	" "
۸۶ اس کے بعد تمام دنیا مسلمان ہو جائے گی۔	" "
۸۷ جو یہودی باقی ہوں گے چن چن کر قتل کر دیے جائیں گے۔	" "
۸۸ کسی یہودی کو کوئی چیز پناہ نہ دے سکے گی۔	" "
۸۹ یہاں تک کہ درخت اور پتھر بول اٹھیں گے کہ ہمارے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے۔	" "

۹۰	اس وقت اسلام کے سوا تمام مذاہب مٹ جائیں گے۔	حدیث نمبر ۱۰ ابوداؤد، احمد، ابن ابی شیبہ، ابن حبان، ابن جریر۔
۹۱	اور جہاد موقوف ہو جائے گا۔ کیونکہ کوئی کافر ہی باقی نہ رہے گا۔	حدیث نمبر ۱ بخاری و مسلم
۹۲	اور اس لیے جزیہ کا حکم بھی باقی نہ رہے گا۔	حدیث نمبر ۴ مسند احمد
۹۳	مال و زر لوگوں میں اتنا عام کر دیں گے کہ کوئی قبول نہ کرے گا۔	حدیث نمبر ا مذکور
۹۴	حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کی امامت کریں گے۔	حدیث نمبر ۴ مسلم، مسند احمد
۹۵	حضرت مسیح مقام فج الروحاء میں تشریف لے جائیں گے۔	" "
۹۶	حج یا عمرہ یا دونوں کریں گے۔	" "
۹۷	رسول اللہؐ کے روضۂ اقدس پر تشریف لے جائیں گے۔	"در منثور
۹۸	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سلام کا جواب دیں گے جس کو سب حاضرین سنیں گے۔	" "

مسیح موعود علیہ السلام لوگوں کو کس مذہب پر چلائیں گے

۹۹	آپ قرآن و حدیث پر خود بھی عمل کریں گے اور لوگوں کو بھی اس پر چلائیں گے	حدیث نمبر ۱۵۵ اشاعہ

مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ظاہری و باطنی برکات

۱۰۰ ہر قسم کی دینی و دنیوی برکات نازل ہونگے۔	حدیث نمبر ۵ مسلم، ابوداؤد، ترمذی مسند احمد۔	
۱۰۱ سب کے دلوں سے بغض وحسد اور کینہ نکل جائے گا۔	حدیث نمبر ۱ مسلم وغیرہ۔	
۱۰۲ ایک انار اتنا بڑا ہوگا کہ ایک جماعت کے لئے کافی ہوگا	حدیث نمبر ۵ مذکور۔	
۱۰۳ ایک دودھ دینے والی اونٹنی لوگوں کی ایک جماعت کے لئے کافی ہوگی۔	" "	
۱۰۴ ایک دودھ والی بکری ایک قبیلہ کے لیے کافی ہوجائے گی۔	" "	
۱۰۵ ہر ڈنگ والے زہریلے جانور کا ڈنگ وغیرہ نکال لیا جائے گا۔	حدیث نمبر ۱۳، ابوداؤد، ابن ماجہ۔	
۱۰۶ یہاں تک کہ ایک لڑکی اگر سانپ کے منہ میں ہاتھ دے گی تو وہ اس کو نقصان نہ پہنچائے گا۔	" "	
۱۰۷ ایک لڑکی شیر کو بھگادے گی اور وہ اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچا سکے گا۔	" "	
۱۰۸ بھیڑیا، بکریوں کے ساتھ ایسا رہے گا جیسے کتا ریوڑ کی حفاظت کے لئے رہتا ہے۔	" "	

۱۰۹ ساری زمین مسلمانوں سے اس طرح بھر جائے گی جیسے برتن پانی سے بھر جاتا ہے۔	حدیث نمبر ۱۳، ابوداؤد، ابن ماجہ۔
۱۱۰ صدقات کا وصول کرنا چھوڑ دیا جائے گا۔	" "

یہ برکات کتنی مدت تک رہیں گی ؟

۱۱۱ یہ برکات سات سال تک رہیں گی۔	حدیث نمبر ۶، مسلم واحمد، حاکم

لوگوں کے حالات متفرقہ جو مسیح موعودؑ کے وقت میں ہوں گے

۱۱۲ رومی لشکر مقام اعماق یا وابق میں اترے گا۔	حدیث نمبر ۷، مسلم
۱۱۳ ان کے جہاد کے لئے مدینہ منورہ سے ایک لشکر چلے گا۔	" "
۱۱۴ یہ لشکر اپنے زمانہ کے بہترین لوگوں کا مجمع ہوگا۔	" "
۱۱۵ اُن کے جہاد میں لوگوں کے تین ٹکڑے ہو جائیں گے۔	" "
۱۱۶ ایک تہائی حصہ شکست کھائے گا۔ ایک تہائی شہید ہو جائے گا۔	" "
۱۱۷ ایک تہائی فتح پا جائیں گے۔	" "
۱۱۸ قسطنطنیہ فتح کریں گے۔	" "
۱۱۹	" "

پہلے خروج دجال کی غلط خبر مشہور ہونا

۱۲۰ جس وقت وہ غنیمت تقسیم کرنے میں مشغول ہونگے تو خروج دجال کی غلط خبر مشہور ہوجائے گی۔	حدیث نمبر ۷، مسلم	
۱۲۱ لیکن جب یہ لوگ ملک شام میں واپس آئیں گے تو دجال نکل آئے گا۔	حدیث نمبر ۷ مسلم	

اس زمانہ میں عرب کا حال

۱۲۲ عرب اس زمانہ میں بہت کم ہونگے اور سب کے سب بیت المقدس میں ہونگے۔	حدیث نمبر ۱۳، ابوداؤد، ابن ماجہ	

لوگوں کے بقیہ حالات

۱۲۳ مسلمان دجال سے بچ کر افیق پہاڑ پر جمع ہوجائیں گے (یہ پہاڑ ملک شام میں ہے)۔	حدیث نمبر ۱۶، احمد، حاکم، طبرانی۔	
۱۲۴ اس وقت مسلمان سخت فقر وفاقہ میں مبتلا ہوں گے۔ یہاں تک کہ بعض لوگ اپنی کمان کا چلّہ جلا کر کھا جائیں گے۔	" "	
۱۲۵ اس وقت اچانک ایک منادی آواز دے گا کہ تمہارا فریادرس آگیا۔	" "	
۱۲۶ لوگ تعجب سے کہیں گے کہ یہ تو کسی پیٹ بھرے ہوئے کی آواز ہے۔	حدیث نمبر ۱۶، احمد، حاکم، طبرانی۔	

غزوۂ ہندوستان کا ذکر

۱۲۷	مسلمان کا ایک لشکر ہندوستان پر جہاد کرے گا اور اس کے بادشاہوں کو قید کرلے گا۔	حدیث نمبر ۴۶، ابونعیم	
۱۲۸	یہ لشکر اللہ کے نزدیک مقبول اور مغفور ہوگا۔	" "	
۱۲۹	جس وقت یہ لشکر واپس ہوگا تو عیسیٰ علیہ السلام کو ملک شام میں پائے گا۔	" "	
۱۳۰	بنی عباس اس وقت گاؤں میں رہیں گے۔	حدیث نمبر ۴۹، ابن نجار	
۱۳۱	اور سیاہ کپڑے پہنیں گے۔	" "	
۱۳۲	اور ان کے متبعین اہلِ خراسان ہونگے۔	" "	
۱۳۳	لوگ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کے اعتماد پر تمام دنیا سے مستغنی ہو جائیں گے۔	" "	

مسیح موعودؑ کے زمانہ کے اہم واقعات

آپ کے نزول سے پہلے دجّال کا خُروج

۱۳۴	شام وعراق کے درمیان دجال نکلے گا۔	حدیث نمبر ۵ مذکور

دجّال کی علامات

۱۳۵	اس کی پیشانی پر کافر اس صورت میں لکھا ہوگا ک، ف، ر۔	حدیث نمبر ۳۱، مسند احمد	

نمبر	علامت	حوالہ	
۱۳۶	وہ بائیں آنکھ سے کانا ہوگا۔	حدیث نمبر ۳۱، مسند احمد	
۱۳۷	داہنی آنکھ میں سخت ناخنہ ہوگا۔		
۱۳۸	تمام دنیا میں پھر جائے گا۔ کوئی جگہ باقی نہ رہے گی جس کو وہ فتح نہ کرے البتہ حرمین مکہ ومدینہ اس کے شر سے محفوظ رہیں گے۔	" "	
۱۳۹	مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے ہر راستہ پر فرشتوں کا پہرہ ہوگا۔	" "	
۱۴۰	جو دجال کو اندر نہ گھسنے دیں گے۔	" "	
۱۴۱	جب مکہ و مدینہ سے دفع کردیا جائے گا تو ظریب احمر میں سبخہ (کھاری زمین) کے ختم پر جا کر ٹھیرے گا۔	حدیث نمبر ۱۳	
۱۴۲	اس وقت میں تین زلزلے آئیں گے جو منافقین کو مدینہ سے نکال پھینکیں گے اور تمام منافق مرد وعورت دجال کے ساتھ ہو جائیں گے۔	" "	
۱۴۳	اس کے ساتھ ظاہری طور پر جنت و دوزخ ہوگی مگر حقیقت میں اس کی جنت دوزخ اور دوزخ جنت ہوگی۔	حدیث نمبر ۳۱ مسند احمد	

۱۴۴ اس کے زمانہ میں ایک دن سال بھر کے برابر اور دوسرا مہینہ کے برابر اور تیسرا ہفتہ کے برابر ہوگا۔ اور پھر باقی ایام عادت کے موافق ہوں گے۔	حدیث نمبر ۳۱ مسند احمد	
۱۴۵ وہ ایک گدھے پر سوار ہوگا جس کے دونوں ہاتھوں کا درمیانی فاصلہ چالیس ہاتھ ہوگا۔	" "	
۱۴۶ اس کے ساتھ شیاطین ہوں گے جو لوگوں سے کلام کریں گے۔	حدیث نمبر ۳۱ مسند احمد	
۱۴۷ جب وہ بادل کو کہے گا فوراً بارش ہو جائے گی۔	حدیث نمبر ۵ مسند احمد	
۱۴۸ اور جب چاہے گا تو قحط پڑ جائے گا۔	حدیث نمبر ۵ مذکور	
۱۴۹ مادرزاد اندھے اور ابرص کو تندرست کردے گا۔	حدیث نمبر ۳۸ طبرانی	
۱۵۰ زمین کے پوشیدہ خزانوں کو حکم دے گا تو فوراً باہر آ کر اس کے پیچھے ہو جائیں گے۔	" "	
۱۵۱ دجال ایک نوجوان آدمی کو بلائیگا اور تلوار سے اس کے دوٹکڑے بیچ سے کردے گا اور پھر اس کو بلائیگا تو وہ صحیح سالم ہوکر ہنستا ہوا سامنے آجائے گا۔	" "	

۱۵۲	اُس کے ساتھ ستر ہزار یہودی ہوں گے جن کے پاس جڑاؤ تلواریں اور ساج ہوں گے۔	حدیث نمبر ۱۳، ابو داؤد، وابن ماجہ وغیرہ
۱۵۳	لوگوں کے تین فرقے ہو جائیں گے ایک فرقہ دجال کا اتباع کرے گا اور ایک فرقہ اپنی کاشت کاری میں لگا رہے گا اور ایک فرقہ دریائے فرات کے کنارے پر اس کے ساتھ جہاد کرے گا۔	حدیث نمبر ۷۰، ابن ابی شیبہ، عباس بن حمید، حاکم، بیہقی، ابن ابی حاتم۔
۱۵۴	مسلمان ملک شام کی بستیوں میں جمع ہو جائیں گے اور دجال کے پاس ایک ابتدائی لشکر بھیجیں گے۔	" " "
۱۵۵	اس لشکر میں ایک شخص ایک سرخ (یا سیاہ، سفید) گھوڑے پر سوار ہوگا اور یہ سارا لشکر شہید ہو جائے گا۔ ان میں سے ایک بھی واپس نہ آئے گا۔	حدیث نمبر ۷۰، ابن ابی شیبہ، عباس بن حمید، حاکم، بیہقی، ابن ابی حاتم

دجّال کی ہلاکت اور اُس کے لشکر کی شکست

۱۵۶	دجال جب حضرت عیسیٰؑ کو دیکھے گا تو اس طرح پگھلنے لگے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے۔	حدیث نمبر ۱۳ مذکور۔
۱۵۷	اس وقت تمام یہودیوں کو شکست ہوگی۔	حدیث نمبر ۱۳ و ۱۴

یاجوج ماجوج کا نکلنا اور ان کے بعض حالات

۱۵۸	اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو نکالے گا جن کا سیلاب تمام عالم کو گھیر لے گا	حدیث نمبر ۵ مذکور
۱۵۹	اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام مسلمانوں کو طور پہاڑ پر جمع فرمادیں گے۔	" "
۱۶۰	یاجوج ماجوج کا ابتدائی حصہ جب دریائے طبریہ پر گزرے گا تو سب دریا کو پی کر صاف کردے گا۔	" "
۱۶۱	اس وقت ایک بیل لوگوں کے لئے سو دینار سے بہتر ہوگا (بوجہ قحط) کے یا دنیا سے قلتِ رغبت کیوجہ سے)	" "

مسیح موعود کا یاجوج ماجوج کے لئے بدعا فرمانا اور ان کی ہلاکت

۱۶۲	اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام یاجوج ماجوج کے لئے بددعا فرمائیں گے۔	حدیث نمبر ۵ مذکور
۱۶۳	اللہ تعالیٰ ان کے گلوں میں ایک گلٹی نکال دے گا جس سے سب کے سب دفعۃً مرے ہوئے رہ جائیں گے	" "
		حدیث نمبر ۵ مذکور

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جبل طور سے اترنا

۱۶۴	اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کو لیکر جبل طور سے زمین پر اتریں گے۔	حدیث نمبر ۵ مذکور
۱۶۵	مگر تمام زمین یاجوج ماجوج کے مردوں کی بدبوں سے بھری ہوئی ہوگی۔	" "
۱۶۶	حضرت عیسیٰ علیہ السلام دعاء فرمائیں گے کہ بدبو دور ہو جائے۔	" "
۱۶۷	اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا جس سے تمام زمین دُھل جائے گی پھر زمین اپنی اصلی حالت پر	" "
۱۶۸	پھولوں اور پھلوں سے بھر جائے گی۔	" "

مسیح موعود کی وفات اور اس سے قبل و بعد کے حالات

۱۶۹	حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو فرمائیں گے کہ میرے بعد ایک شخص کو خلیفہ بنائیں جس کا نام مُقعد ہے	حدیث نمبر ۵۵ الاشاعۃ للبرزنجی

۱۷۰ اس کے بعد آپ کی وفات ہوجائے گی۔	حدیث نمبر ۵۵ و نمبر ۱۵ مسند احمد و حافظ	
۱۷۱ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر میں چوتھی قبر آپ کی ہوگی۔	" "	
۱۷۲ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعمیل ارشاد کے لئے مُقعد کو خلیفہ بنائیں گے۔	" "	
۱۷۳ پھر مُقعد کا بھی انتقال ہوجائے گا پھر لوگوں کے سینوں سے قرآن اٹھالیا جائے گا۔	" "	
۱۷۴ یہ واقعہ مُقعد کی موت سے تین سال بعد ہوگا۔	" "	
۱۷۵ اس کے بعد قیامت کا حال ایسا ہوگا جیسے کوئی پورے نو مہینہ کی	" "	
۱۷۶ حاملہ کہ معلوم نہیں کب ولادت ہوجائے۔	حدیث نمبر ۵۵ و نمبر ۱۵، مسند احمد وحافظ	
۱۷۷ اس کے بعد قیامت کی بالکل قریبی علامات ظاہر ہوں گی۔	" "	

ذٰلِکَ عِیسَیٰ ابنُ مَریَمَ قَولَ الحَقِّ الَّذِی فِیہِ یَمتَرُونَ ۝

مسیح موعود کی مکمل سوانح حیات اور عمر بھر کی کارنامے اور اُن کے مسکن و مدفن کا پورا جغرافیہ اس تفصیل و تحقیق کے ساتھ قرآنی آیات اور حدیثی روایات میں جب ایک سمجھ دار آدمی کے سامنے آتا ہے تو خود بخود یہ سوال پیدا ہوجاتا ہے کہ لاکھوں انبیاء علیہم السلام کی عظیم الشان جماعت میں سے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہے کہ اُن کے تذکرہ کو قرآن وحدیث نے اتنی زیادہ اہمیت دی ہے کہ کسی اور نبی کے لئے اس کا عشر عشیر بھی مذکور نہیں۔ یہاں تک کہ سید الاولین والآخرین خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ طیبات اور سیرت وشمائل بھی قرآن عزیز میں اس تفصیل وتوضیح کے ساتھ نظر نہیں نہیں آتے۔ حالانکہ تمام انبیاء ورسل کی جماعت پر آپ کی سیادت وعظمت باجماعِ اُمت ثابت ہونے کے علاوہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے مقاصد میں بتصریح قرآن مجید یہ بھی ایک اہم مقصد ہے کہ دُنیا میں آپ کی تشریف آوری کا اعلان فرماتے ہوئے آپ کی سیادت کا سکہ قلوب پر بٹھلادیں۔ اِن حالاتِ پر نظر کرتے ہوئے یقین کرنا پڑتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ کی یہ اہمیت ضرور کسی بڑی مصلحت وحکمت پر مبنی ہے۔

پھر جب ذرا تأمل سے کام لیا جاتا ہے تو صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ خصوصی اہمیت بھی اُن عنایاتِ الٰہیہ کا نتیجہ ہے جو ازل سے اُمت امیہ کی قسمت میں مقدر ہوچکی تھی اور حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمۃ للعالمین کا ایک مظہر ہے جس نے اُمت کے لئے مذہبی شاہ راہ کو اتنا ہموار اور صاف کر چھوڑا ہے کہ اُس کا لیل ونہار برابر ہے۔ اس راستہ کے قدم قدم پر ایسے نشانات بتلادیئے ہیں کہ چلنے والے کو کہیں التباس پیش نہیں آسکتا۔

یعنی قیامت تک جتنے قابلِ اقتداء انسان پیدا ہونے والے تھے اُن میں اکثر کے نام لے لے کر اُن کی مفصّل کیفیات پر اُمت کو مطلع فرمادیں تاکہ اپنے اپنے وقت میں جب یہ بزرگانِ دین ظاہر ہوں تو اُمت ان کے قدم لے اور اُن کے افعال واقوال کو اپنا

اُسوہ بنائے۔

پھر ارشاد و ہدایت کے سلسلہ میں چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام نبوت کی شانِ امتیاز رکھتے ہیں۔اس لئے اُن کے ذکر کی اہمیت سب سے زیادہ ہونا لازمی تھی۔ کیونکہ نبی کی شان تمام دنیا سے برتر ہے۔اُس کی ادنیٰ توہین و تنقیص کا اشارہ بھی کفر صریح ہے۔تمام مرشدین اور مجددینِ اُمت کی شخصی معرفت میں اگر کوئی شبہ باقی بھی رہے تو بجز اسکے کہ اُن کی برکات و فیوض سے محرومی ہو اُمت کے ایمان کا خطرہ نہیں ہے۔بخلاف مسیح موعود علیہ السلام کے کہ اگر اُن کی علامات اور پہچان میں کوئی شبہ کا موقع یا التباس کی گنجائش رہی اور اُمت مرحومہ اُن کو نہ پہنچانے تو یہاں کفر و ایمان کا سوال پیدا ہو جاتا ہے اور اُن کا ایمان خطرہ میں آجاتا ہے۔ اندیشہ قوی ہوتا ہے کہ نہ پہچاننے کی وجہ سے اُمت آپ کی توہین و تنقیص میں مبتلا ہو کر ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور پھر دجالی فتنوں اور یاجوج ماجوج کی بلاؤں کا شکار ہو جائے۔

اس لئے رحمۃ اللعالمین کا فرض تھا کہ مسیح موعود کی پہچان کو اتنا روشن فرما دیں کہ کسی بصیر انسان کو اُن سے آنکھ چرانے کی مجال نہ رہے۔خدا کی ہزاراں ہزار رحمتیں اور بے شمار درود اُس حریص بالمؤمنین اور رؤف و رحیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جس نے اس مسئلہ کو اتنا صاف اور روشن فرما دیا ہے کہ اس سے زیادہ عادۃً ناممکن ہے۔

دنیا میں ایک شخص کی تعریف اور پہچان کے لئے اس کا نام او رولدیت وسکونت وغیرہ دو تین اوصاف بتلا دینا ایسا کافی ہو جاتا ہے کہ اُس میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ایک کارڈ پر جب یہ دو تین نشان لکھ دیے جاتے ہیں تو مشرق سے مغرب میں ٹھیک اپنے مکتوب الیہ کے پاس پہنچتا ہے اور کسی دوسرے کو یہ مجال نہیں ہوتی کہ اس پر اپنا حق ثابت کردے یا چٹھی رساں سے یہ کہہ کر لے لے کہ میں ہی اس کا مکتوب الیہ ہوں۔

لیکن ہمارے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف انہیں نشانات کے بتلا دینے پر اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ مسیح موعود کے نام کی جو چٹھی مسلمانوں کے ہاتھوں میں دی ہے اُس

کی پشت پر پتہ کی جگہ ان کی ساری سوانح عمری اور شمائل وخصائل، حلیہ، لباس اور علمی کارنامے بلکہ اُن کے مقام نزول اور جائے قرار اور مسکن ومدفن کا پورا جغرافیہ تحریر فرمادیا ہے اور پھر اُسی پر بس نہیں فرمائی بلکہ آپ کا شجرہ نسب اور آپ کے متعلقین اور متبعین تک کے احوال کو مفصل لکھدیا ہے۔

مگر افسوس کہ اس پر بھی بعض قزاق اس فکر میں ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تمام کوشش پر (خاکش بدہن) خاک ڈالکر اس چٹھی کو قبضالیں اور اس طرح دنیا میں مسیح موعود بن بیٹھیں۔

مرزائیوں سے چند سوال

مجھ کو یہ پوچھنا ہے مرزا سے
یہ کبھی ہوش میں بھی آتے ہیں

وہ لوگ جو ناواقفیت یا کسی مغالطہ غلط فہمی سے مرزائیت کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں، میں اُن کو خدا اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر دِلی خیر خواہی اور ہمدردی سے عرض کرتا ہوں کہ یہ دین وآخرت کا معاملہ ہے۔ ہر شخص کو اپنی قبر میں اکیلا جانا اور حساب دینا ہے۔ کوئی جتھا اور جماعت وہاں کام نہ آئے گی۔ خدا کے لئے ہوش میں آئیں اور عقلِ خداداد سے کام لیں اور سمجھیں کہ کیا مرزا غلام احمد صاحب انہیں اوصاف وعلامات اور نشانات کے آدمی تھے جو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کی پہچان کے لئے اُمت کے سامنے رکھے ہیں۔

کیا مرزا جی کا نام ''غلام احمد'' نہیں بلکہ ''عیسیٰ'' ہے ؟

کیا اُن کی والدہ کا نام ''چراغ بی'' نہیں بلکہ ''مریم'' ہے؟

کیا اُن کے والد ''غلام مرتضیٰ'' نہیں، بلکہ بے باپ کی پیدائش ہیں؟

کیا اُن کا مولد ''قادیان'' جیسا کوردہ نہیں، بلکہ ''دمشق'' ہے یا قادیان دمشق کے ضلع یا صوبہ میں واقع ہے۔؟

کیا اُن کا مدفن ''قادیان'' نہیں بلکہ ''مدینہ طیبہ'' ہے؟

کیا اُن کے نانا ''عمران'' اور ماموں ''ہارون'' اور نانی ''حنہ'' ہیں؟

کیا اُن کی والدہ کی تربیت حضرت مریم کی طرح ہوئی ہے؟

کیا اُن کا نشو ونما ایک دن میں اتنا ہوا ہے جتنا ایک سال میں بچہ کا ہوتا ہے؟ کیا اُن کے پاس غیبی رزق آتا تھا؟ کیا فرشتے اُن سے کلام کرتے تھے؟

کیا مرزا جی کی پیدائش جنگل میں کھجور کے درخت کے نیچے ہوئی؟

اور کیا اُن کی والدہ نے پیدائش کے بعد درختِ کھجور کو ہلا کر کھجوریں کھائی تھیں؟

کیا مرزا جی نے کسی مُردے کو زندہ کیا ہے؟ کیا انہوں نے کسی برص کے بیمار یا مادرزاد اندھے کو خدا سے اذن پا کر شفا دی ہے؟

کیا مٹی کی چڑیوں میں بحکمِ خداوندی جان ڈالی ہے؟

کیا وہ آسمان پر گئے ہیں اور پھر اترے ہیں؟

کیا اُن کے سانس کی ہوا سے کافر مرجاتے تھے (۱)؟

کیا اُن کے سانس کی ہوا اتنی دور پہنچتی تھی جہاں تک اُن کی نظر پہنچے؟

کیا وہ دمشق کی جامع مسجد میں گئے ہیں؟

کیا اُن کا نکاح حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم میں ہوا ہے؟ کیا انہوں نے دنیا سے صلیب پرستی اور نصرانیت کو مٹایا ہے یا اور اُن کے زمانہ میں نصرانیت کو ترقی ہوئی؟

---

(۱) اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مرزا جی میں باوجود مسیح یا مثیل مسیح کے دعویٰ کے یہ وصف نہ ہوا۔ ورنہ ساری دنیا خالی ہو جاتی۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ اور واقعی کافر ہیں ہی۔ مرزا جی کے نزدیک دنیا کے کروڑوں مسلمان بھی کافر ہیں۔ دیکھو حقیقۃ الوحی ص ۱۷۹ اور اربعین نمبر ۴ ص ۶ و سیرت الابدال ص ۱۴۱ و انجام آتھم ص ۶۲ وغیرہ۔ ۱۲ منہ

کیا اُن کے زمانہ میں اُن اوصاف کا دجال نکلا ہے جو بحوالہ احادیث ہم نے نقشہ میں درج کئے ہیں ؟

کیا انہوں نے ایسے دجال کو حربہ سے قتل کیا ہے؟ کیا انہوں نے اور اُن کی جماعت نے یہودیوں کو قتل کیا ہے؟ کیا کسی نے اُن کے زمانہ میں پتھروں اور درختوں کو بولتے دیکھا ہے؟

کیا انہوں نے مال ودولت کو اتنا عام کردیا ہے کہ اب کوئی لینے والا نہیں ملتا یا اور افلاس، فقر و فاقہ اور ذلّت اُن کے قدموں کی برکت سے دنیا میں پھیل گئے۔

آسمانی برکات پھلوں اور درختوں میں اس طرح ظاہر ہوئیں کہ ایک انار ایک جماعت کے لئے، ایک بکری کا دودھ ایک قبیلہ کے لئے کافی ہوجائے؟

کیا انہوں نے لوگوں کے قلوب میں اتحاد و اتفاق پیدا کیا یا نفاق وخلاف کی طرح ڈالی۔؟

کیا بغض وحسد لوگوں کے قلوب سے اُٹھ گیا یا اور زیادہ ہوگیا۔؟

کیا بچھو، سانپ وغیرہ کا زہر بے کار ہوگیا؟

کیا مرزا جی کو حج یا عمرہ یا دونوں کرنا نصیب ہوا ہے؟ کیا مرزا جی کبھی مسلمانوں کو لے کر کوہِ طور پر تشریف لے گئے ہیں؟

کیا اُن کے زمانہ میں یاجوج ماجوج نکلے ہیں؟ کیا اُن کے مُردوں سے تمام زمین آلودہ نجاست و بدبو ہوئی اور مرزا جی کی دُعا سے بارش نے اُس کو دھویا ہے؟

کیا مرزا جی نے کسی مُقعد نامی آدمی کو خلیفہ بنایا ہے۔؟

کیا مرزا جی کو مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب ہوئی؟

الغرض مسیح موعود کے حالات و نشانات کا مکمل نقشہ بحوالۂ قرآن وحدیث آپ کے سامنے ہے۔ آنکھیں کھول کر ایک ایک نشان اور ایک ایک علامت کو مرزا

صاحب میں تلاش کیجئے اور خدا تعالیٰ نظروں سے غائب ہے تو مخلوق ہی سے شرمایئے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ چٹھی جس پر یہ نشانات اور یہ پتہ لکھا ہوا ہے۔ آپ کس کے سپرد کرتے ہیں اور اگر کہیں کہ غلام احمد سے مراد عیسیٰ اور چراغ بی بی سے مریم اور دمشق و مدینہ سے قادیان اور نصرانیت کے مٹانے سے مراد اُس کی ترقی اور عزت سے مراد ذلت ہے تو اس خانہ ساز مرزائی لغت پر قرآن اور احادیث نبویہ کی اس تحریف بلکہ ان کا مضحکہ بنانے کو کیا واقعی تمہاری عقل قبول کرتی ہے؟ اور کیا دنیا میں کوئی انسان اس پر راضی ہوسکتا ہے؟ اور اگر تحریفات و تاویلات اور استعارات کی یہی گرم بازاری ہے تو پھر کیا دنیا کا کوئی کام یا کوئی معاملہ درست رہ سکتا ہے؟

ہم تو جب جانیں کہ مرزا صاحب یا اُن کی امت کسی عیسیٰ نامی دمشقی آدمی کا ایک کارڈ چٹھی رساں سے یہ کہہ کر وصول کرلیں کہ آسمان میں قادیان ہی کا نام دمشق ہے اور میرا ہی نام عیسیٰ ہے اور چراغ بی بی ہی کا نام مریم ہے کبھی یہ کہہ کر دیکھو کہ چٹھی رساں اور ساری دنیا تمہیں کیا کہے گی۔

ہاں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس چٹھی کو لاوارث سمجھ کر راستہ میں اُڑانا چاہتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ آج بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ وارث موجود ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی لکیر کے فقیر ہیں اور اسی کو اپنی بادشاہی سمجھتے ہیں اور اسی عہد پر جان دے دینے کو اپنی فلاح دارین جانتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے باندھ چکے ہیں ۔

اگرچہ خرمن عمرم غمِ تو داد بباد
بخاک پائے عزیزت کہ عہد نشکستم

اس لئے ہم بعون اللہ تعالیٰ ببانگِ دہل کہتے ہیں کہ مرزائی اُمت کتنا ہی زور لگائے مگر یہ والا نامہ اُسی مکتوب الیہ کو ملے گا جس کے نام آج سے تیرہ سو برس پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا اور بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کو سلام پہنچایا ہے۔

واللہ باللہ ہمیں مرزا صاحب سے کوئی عداوت نہیں۔ کون چاہتا ہے۔ کہ گھر آئے ہوئے مسیح کو اور اُن کی مسیحائی کو ٹھکرادے۔ بالخصوص ایسے وقت جب کہ قوم کو مسیح کی سخت حاجت ہے۔ مگر بات وہی ہے کہ مسیح تو ماننے کے لئے تیار ہیں مگر کوئی مسیحائی بھی تو دکھلائے۔

ہوں میں پروانہ مگر شمع تو ہو رات تو ہو جان دینے کو ہوں موجود کوئی بات تو ہو
دل بھی حاضر سر تسلیم بھی خم کو موجود کوئی مرکز ہو کوئی قبلۂ حاجات تو ہو
دل تو بے چین ہے اظہارِ ارادت کے لئے کسی جانب سے کچھ اظہارِ کرامات تو ہو
دل کشا بادۂ صافی کا کسے ذوق نہیں باطن افروز کوئی پیرِ خرابات تو ہو

مسلمانو! آپ کی مذہبی غیرت وحمیت اور خداداد عقل وفہم کو کیا ہوا کہ آپ کو مشاہدات اور بدیہیات کے انکار کی طرف بلایا جاتا ہے اور آپ ذرا عقل سے کام نہیں لیتے۔ ع

اے کشتۂ ستم ! تری غیرت کو کیا ہوا؟

خدا کے لئے ذرا ہوش میں آؤ اور اس فتنہ کے انجام پر نظر ڈالو کہ اگر یہی مرزائی لغت اور قادیانی زبان اور اس کے عجیب استعارات رہے تو قرآن وحدیث اور مذہب و اسلام کا تو کہنا کیا ساری دنیا کا گھروندہ اور عالم کا نظام برباد ہوجائے گا۔ ایک شخص اگر زید کے گھر پر دعویٰ کرے کہ یہ میرا ہے اور مرزا صاحب کی طرح کہے کہ آسمانی دفتروں میں میرا ہی نام زید لکھا ہوا ہے اور مالک مکان کی جتنی علامات اور نشانات سرکاری کاغذوں میں درج ہیں اُن سب کا مستحق برنگِ استعارات میں ہوں تو بتلایئے کہ آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟ اسی طرح اگر ایک مرد کسی غیر منکوحہ پر اسی حیلہ سے اپنی بی بی ہونے کا دعویٰ کرے یا کوئی عورت اسی مرزائی استعارہ کے بل پر کسی غیر مرد کو اپنا خاوند بنائے۔ یا کوئی ملازم دوسرے ملازم کی تنخواہ وصول کرے۔ یا کوئی بھنگی بادشاہی محل میں گھس کر شاہی بیگمات

کو اسی مرزائی فلسفہ کی طرف دعوت دے۔ یا ایک قتلِ عمد کا مجرم اپنا جرم اسی مرزائی استعارات کے ذریعہ کسی دوسرے غریب کے سرڈال دے اور کہے کہ آسمانی دفتروں میں اسی کا نام وہ ہے جو قاتل کیلئے لکھا ہوا ہے۔ تو فرمایئے کہ مرزائی اصول اور اُن کے استعارات کی دنیا کو جائز رکھتے ہوئے کسی کو کیا حق ہے کہ ان لوگوں کی زبان بند کرسکے یا ہاتھ روک سکے؟ اور جب نوبت اس پر پہنچ گئی تو خود سمجھئے کہ دین ومذہب تو کیا خود دنیاداری کے بھی لالے پڑ جائیں گے۔

الغرض دنیا کے تمام معاملات بیع وشراء لین دین، نکاح وطلاق جزاء، وسزا میں ایک شخص کی تعیین کے لئے جب اُس کا نام اور ولدیت وسکونت وغیرہ دو چار وصف ذکر کردیے جاتے ہیں تو اُس شخص کی تعیین وتمیز ایسی حتمی اور یقینی ہوجاتی ہے کہ اُس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی اور کسی دوسرے کی مجال نہیں ہوتی کہ اُس کے احوال واقوال کو اپنی طرف منسوب کرسکے اور اُس کی مملوکات میں تصرف کرسکے۔ نہ یہاں کوئی استعارہ چل سکتا ہے نہ مجاز۔ دنیا کے تمام کارخانے اسی اسلوب پر قائم ہیں۔

غضب ہے کہ جس شخص کے متعلق خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چار نہیں دس بیس نہیں ایک سو اسی (۱۸۰) علامات ونشانات اُمت کو بتلائے ہوں۔ اُمت کو اب بھی اُس کی تعیین میں شبہ رہے اور آپ کے صاف وصریح ارشادات کو استعارات ومجاز کہہ کر ٹال دے۔

ہرگز باور نمے آید زروئے اعتقاد
ایں ہمہ ہا گفتن و دینِ پیمبر داشتن

الافصاح عن تصرفات الجن والارواح

تاریخ تالیف ــــــــ

مقامِ تالیف ــــــــ ماخوذ از امداد المفتین

جنات اور ارواح کا تصرف زندہ انسانوں یا دوسری چیزوں میں ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس موضوع پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی یہ مدلل تحریر ہے جو اب تک امداد المفتین کا حصہ رہی ہے اب اسے جواہر الفقہ جدید میں بھی شامل کیا جارہا ہے۔

الافصاح عن تصرفات الجن والارواح

سوال: (۱۵) ایک شخص مثلاً زید بظاہر نیک سیرت با اخلاق متقی پرہیز گار ہے اس پر یہ دیکھا اور سنا جاتا ہے کہ جنات آتے ہیں اور کبھی ارواحِ طیبہ آکر گفتگو کرتے ہیں نہ ان خبائث واجنہ کی صورت نظر آتی ہے نہ ان ارواح طیبہ کی شکل ظاہر ہوتی ہے۔ البتہ جس کے سر پر ان کا ورود ہوتا ہے وہ نہایت سچے طریقے سے اس کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم ان کی صور واشکال کو بھی دیکھتے ہیں کوئی بصورت بزگان دین ہوتا ہے اور کسی کی اشکال نہایت مکروہ و بدنما ہوا کرتی ہے۔ گفتگو اس امر میں ہے کہ آیا جنات وخبائث وارواح بزرگان دین کا کسی کے سر پر آکر بولنا کوئی امر واقعی ہے جس کا ثبوت شریعت طیبہ سے ملتا ہو یا نہیں۔ اس مسئلہ کے متعلق عمرو بکر میں اختلاف شدید ہو رہا ہے ہر ایک کے استدلال حسب ذیل ہیں۔

عمرو کہتا ہے یہ سب غلط باتیں ہیں ان کا شریعت سے کہیں ثبوت نہیں۔ بزرگوں کے سر پر آکر بولنا بھی خرافات میں سے ہے چنانچہ اس پر سید نذیر حسین دہلوی غیر مقلد مرحوم و دیگر علما شریعت کا فتویٰ موجود ہے نیز جب انسان کا انتقال ہوتا ہے تو ''دو حالت سے خالی نہیں یا اعمال صالحہ کئے ہوں گے یا اعمال سیئہ کئے ہوں گے صورت اول میں اس کی روح علیّین میں ہوگی اور صورت ثانیہ میں سجّین میں روح معذّب ہوگی۔ اگر علیّین میں ہے تو وہ لذائذ وانعام کو چھوڑ کر کیوں دنیا میں آوے گی اور اگر متعلق معذّب فی السجین ہے تو اس کو رنج والم سے کہاں فرصت کے کسی کے سر آکر مکالمہ کریگی۔ چنانچہ اچھے بندوں کے متعلق خود حدیث میں وارد ہے کہ قبر میں ان سے سوال وجواب کے بعد ملائکہ کہیں گے کہ نومۃ العروس اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس آرام وخواب شیریں کو چھوڑ کر کب آسکتے ہیں۔ و نیز چونکہ اس کا ثبوت بھی کہیں سے نہیں ملتا اس لیے ایسا عقیدہ رکھنا لغو ہے اور لغو شے پر یقین رکھنا بھی حماقت ہے۔

۱

بکر کہتا ہے کہ سوال زید تین اشخاص کے متعلق ہے خبائث اور اجنہ اور ارواح طیبہ تو ان تینوں کے متعلق یہ گزارش ہے کہ خبائث وشیاطین و بلفظ دیگر بھوت پریت۔ تو ان ہر ایک کو منجانب اللہ یہ حق حاصل رہتا ہے کہ غیروں کو ستاتے پھریں۔ اور سر چڑھ کر ایذائیں دیں گالیاں سنائیں وغیرہ وغیرہ کیوں کہ امراض کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک ظاہری دوسری باطنی جس طرح ظاہری امراض بخار و لرزہ وغیرہ ایذارساں ہوتے ہیں بعینہ اسی طرح امراض باطنیہ کے اسباب یہی شیاطین وغیرہ ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ طاعون کو نبت الجن کہیں الطاعون الجن حدیثوں میں وارد ہے کہ شیاطین اجنہ کی شرارت ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ عذاب الٰہی چند قسم کے ہوتے ہیں منجملہ ان کے یہ بھی ہوا کرتا ہے راندہ دربار فرما کر دنیا میں بھیج دیا جاتا ہے کہ دربدر ٹھوکریں کھاتے پھرور ہا کسی کے سر پر چڑھ کر بولنا تو یہ بھی ممکن ہے اور مشاہدات اس کی مصداق ہیں و نیز شیاطین کے متعلق مذکور ہے کہ یجری مجری الدم و نیز خیشوم میں اس کا صبح کو آ کر بیٹھا رہنا۔ ان امور سے معلوم ہوا کہ انسان کے اندر سرایت کئے ہوئے رہتا ہے پھر اس کا سر چڑھ کر بولنا کچھ بھی مستبعد نہیں جب کہ وہ گمراہی کا خواہاں اور اس کی تدابیر میں سرگرداں رہتا ہے چنانچہ احد میں کفار کی شکست خوردہ جماعت کو اسی نے آواز دیکر واپس کیا تھا۔ و نیز تلک الغرانیق العلیٰ کا قصہ مشہور ہے اگر چہ کل صحیح نہ ہوتا ہم نفس شیطان کا اختلاف بالتکلم ثابت ہوتا ہے و نیز ''ومامن مولود یصیح الا لمس الشیطان او کما قال سے بھی ظاہر ہے۔

الغرض شیطانوں کا وجود اور ان کا انسان کے ساتھ متعلق رہنا و نیز تکلم یہ بھی کچھ مستبعد نہیں بلکہ صدہا اس کی نظیریں موجود ہیں اجنہ بھی موجود ہیں ان کے وجود میں کلام نہیں و نیز ان کا انسان کے ساتھ تعلق بھی منکر نہیں ہوسکتا۔ خرافہ کی حدیث شمائل ترمذی و دیگر کتب احادیث میں مذکور ہے۔ و نیز ابو تمیم القاری کا واقعہ بھی مشہور ہے لیلۃ الجن کی حدیث بھی ان کے وجود و مکالمہ پر شاہد ہے اجنہ کا مختلف اشکال میں بدل جانے پر بھی قادر ہونا پایہ ثبوت تک پہنچا ہوا ہے جنات بھی عبادت کے لیے پیدا کئے گئے ان میں اخیار و اشرار ہر قسم کے

ہوتے ہیں کبھی اگر اچھوں کا تسلط ہوا تو نیکی کی باتیں بتلاتے ہیں اور اگر بروں کا تسلط ہوا تو ایذائیں دیتے ہیں اشرار جنہ کا سر پر چڑھ کر بولنا ستانا کچھ بھی منکر و مستبعد نہیں بلکہ اس کا تو مشاہدہ بھی ہوتا ہے چنانچہ "آکام المرجان فی احکام الجان ونیز المرجان فی اخبار الجان" میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ ونیز حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی قلمی تحریر موجود ہے اس میں یہ مصرح ہے کہ ان کا سر پر چڑھ کر بولنا یا ستانا سب کچھ ثابت ہے اور ہر قسم کے جنات آتے ہیں اور سر پر چڑھ کر بولتے ہیں۔ ان ہر ایک میں امتیازی کی صورت بھی بیان فرمائی ہے ونیز ان کے فتاویٰ میں بھی مسطور ہے ونیز مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ کا اس امر پر فتویٰ موجود ہے غالباً فتاویٰ جلد سوم میں مرقوم ہے کہ جنات کا تصرف علی الانسان ممکن و مشاہد ہے۔ اور نیز صدہا واقعات و شواہدات ایسے موجود ہیں کہ ان کا انکار قابل انکار ہے۔

ارواح طیبہ شہداء کے متعلق تو خود قرآن مجید میں ان کی حیات کے متعلق مصرح ہے کہ ان کے متعلق ہمارے اکابر رحمہم اللہ اجمعین فرماتے ہیں کہ وہ بالکل آزاد ہیں اور انہیں کے حکم میں اولیائے کرام بھی داخل ہیں اور داخل نہ ہونے کی وجہ بھی نہیں دونوں عشق الٰہی میں جان بحق ہوئے۔ البتہ اس باب میں موت کے ظہور و خفا کا فرق ہے چنانچہ جناب حکیم الامۃ مدظلہ العالی کے اکثر مواعظ میں مذکور ہے ونیز اکابر علماء سے اس کے متعلق تصریح موجود ہے کہ شہداء کی آزادی کے حکم میں اولیاء کرام کی ارواح طیبہ بھی داخل ہیں۔ غالباً شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ بزرگوں کی ارواح بھی عالم برزخ میں ترقی کرتی ہیں چنانچہ انبیاء کی ارواح کے متعلق احادیث میں مذکور ہے کہ اکثر انبیاء کو مشغول بصلوٰۃ وصوم پایا۔ اس سے ان کی زندگی و آزادی کا ثبوت ہوتا ہے والامثل فالامثل۔ ونیز وہ خدا کے مقرّب ہوتے ہیں (ان کو ان پر انعامات ہوتے ہیں منجملہ انعامات کے آزادی بھی تو ایک انعام ہے) "نم کنومة العروس" اس کے مخالف نہیں کیونکہ نائم کے لئے آزادی معارض نہیں ہے رہ گیا ان کا آنا اور سر چڑھ کر بولنا۔ اس پر بھی شاہ عبدالعزیزؒ کے

فتوے میں روشنی ڈالی گئی ہے ان کے آنے کی تصریح و نیز تکلم کی بھی تشریح موجود ہے۔ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نے بھی اسی پر فتویٰ دیا و نیز مشارق الانوار میں اس کی تصریح موجود ہے کہ ارواح طیبہ آ کر بول سکتی ہیں۔ و نیز قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا خرج الروح من بدن ابن اٰدم و مضی ثلثة ایام یقول الروح یارب ائذن لی حتی مشی وانظر الی جسدی الذی کنت فیه فیاذن اللّٰه له فیجئ الی قبره وینظر الیه من بعید الی اٰخر الحدیث قال ابن عباس اذا کان یوم العید ویوم عاشوراء ویوم الجمعة الاولی من رجب ولیلة النصف من شعبان و لیلة القدر ولیلة الجمعة تخرج ارواح الاموات من قبور هم ویقفون علی ابوابهم اوعلی ابواب بیوتهم الخ وروی عن ابی هریرة انه قال اذامات المؤمن دارت روحه حول داره شهرًا هکذا فی دقائق الاخبار ص ۱۸ للام الشیخ عبدالرحیم ابن احمد القاضی و بهامشه کتاب الدرر الحسان فی البعث و نعیم الجنان للسیوطیؒ۔

اس کے علاوہ مشاہدات و واقعات اس کی تصدیق کرتے ہیں خود ہمارے اکابر بھی اس کے مخالف نہیں۔

سوال: یہ ہے کہ آیا عمرو کی رائے بجق ہے یا بکر کا قول۔ اگر عمرو کا قول درست ہے تو کس بناء پر۔ اور اگر بکر کا قول صحیح قول ہے تو کیا اس کے قول کی صحت کے مذکورہ بالا دلائل کافی ہیں یا دیگر دلائل کی ضرورت پڑے گی۔ مدلّل جواب عنایت کریں؟

الجواب: مکالمۂ مذکورہ میں اصولی طور پر اتنا تو صحیح ہے کہ جنات اور ارواح مفارقہ عن البدن خواہ ارواح طیبہ ہوں یا خبیثہ۔ ان کا تصرف زندہ انسان یا دوسری چیزوں میں ہوسکتا ہے۔ کوئی دلیل شرعی، عقلی یا نقلی اس کے منافی نہیں اور واقعات و تجارب اس کی صحت پر شاہد ہیں لیکن اس کی یہ مخصوص صورت کہ بزرگان دین کی ارواح کسی کے سر پر آ کر بولیں، کلام کریں، اور اسے ستادیں یہ امر معقول نہیں بلکہ ان کی طرف ایسی حرکت کا منسوب کرنا بے ادبی اور ان پر تہمت ہے اور جہاں کہیں ایسا واقعہ پیش آوے کہ کسی بزرگ یا شہید کا

نام۔ بتلا کر کوئی مخفی چیز کلام کرتی ہے وہ بعض شیاطین و جنات کا تصرف ہوتا ہے وہ جھوٹ موٹ بزرگان دین کا نام لے لیتے ہیں تا کہ ان کی بات مانی جائے۔

ارواح خبیثہ میں البتہ اس کا احتمال ہے لیکن حجت اس میں بھی کچھ نہیں کہ یہ قول اور اس روح کا ہے جس کا نام لیا گیا ہے۔ کیونکہ وہاں بھی شیاطین کے جھوٹ کا احتمال موجود ہے اور اس روح کا فعل وقول ہونے کی دلیل ہمارے پاس موجود نہیں۔ تو ایسی صورت میں بلا دلیل کسی قول وفعل کو کسی روح کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔

الغرض فیصلہ یہ ہے کہ اصولاً تو بکر کا قول صحیح ہے کہ اشیاء ثلاثہ کے تصرفات ہو سکتے ہیں اور فروعات وواقعات خاصہ کے متعلق عمرو کا قول فی الجملہ صحیح ہے۔ مگر نہ اس بنا پر کہ ایسے واقعات کا پیش آنا عقلاً محال یا شرعاً ممنوع ہے بلکہ اس لئے کہ واقعات مخصوصہ کا ارواح مخصوصہ کی طرف منسوب کرنا خصوص اس بناء پر کہ ایک بے ہوش کی زبان پر اسکی طرف نسبت کی گئی ہے شرعاً جائز نہیں کیونکہ اس میں احتمالات بہت ہیں مثلاً اول تو یہ بھی ممکن بلکہ اقرب ہے کہ یہ اس بے ہوش کا ہذیان ہو یا اگر صحیح واقعات بیان کرتا ہے۔ تو اس کا کشف ہو جیسا کہ مجنون کو واقعات آئندہ کا کشف ہو جانا شرح اسباب وغیرہ کتب طب میں مصرح۔ اور خارجی ہی اثر مانا جاوے تو شیطان وجن کا اثر ممکن ہے۔ البتہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ جس کی طرف نسبت کی گئی ہے اسی روح کا قول وفعل ہو کیونکہ اصولاً یہ کوئی ناممکن چیز نہیں مگر اتنے احتمال کے ہوتے ہوئے کسی روح کے طرف واقعات مخصوصہ کی نسبت کرنا ایک قول بلا دلیل ہے جو آیت **لا تقف مالیس لک به علم** سے ممنوع ومحظور ہے۔ اور اگر کسی ایسے قول وفعل کی نسبت کی جاوے جو عار یا گناہ ہے تو تہمت وافتراء ہے جسکا گناہ ہونا منصوص ومشہور ہے۔

جو دلائل بکر نے پیش کئے ہیں اصولاً تصرفات جنات وارواح کے ثبوت کے لیے وہ بھی کافی ہیں مزید توضیح کیلئے اتنا اور عرض ہے کہ کلام تین چیزوں کے آثار وتصرفات وغیرہ میں ہے جنات ارواح طیبہ ارواح خبیثہ۔ جنات کا وجود اور ان کے واقعات غریبہ تو قرآن کی بے شمار آیات اور احادیث نبویہ غیر محصور تصریحات میں اس طرح ثابت ہیں کہ یہ

ضروریات دین میں داخل ہو چکا ہے۔ جس کا انکار کرنا درحقیقت قرآن وحدیث کا انکار کرنا ہے اور اسی لئے جنات کے وجود کا مطلقا انکار کر دینا کفر ہے اسی طرح جنات کا انسانون کے بدن اور دوسرے اشیاء میں تصرف و تاثر کرنا اور اشکال مختلفہ میں پایا جانا یہ بھی احادیث کثیرہ متواترۃ المعنی سے ثابت ہے۔

قال علیه الصلوٰة والسلام ان الشیطان یجری من الانسا ن مجری الدم. وقال علیه الصلوٰة والسلام .اقتلوا ذوالطفیتین والابتروایا کم والحیة البیضاء فانها من الجن. وروی الترمذی وقال حسن غریب عن ابی ایوب الانصاریؓ انه کانت له سهوة فیها تمرو کانت تجئ الغول فتا خذ منه. الحدیث الی قوله والغول بضم الغین المعجمه هو شیطان یاکل الناس و قیل هو من یتلون من الجن والترغیب والترهیب للمنذری باب القرأة وعن ابی بن کعب ان اباه اخبره فی حدیث طویل اخذ بدابة کالغلام المحتلم وله یدکید الکلب وشعر کشعره فقال هذا خلق الجن (ترغیب و ترهیب باب القرأة) قال رواه ابن حبان فی صحیحه وغیره)

نیز حدیث خرافہ شمائل ترمذی وغیرہ میں مشہور ومعروف ہے اس کے علاوہ بہت سی احادیث اس باب میں صریح ہیں۔ حاجت استیعاب نہیں۔

باقی رہا ارواح خبیثہ یا طیبہ کے افعال اور بولنا وغیرہ یہ بھی آثار سلف اور تجارب صادقہ سے ثابت ہے اور شریعت میں کہیں اس کی نفی وممانعت مذکور نہیں اس لئے جس طرح دوسری تجربہ کی چیزیں عادۃً تسلیم کی جاتی ہیں اور اس کے لئے قرآن وحدیث کی تصریح کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی ہیں اسی طرح یہ بھی کیا جائے گا۔ مثلاً سناء کی کا مسہل ہونا سب کو تسلیم ہے اور اس کے لئے کوئی نص قرآن وحدیث میں تلاش نہیں کرتا۔ تجربہ کی بنا پر مانا جاتا ہے۔ اسی لئے حکماء محققین بھی ارواح خبیثہ کے تصرفات کو تسلیم کرتے ہیں۔ صرف افعال

واقوال ارواح پر تو بعض روایات حدیث بھی موجود ہیں۔ مندرجہ ذیل آثار واقوال ہمارے مدعا کے لئے مثبت ہیں۔

قال ابن قيم في زاد المعاد في هديه صلى الله عليه وسلم في علاج الصرع .قلت الصرع صرعان صرع من الارواح الخبيثة الارضية و صرع من الاخلاب الردية والثاني هو الذي يتكلم فيه الاتباع في سببه وعالجه واما صرع الارواح فائمتهم وعقلائهم يعتبرون به ولا يدفعونه، ويعترفون بانه علاجه بمقابلة الارواح الشريفة الخيرة العلوية لتلك الأرواح الخبيثة فتدافع أثارها وتعارض افعالها وقد نص على ذلك بقراط في بعض كتبه وباقي التفصيل فراجعه في زاد المعاد : ۷۸/۲.

اورحدیث ''نم كنومة العروس'' یا حدیث ارواح کے جنت میں مستقر ہونے کی ان احوال وافعال کے کسی طرح معارض نہیں، حافظ ابن قیمؒ نے کتاب الروح میں اس کو خوب مفصل لکھا ہے جس میں سے بعض آثار نقل کئے جاتے۔

ولا يضيق عطنك عن كون الارواح في الملاء الاعلى تسرح في الجنة حيث شاء ته و تسمع سلاما المسلم عليها عند قبرها وتدنو منه حتى ترد عليه السلام وللروح شان آخر غير شان البدن (كتاب الروح :۱۶۳) مطبوعه دار المعارف وأيضا قال ان ما ذكرناه من شان الروح يختلف بحسب حال الأرواح من القوة والضعف والكبر والصغر (الى قوله) والروح المطلقة من امر البدن وعلائقه وعوائقه من التصرف والقوة والنفاذ والهمة وسرعة الصعود الى الله تعالىٰ والتعلق بالله ما ليس للروح المهينة المحبوسة في علائق البدن وعوائقه (الى قوله) وكم قد رأى النبي صلى الله عليه وسلم ومعه ابو بكر وعمر في النوم

قد هزمت ارواحهم عساكر الكفر والظلم فاذا بجيوشهم مغلوبة مكسورة (كتاب الروح: ١٦٥) ثم قال واما قول من قال ان أرواح المؤمنين في برزخ من الارض تذهب حيث شاءت فهذا مروى عن سلمان الفارسيؓ البرزخ هو الحاجز بين شيئين وكان سلمان اراد بها في ارض بين الدنيا والآخرة مرسلة هناك تذهب حيث شاءت وهذا القول قوی الخ (كتاب الروح ١٧٣)

عبارات مذکورہ کے علاوہ اور بھی بکثرت تصریحات کتب حدیث میں اور بالخصوص ارباب سلوک کے اقوال میں موجود ہیں اور جس قدر ذکر کیا گیا ہے کافی ہے۔

خلاصہ: یہ ہے کہ جنات اور ارواح کا اس عالم میں آ کر انسان یا غیر انسان پر کسی قسم کا تصرف کرنا نہ عقلاً محال ہے اور نہ شرعاً ممنوع اور نہ کوئی دلیل عقلی یا نقلی ایسے تصرفات کی نفی پر موجود ہے اور جو دلائل عمرو نے پیش کئے ہیں سب مخدوش، مگر کسی خاص واقعہ کو کسی خاص روح کی طرف منسوب کرنا اس لیے درست نہیں کہ ہمارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں اور کسی بے ہوش کا کہہ دینا حجت نہیں اور یہ بالکل ویسا ہے جیسے کسی زندہ انسان کی طرف واقعہ خاصہ کی نسبت کرنا بغیر دلیل کے جائز نہیں، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ انسان اس واقعہ پر کسی قدرت ہی نہیں رکھتا۔

تنبیہ: یہ تمام آثار و افعال اور تصرفات جو جنات اور ارواح کے ذکر کئے گئے ہیں ان کا مطلب صرف یہ ہے کہ جس طرح ہم انسان مختلف قسم کے کاروبار کرنے کی باذن اللہ قدرت رکھتے ہیں اور کرتے ہیں، اسی طرح یہ اشیاء بھی قادر باذن اللہ ہیں اور جب چاہیں اللہ تعالیٰ ان کے افعال کو روک دیں ان کو کوئی اختیار اور تاثیر نہیں محض مشین کے کل پرزوں کی طرح چلانے والے کے تابع مشیت و ارادہ ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ ۸ / جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ۔

دعاوی مرزا

تاریخ تالیف ______ ۲۰؍ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ (مطابق ۱۹۲۶ء)

مقامِ تالیف ______ دیوبند

اس رسالہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کے مختلف دعووں کو اس کی اپنی کتابوں سے نقل کیا گیا ہے تاکہ عام مسلمان اس کے دعووں کی حقیقت سامنے آجائے اور مرزا کا باطل ہونا کھلی آنکھوں سے ثابت ہو جائے۔

شعبہ تبلیغ واشاعت

دارالافتاء.....................آرام باغ کراچی

آج کل دین اور علم دین سے مسلمانوں کی عام غفلت و بے پروائی کے نتائج بد اور ان کی اصلاح کے لئے وعظ و تبلیغ اور نشر واشاعت کے ذرائع کے استعمال کی ضرورت محتاج بیان نہیں۔

یہ شعبہ اسی غرض کے لئے قائم کیا گیا ہے کہ الحاد و زندقہ کے سیلاب عظیم کی روک تھام اور صحیح عقائد اور احکام کی اشاعت کے لئے مستند رسائل شائع کئے جاویں خواہ پہلے کسی عالم کی تصنیف ہوں یا عصری اور وقتی ضرورت کے ماتحت خود یہ ادارہ تصنیف کرائے۔

اس سلسلہ کے تمام رسائل مفت تقسیم کئے جائیں گے بجز اس کے کوئی صاحب ادارہ کی امداد کے لئے اس کے نسخے خرید کر شائع کریں۔ سر دست یہ سلسلہ نہایت مختصر پیمانہ پر چند مخلص احباب کے تعاون سے شروع ہوا ہے۔ اہل خیر مسلمانوں نے اس کو مفید سمجھ کر توجہ دی تو عجب نہیں کہ کسی وقت یہ ادارہ بہت اہم کتابیں اور احکام قرآن و حدیث کی اشاعت کے لئے مساجد میں آویزاں کرنے کے قابل پوسٹروں کا بہترین و مفید سلسلہ شائع کر سکے واللہ الموافق والمعین۔

بندہ محمد شفیع عفااللہ عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً و علی سیدنا محمدن المجتبیٰ و من بھدیہ اھتدی۔

یوں تو مہدی بھی ہو عیسیٰ بھی ہو مسلمان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

دنیا میں بہت سے گمراہ فرقے پیدا ہوئے اور آئے دن ہوتے رہتے ہیں لیکن مرزائی فرقہ ایک عجیب معمہ ہے کہ اس کے دعویٰ اور عقیدے کا پتہ آج تک خود مرزائیوں کو بھی نہیں لگا جس کی وجہ اصل میں یہ ہے کہ اس فرقہ کے بانی مرزا قادیانی نے خود اپنے وجود کو دنیا کے سامنے ایک لاینحل معمے کی شکل میں پیش کیا ہے اور ایسے متناقض اور متضاد عوی کئے کہ وہ ان کی امت بھی مصیبت میں ہے کہ اس کو کیا سمجھیں اور کیا کہیں کوئی تو ان کو مستقل صاحب شریعت نبی کہتا ہے کوئی غیر تشریعی نبی مانتا ہے اور کسی نے ان کی خاطر ایک نئی قسم کا نبی لغوی تراشا ہے اور ان کو مسیح موعود مہدی۔ اور لغوی یا مجازی نبی کہتا ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب کا وجود ایک ایسی چیستان ہے جس کا حل نہیں انہوں نے اپنی تصانیف میں جو کچھ اپنے متعلق لکھا ہے اس کو دیکھتے ہوئے یہ متعین کرنا بھی دشوار ہے کہ مرزا صاحب انسان ہیں یا اینٹ پتھر، مرد ہیں یا عورت، مسلمان ہیں یا ہندو، مہدی ہیں یا حارث، ولی ہیں یا نبی، فرشتے ہیں یا دیو۔ جیسا کہ دعاوی مندرجہ رسالہ ہذا

سے معلوم ہوتا ہے۔

نوٹ...... اگر کوئی مرزائی (۱) یہ ثابت کردے کہ یہ عبارت مرزا صاحب کی نہیں تو فی عبارت دس روپیہ انعام۔

مرزائیوں کے تمام فرقوں کو کھلا چیلنج

دعوے کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ مرزائی امت کے تینوں فرقے مل کر قیامت تک یہ بھی متعین نہیں کرسکتے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ کیا ہے اور وہ کون ہیں اور کیا ہیں دنیا سے اپنے آپ کو کیا کہلوانا چاہتے ہیں لیکن جب ہم ان کی تصانیف کو غور سے پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعاوی میں اختلاط واختلاف بھی ان کی ایک گہری چال ہے وہ اصل میں خدائی کا دعویٰ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن سمجھے کہ قوم اس کو تسلیم نہ کرے گی اس لئے تدریج سے کام لیا۔ پہلے خادم اسلام مبلغ پھر مجدد بنے پھر مہدی ہوگئے۔ اور جب دیکھا کہ قوم میں ایسے بے وقوفوں کی کمی نہیں جو ان کے ہر دعوے کو مان لیں تو پھر کھلے بندوں نبی رسول۔ خاتم الانبیاء وغیرہ سبھی کچھ ہوگئے اور ہونہار مرد نے اپنے آخری دعوے خدائی کی بھی تمہید ڈال دی تھی جس کی تصدیق عبارات مذکورہ نمبر ۲۶ لغایت نمبر ۳۰ سے بخوبی ہوتی ہے لیکن قسمت سے عمر نے وفا نہ کی ورنہ مرزائی دنیا کا خدا بھی نئی روشنی اور نئے فیشن کا بن گیا ہوتا۔ خود مرزا صاحب کی عبارات ذیل میں اس تدریجی ترقی اور اس کے سبب ہر ہمارے دعوے کے گواہ ہیں۔ نصرۃ الحق ص ۵۳ پر فرماتے ہیں۔ میری دعوت کے مشکلات میں سے ایک رسالت ایک وحی الٰہی ایک مسیح موعود کا دعوی تھا اور پھر فرماتے ہیں) علاوہ

---

(۱) یہ رسالہ ۱۳۴۵ھ میں اول شائع ہوا۔ چھبیس سال کے طویل عرصہ میں بار بار ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوتا رہا۔ مگر آج تک کسی مرزائی کی یہ جرأت نہیں ہوئی کہ اس کی ایک عبارت کو غلط ثابت کرے حالیہ اشاعت میں نظر ثانی کے ساتھ اس میں کچھ مزید اضافات بھی کئے گئے ہیں۔ ۱۲ منہ

اس کے اور مشکلات یہ معلوم ہوتے ہیں کہ بعض امور اس دعوت میں ایسے تھے کہ ہرگز امید نہ تھی کہ قوم ان کو قبول کر سکے اور قوم پر تو اس قدر بھی امید نہ تھی کہ وہ اس امر کو بھی تسلیم کر سکیں کہ بعد زمانہ نبوت وحی غیر تشریعی کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔ اور قیامت تک باقی ہے ۔ نیز حقیقۃ الوحی کی عبارت ذیل بھی خود اس تدریجی ترقی کی شاہد ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مرزا صاحب ختم نبوت کے قائل تھے اور کسی نبی کا پیدا ہونا جائز نہ رکھتے تھے اور اپنے آپ کو نبی نہیں کہتے تھے ۔ بعد میں ارزانی غلہ نہیں بلکہ ارزانی ایمان نے نبی اور رسول سب کچھ بنا دیا دیکھو حقیقۃ الوحی ص ۱۴۹ و ص ۱۵۰ اسی طرح اوائل میں میرا عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے وہ نبی تھے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے اور اگر کوئی امر میری فضیلت کے متعلق ظاہر ہوتا تھا تو میں اس کو جزوی فضیلت قرار دیتا تھا مگر بعد میں جو خدائے تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی اس نے مجھے اس عقیدے پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔ اس کے بعد ہم مرزا صاحب کے دعاوی خود ان کی تصانیف سے مع صفحات نقل کرتے ہیں جو دعوے مختلف کتابوں اور متعدد مقامات پر موجود ہیں بغرض اختصار عبارت تو ان میں سے ایک ہی نقل کر دی گئی ہے باقی کے حوالہ صفحات درج کر دئے گئے ہیں۔

بندہ

محمد شفیع دیوبندی عفی اللہ عنہ وعافاہ

۲۰ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ

دعوے

نقل عبارت مرزا مع حوالہ کتاب مرزائی

۱......مبلغ اسلام اور مصلح ہونے کا دعوی ۱۸۸۰ھ

یہ عاجز مولف براہین احمدیہ حضرت قادر مطلق جل شانہ کی طرف سے مامور ہوا ہے کہ بنی اسرائیلی مسیح کے طرز پر کمال مسکینی وفروتنی اور غربت اور تذلل وتواضع سے اصلاح خلق کے لئے کوشش کرے۔ خط مندرجہ مقدمہ براہین احمدیہ ص ۸۱۔

۲......مجدد ہونے کا دعویٰ ۱۸۹۱ھ

اب بتلادیں کہ اگر یہ عاجز اگر حق پر نہیں ہے تو پھر وہ کون آیا جس نے اس چودہویں صدی کے سر پر مجدد ہونے کا ایسا دعویٰ کیا جیسا کہ اس عاجز نے کیا ازالہ اوہام ص ۱۵۴ خورد حصہ اولیٰ و ۶۶ کلاں۔

۳......محدث ہونے کا دعویٰ

اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عاجز خدائے تعالیٰ کی طرف سے امت کے لئے محدث ہوکر آیا ہے اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہوتا ہے گو اس کے لئے نبوت تامہ نہیں مگر تاہم جزئی طور پر وہ ایک نبی ہی ہے۔ توضیح المرام ص ۹ و ازالہ اوہام ص ۴۲ خورد ۴۷ کلاں۔

۴......امامِ زماں ہونے کا دعویٰ

میں لوگوں کے لئے تجھے امام بناؤں گا تو ان کا رہبر ہوگا حقیقۃ الوحی ص ۷۹ ضرورۃ الامام ص ۲۴ کتاب البریہ ص ۷۶۔

۵......خدا کے جانشین ہونے کا دعویٰ

میں نے ارادہ کیا ہے کہ اپنا جانشین بناؤں تو میں نے آدم کو یعنی تجھے پیدا کیا۔ کتاب البریہ ص ۷۶۔

۶......مہدی ہونے کا دعویٰ ۱۸۹۱ء

اشتہار معیار الاخیار و ریویو آف ریلجنز نومبر و دسمبر ۱۹۰۲ء انوار الاسلام طبع قادیان ۹ر ستمبر ص ۳۱ وغیرہ یہ دعویٰ مرزا صاحب کی اکثر تصانیف میں بکثرت موجود ہے اس لئے نقلِ عبارت کی حاجت نہیں۔

۷......حارث مددگار مہدی ہونے کا دعویٰ

واضح ہو کہ یہ پیشین گوئی جو ابوداؤد کی صحیح میں درج ہے کہ ایک شخص حارث نام یعنی حارث ماوراء النہر سے یعنی سمرقند کی طرف سے نکلے گا جو آل رسول کو تقویت دے گا جس کی امداد اور نصرت ہر ایک مومن پر واجب ہوگی الہامی طور پر مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ پیشین گوئی اور مسیح کے آنے کی پیشین گوئی جو مسلمانوں کا امام اور مسلمانوں میں سے ہوگا دراصل یہ دونوں پیشین گوئیاں متحد المضمون ہیں اور دونوں کا مصداق یہی عاجز ہے ازالہ ص ۷۹ خورد ۳۳ کلاں۔

۸...... بروزی نبی ہونے کا دعویٰ

اور چونکہ وہ بروزِ محمدی جو قدیم (۱) سے موعود تھا وہ میں ہوں اس سے بروزی رنگ کی نبوت مجھے عطا کی گئی ۔ اشتہار ایک غلطی کا ازالہ منقول از ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص ۲۶۸ چشمہ معرفت ص ۳۲۴

۹......نبوت ورسالت ووحی کا دعویٰ

سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا دافع البلاءٔ ص ۱۱ حق یہ ہے کہ خدا کی وہ پاک وحی میرے پر نازل ہوتی ہے اس میں ایسے لفظ رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ براہین احمدیہ ص ۴۹۸ نیز یہی مضمون اربعین نمبر ۴ ص ۶ اور نزول المسیح ص ۹۹ حقیقۃ الوحی ص ۱۰۲ ص ۱۰۷ وانجام آتھم ص ۶۲ و حقیقۃ النبوۃ لمرزا محمود ص ۲۰۹ وص ۲۱۲ وغیرہ وغیرہ کتابوں میں بکثرت موجود ہے۔

۱۰......اپنی وحی کے قرآن کے برابر قطعی ہونے کا دعویٰ

میں خدا کی تئیس برس کی متواتر وحی کو کیسے رد کر سکتا ہوں میں اس کی اس پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ ان تمام وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہیں ۔ حقیقۃ الوحی ص ۱۵۰ ایضاً ص ۲۱۱ انجام آتھم ص ۶۲ ۔

۱۱......سارے عالم کے لئے مدار نجات ہونے کا دعویٰ

اور یہ کہ تمام دنیا کے مسلمان کافر و جہنمی ہیں ۔ کفر دو قسم پر ہے ایک کفر یہ کہ ایک شخص اسلام سے انکار کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو خدا کا رسول نہیں مانتا اور دوسرے یہ کفر کہ

---

(۱) کوئی پوچھے کہ قرآن کی کون سی آیت یا کس حدیث میں اس بروز کا وعدہ ہے ۱۲ منہ۔

مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمامِ حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارہ میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتاب میں بھی تاکید پائی جاتی ہے پس اس لئے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے کافر ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں حقیقۃ الوحی ص ۱۷۹ اور اس بات کو قریباً نو برس کا عرصہ گذر گیا کہ جب میں دہلی گیا تھا اور میاں نذیر حسن غیر مقلد کو دعوت دینِ اسلام کی گئی اربعین نمبر ۴ حاشیہ نمبر ۱۱ یہی دعویٰ سیرت الابدال ص ۱۴۱ انجام آتھم ص ۶۲ وغیرہ میں بھی مذکور ہے اور فرماتے ہیں اب دیکھو خدا نے میری وحی اور میری تعلیم اور میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا اور تمام انسانوں کے لئے مدارِ نجات ٹھرایا۔

(اربعین نمبر ۴ ص ۶)

۱۲ مستقل صاحب شریعت نبی ہونے کا دعویٰ

اور یہ کہ وہ احادیث نبویہ پر حاکم ہے جس کو چاہے قبول کرے اور جس کو چاہے ردی کی طرح پھینک دے۔

اور مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن وحدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے **ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ** اعجازِ احمدی ص ۷ اس عبارت میں نبوتِ تشریعی کے ساتھ ساتھ یہ بھی دعویٰ ہے کہ اس آیت کا مصداق نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ نہیں مرزا ہے۔ اور فرماتے ہیں اور اگر یہ کہو کہ صاحب شریعت افترا کر کے ہلاک ہوتا ہے نہ ہر ایک مفتری تو اول تو یہ دعویٰ بے دلیل ہے۔ خدا نے افترا کے ساتھ شریعت کی کوئی قید نہیں لگائی۔ ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ امر و نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گیا پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی مثلاً یہ الہام **قل للمومنین**

یغضوا من ابصارهم ذلك اذكى لهم یہ براہین احمدیہ میں درج ہے اور اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی ہے۔ اور اس پر تیئس برس کی مدت بھی گذر گئی اور ایسا ہی اب تک میرے وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں تو یہ باطل ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى**۔ یعنی قرآن تعلیم توریت میں بھی موجود ہے اور اگر یہ کہو کہ شریعت وہ ہے جس میں باستفاء امر و نہی کا ذکر ہو تو یہ بھی باطل ہے کیونکہ اگر توریت یا قرآن شریف میں باستفاء احکام شریعت کا ذکر ہوتا تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی غرض یہ سب خیالات فضول اور رکوتہ اندیشیاں ہیں اور (۱) اربعین نمبر ۴ ص ۱۶ اپنے رسالہ تحفۃ الندوہ مطبوعہ قادیان ۴/اکتوبر ۱۹۰۳ میں لکھتے ہیں۔ (ص ۷)

''ہم درحقیقت نبی ہیں اور ہماری وحی قرآن کی طرح یقینی ہے''

اربعین نمبر ۴ ص ۶ پھر فرماتے ہیں چونکہ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید اربعین نمبر ۴ اور اربعین نمبر ۳ ص ۳۶ میں بھی یہ دعویٰ موجود ہے اور رہم اس کے جواب میں خدا کی قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ میرے اس دعوے کی بنیاد حدیث نہیں بلکہ قرآن اور وحی ہے جو میرے پر نازل ہوئی ہاں تائیدی پر وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں اور دوسری حدیثوں کو ہم روئی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ اعجاز احمدی ص ۳۰ ص ۳۱ وص ۲۹ تحفہ گولڑویہ ص ۱۰۔

۱۳......اپنے لئے دس لاکھ معجزات کا دعویٰ

حالانکہ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزات کی بھی یہ تعداد نہیں اور میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اور اس نے مجھے بھیجا ہے اور اس نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ اور اسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اس نے

میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشانات ظاہر کئے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں اور براہین احمدیہ حصہ پنجم میں دس لاکھ کی تعداد معجزات شمار کی ہے تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۶۸ ایضاً ص ۱۳۶ ایضاً ص ۱۳۷ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۵۶ ایضاً ص ۱۵۸ اعجاز احمدی ص او ص ۲

۱۴......تمام انبیاء سابقین سے افضل ہونے کا دعویٰ اور سب کی توہین

بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس نے اس قدر معجزات کا دریا رواں کر دیا ہے کہ باستثناء ہمارے نبی ﷺ کے باقی تمام انبیاء علیہم السلام میں ان کا ثبوت اس کثرت کے ساتھ قطعی اور یقینی طور پر محال ہے اور خدا نے اپنی حجت پوری کر دی اب چاہے کوئی قبول کرے چاہے نہ کرے تتمہ حقیقت الوحی ص ۱۳۶ او ص ۱۳۷

۱۵......آدم علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

لکھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے ان کو اس کلام میں آدم قرار دیا ہے۔ یـا آدم اسـکـن انت و زوجك الجنة اربعین نمبر ۳ ونزول المسیح ص ۹۹ وکتاب البریہ ص ۸۲

۱۶......ابراہیم علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

واتخذ وامن مقام ابراهيم مصلىٰ اس کی اشارہ کرتی ہے کہ جب امت محمدیہ میں بہت فرقہ ہو جائیں گے تب آخر زمانہ میں ایک ابراہیم پیدا ہوگا اور ان سب فرقوں میں وہ فرقہ نجات پائے گا جو اس ابراہیم کا پیرو ہوگا اربعین نمبر ۳ ص ۳۲

۱۷......نوح علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

۱۸......یعقوب علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

۱۹......موسیٰ علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

۲۰......داؤد علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

۲۱......شیث علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

۲۲...... یوسف علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

۲۳......اسحٰق علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

۲۴......یحییٰ علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

۲۵......اسماعیل علیہ السلام ہونے کا دعویٰ۔

میں آدم ہوں میں شیث ہوں میں نوح ہوں میں ابراہیم ہوں میں اسحٰق ہوں میں اسماعیل ہوں میں یعقوب ہوں میں یوسف ہوں میں موسیٰ ہوں میں داوٗد ہوں میں عیسیٰ ہوں اور آنحضرت ﷺ کے نام کا مظہر اتم ہوں یوں ظلی طور پر میں محمد اور احمد ہوں حاشیہ حقیقۃ الوحی ص ۷۲ زوال المسیح نمبر ۴۔

۲۶......عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

اس خدا کی تعریف جس نے مسیح بن مریم بنایا حاشیۃ الوحی ص ۷۲ اربعین نمبر ۳ ص ۲۳ یہ دعویٰ تو تقریباً ہی کتابوں میں موجود ہے۔

۲۷......حضرت مسیح کا اوتار ہونے کا دعویٰ

مرزا قادیانی اپنے رسالہ ضمیمہ جہاد۔ درخواست بنام وائسرائے بہادر ہندوستان میں انگریز گورنمنٹ کی بہت کچھ مدح سرائی کرتے ہوئے اپنے مبعوث ہونے کی اصل غرض ہی یہ بتلاتے ہیں کہ جو مسلمان اس عادل گورنمنٹ عالیہ کے دل سے خیر خواہ نہیں ہیں ان کی اصلاح کر کے گورنمنٹ کا خیر خواہ بنایا جائے اس کے لئے عیسیٰ مسیح کا اوتار (یہ ہندو مذہب کا ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے کے اندر حلول کر جائے بھیجے جانے کی ضرورت ثابت کی اس کے بعد لکھتے ہیں۔

اس لئے حضرت مسیح کے اوتار کے سخت ضرورت تھی سو میں وہی اوتار ہوں جو حضرت

مسیح کی روحانی شکل اور خو اور طبیعت پر بھیجا گیا ہوں۔

(ضمیمہ رسالہ جہاد ص ۴ مطبوعہ قادیان ۷ رجولائی ۱۹۰۰ء)

۲۸......عیسیٰ مسیح اور محمد کا مرکب معجون ہونے کا دعویٰ

رسالہ ضمیمہ جہاد مذکورہ ص ۷ میں لکھتے ہیں۔

سو مجھے دو بروز عطاء ہوئے بروز عیسیٰ و بروز محمد غرض میرا وجود ان دونوں کے وجود سے بروزی طور پر ایک معجون مرکب ہے۔

۲۹......عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہونے کا دعویٰ

اور ان کو مغلظات بازاری گالیاں

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے دافع البلاء ص ۲ خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس سے پہلے مسیح سے اپنی شان میں بہت بڑھ کر ہے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر مسیح ابن مریم میرے زمانہ میں ہوتا تو وہ کام جو میں کرسکتا ہوں ہرگز نہ کرسکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہورہے ہیں ہرگز نہ دکھلاسکتا ہے حقیقۃ الوحی ص ۱۴۸ آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص ۷ پس اس نادان اسرائیل نے ان معمولی باتوں کا پیشین گوئی کیوں نام رکھا ضمیمہ انجام آتھم ص ۴ یہ بھی یاد رہے کہ کتاب کسی قدر جھوٹ بولنے کی عادت تھی حاشیہ ضمیمہ آتھم ص ۵ ازالہ کلاں ص ۱۳ اعجاز احمدی ص ۱۳ و ص ۱۴ ازالہ اوہام ص ۱۲۲ ص ۳۴۳ و کشتی نوح ص ۱۶۔

۳۰......نوح علیہ السلام سے افضل ہونے کا دعویٰ اور ان کی توہین

اور خدائے تعالیٰ میرے لئے اس کثرت سے نشان دکھلا رہا ہے کہ اگر نوح کے زمانہ

میں وہ نشان دکھلائے جاتے تو وہ لوگ غرق نہ ہوتے حقیقۃ الوحی ص ۷ ۱۲

۳۱......مریم علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

پہلے خدا نے میرا نام مریم رکھا اور بعد اس کے ظاہر کیا کہ اس مریم میں خدا کی طرف سے روح پھونکی گئی اور پھر فرمایا کہ روح پھونکنے کے بعد مریمی مرتبہ عیسوی مرتبہ کی طرف منتقل ہو گیا اور اس طرح مریم سے عیسیٰ پیدا ہو کر ابن مریم کہلایا حاشیہ حقیقۃ الوحی ص ۷۲ حاشیہ براہین احمدیہ ص ۴۹۶ کشتی نوح ص ۴۶ وازالہ ص ۶۱۸ وص ۱۷۳ کلاں۔

۳۲......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برابری کا دعویٰ

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس واسطہ کو ملحوظ رکھ کر اور اس میں ہو کر اور اس نام محمد اور احمد سے مسمی ہو کر میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی ایک غلطی کا ازالہ ضمیمہ حقیقۃ النبوۃ ص ۲۶۵ بارہا بتلا چکا ہوں کہ بموجب آیت ''و آخرین منھم لما یلحقوا بھم'' بروزی طور پر وہی خاتم الانبیاء ہوں اور ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص ۸۵ وص ۸۶ وص ۱۸۱ اکثر ان اوصاف، کو اپنے لئے ثابت کیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہیں نیز ازالہ ص ۲۵۳ میں بھی اضافہ۔

۳۳......ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افضلیت کا دعویٰ

ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد صرف تین ہزار لکھی ہے تحفہ گولڑویہ ص ۱۴۰ اور اپنے معجزات کی تعداد براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۵۶ پر دس لاکھ بتلائی ہے کہ لہ خسف القمر المنیر و ان لی غسا القمران المشرقان اتنکرون اس کے لئے (یعنی آنحضرت کے لئے) کیا تو انکار کرے گا اعجاز احمدی ص ۷۱ اس میں آپ پر افضلیت کے دعوے کے ساتھ معجزہ شق القمر کا انکار اور توہین بھی ہے۔

۳۴.....میکائیل علیہ السلام ہونے کا دعویٰ

اور دانیاں نبی نے اپنی کتاب میں میرا نام میکائیل رکھا ہے حاشیہ اربعین ۳ ص ۲۵

۳۵.....خدا کے مثل ہونے کا دعویٰ

اور عبرانی میں لفظی معنی میکائیل کے ہیں خدا کے مانند حاشیہ اربعین نمبر ۳ ص ۲۵۔

۳۶.....اپنے بیٹے کے خدا کا مثل ہونے کا دعویٰ

انا نبشرک بغلام مظهر الحق والعلیٰ کان الله نزل من السماء استفتاء ص ۸۵

۳۷.....خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ

آپ کو الہام ہوا آواہن جس کی تفسیر کتاب البریہ ص ۲۷ پر خود ہی یہ کرتے ہیں کہ خدا تیرے اندر اتر آیا۔

۳۹.....خود خدا ہونا بحالت کشف اور زمین وآسمان پیدا کرنا

اور میں نے اپنے ایک کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہ ہی ہوں پھر فرماتے ہیں اور اس کی الوہیت مجھ میں موجزن ہے پھر فرماتے ہیں او اس حالت میں یوں کہہ رہا ہوں کہ ہم ایک نیا نظام اور آسمان اور نئی زمین چاہتے تو میں نے پہلے تو آسمان وزمین کو اجمال صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی ترتیب وتفریق نہ تھی پھر میں نے منشاحق کے موافق اس کی ترتیب وتفریق کی اور میں دیکھتا تھا کہ میں اس خلق پر قادر ہوں پھر میں نے آسمان دنیا کو پیدا کیا اور کہا "اِنَّا زینا السماء الدنیا بمصابیح" پھر

میں نے کہا کہ اب ہم انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کریں گے پھر میری حالت کشف سے الہام کی طرف منتقل ہوگئی اور میری زبان پر جاری ہوا اردت ان استخلف تخلفت آدم انا خلقنا الانسان فی احسن تقویم یہ الہامات ہیں جو اللہ کی طرف سے میرے پر ظاہر ہوئے کتاب البریہ ص ۷۸ وص ۷۹ و آئینہ کمالات اسلام ص ۵۶۴ اخبار الحکم قادیان مورخہ ۲۴ر فروری ۱۹۰۵ء

۴۰......مرزا جی میں حیض کا خون ہونا اور پھر اس کا بچہ ہو جانا

منشی الٰہی بخش کی نسبت یہ الہام ہوا۔ یہ خون حیض تجھ میں دیکھنا چاہتے ہیں یعنی ناپاکی اور پلیدی اور خباثت کی تلاش میں ہیں۔ اور خدا چاہتا ہے کہ جو اپنی متواتر نعمتیں جو تجھ پر ہیں دکھلا دے اور خون حیض سے تجھے کیونکر مشابہت ہو اور وہ کہاں تجھ میں باقی ہے پاک تغیرات نے اس خون کی خوبصورت لڑکا بنا دیا اور لڑکا جو اس خون سے بنا میرے ہاتھ سے پیدا ہوا حاشیہ اربعین نمبر ۴ ص ۱۸۔

۴۱......حاملہ ہونا

عبارت مذکورہ حاشیہ حقیقۃ الوحی ص ۷۲ وکشتی نوح ص ۷۴ اور حاشیہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۴۹۶۔

۴۲......حجر اسود ہونے کا دعویٰ

الہام یہ ہے کہ یکے پائے من می بوسد و من میگفتم حجر اسود منم حاشیہ اربعین نمبر ۴ ص ۱۵

۴۳......بیت اللہ ہونے کا دعویٰ

خدا نے اپنے الہامات میں میرا نام بیت اللہ بھی رکھا ہے حاشیہ اربعین نمبر ۴ ص ۱۵۔

۴۴......سلمان ہونے کا دعوی

الہام ہوا انت سلمان ومنی ماذا البرکات ریوآف ریلیجز جلد ۵ نمبر ۶ بابت اپریل ۱۹۰۶ء

۴۵......کرشن ہونے کا دعویٰ

حقیقۃ الوحی ص ۸۵ آریہ یہ لوگ کرشن کے ظہور کا ان دنوں میں انتظار کرتے ہیں وہ کرشن میں ہی ہوں۔

۴۶......آریوں کا باشاہ ہونے کا دعویٰ

اور یہ دعویٰ صرف میری طرف سے نہیں بلکہ خدا نے بار بار میرے پر ظاہر کیا ہے کہ جو کرشن آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والا تھا وہ تو ہی ہے آریوں کا بادشاہ حقیقۃ الوحی ص ۵۵ نبی اور عیسیٰ تو اپنی زبانی بن گئے مگر بادشاہت میں زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلتا اس لئے پھر فرمایا اور بادشاہت سے مراد صرف آسمانی بادشاہت ہے۔

۴۷...... جہاد کے حرام ہونے کا دعویٰ

مرزا قادیانی اپنے رسالہ گورنمنٹ انگریزی اور جہاں مطبوعہ قادیان ۲۳ رمئی ۱۹۰۰ء غرض جب مسیح موعود آ گیا تو ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ جہاد سے باز آئے ص ۸) اسی رسالہ میں جہاد کے ضمیمہ میں لکھتے ہیں ہر ایک شخص جو میری بیعت کرتا ہے او رمجھ کو مسیح موعود مانتا ہے اسی روز سے اس کو یہ عقیدہ رکھنا پڑتا ہے کہ اس زمانہ میں جہاد قطعاً حرام ہے کیونکہ مسیح آ چکا ہے۔خاص کر میری تعلیم کے لحاظ سے اس گورنمنٹ انگریزی کا سچا خیر خواہ اس کو بننا پڑتا ہے نہ محض نفاق سے۔

۴۸...... یہ دعویٰ کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کیا ہوا اسلام مردہ اسلام ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام احمد قدنی کی زندگی میں محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب کی تجویز ۱۹۰۵ء میں ایڈیٹر صاحب اخبار وطن نے ایک فنڈ اس غرض سے شروع کیا تھا کہ اس سے رسالہ ریویو آف ریلیجنز (قادیان) کی کاپیاں بیرونی ممالک میں بھیجی جائیں بشرطیکہ اس میں حضرت مسیح موعود کا نام ہو مگر حضرت اقدس مرزا صاحب نے اس تجویز کو اس بنا پر مسترد کہ کردیا کہ مجھ کو چھوڑ کر مردہ اسلام پیش کرو گے اس پر ایڈیٹر صاحب وطن نے اس چندہ کے بند کرنے کا اعلان کردیا اخبار ابو الفضل قادیان جلد ۷ نمبر ۹۔

۴۹...... یہ دعویٰ کہ مرزا کو نہ ماننے والے تمام عالم کے مسلمان کافر ہیں

مرزا قادیانی اپنی کتاب اربعین نمبر ۴ ص ۶ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں دیکھو خدا نے میری وحی اور میری تعلیم اور میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا اور تمام انسانوں کے لئے اس کو مدار نجات ٹھہرایا۔ ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمد کو نہیں مانتا یا محمد کو مانتا ہے مگر مسیح موعود کو نہیں مانتا وہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے (کلمہ الفصل مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی مندرجہ ریویو آف ریلیجنز نمبر ۱۰ اونمبر جلد ۱۴)

ہمارا یہ فرض ہے کہ غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں یہ دین کا معاملہ ہے اس میں کسی کا اپنا اختیار نہیں (انوار خلافت ص ۹۰ مصنفہ مرزا محمود خلیفہ قادیان)

جس طرح عیسائی بچہ کا جنازہ نہیں پڑھا جا سکتا ہے اگرچہ کہ وہ معصوم ہی ہوتا ہے اسی طرح ایک غیر احمدی کے بچے کا بھی جنازہ نہیں پڑھا جا سکتا ہے۔ (ڈائری حضرت مصلح موعود قادیان مندرجہ الفضل قادیان جلد ۱۰ نمبر ۳۲

الارشاد الی بعض احکام الالحاد

مشرقی اور اسلام

تاریخ تالیف ______ ۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۳۵۸ھ (مطابق ______ ۱۹۳۹ء)

مقامِ تالیف دیوبند

عنایت اللہ مشرقی نے اپنی متعدد تصانیف میں قرآن وسنت سے متصادم نظریات لکھے اور اس سلسلے میں "جماعت خاکساران اور تحریک خاکساری" کے نام سے کام شروع کیا، اس رسالہ میں اس کے عقائد وخیالات اور اس کی تصانیف کا نہایت احتیاط سے جائزہ لیکر ان کے متعلق قرآن وحدیث

تقریظ وتصدیق

از حضرت مجدد الملّت حکیم الامت سیّدی وسندی

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ'

بعد الحمد والصلوٰۃ احقر اشرف علی تھانوی عفی عنہ نے رسالہ ہذا کو خود فاضل مصنّف سلمہٗ سے حرفاً حرفاً سُنا، ایسے فتووں میں شرعاً جس قدر تدیّن واحتیاط وانصاف کی ضرورت ہے اُن کا پورا حق ادا کیا گیا ہے، حتیٰ کہ بانی تحریک سے بالمشافہ گفتگو کی بے حد کوشش کی گئی تا کہ اگر کوئی عذر یا تاویل محقق ہو جائے تو حکم میں تخفیف ہو جائے، لیکن بانی کی طرف سے بالکل اس کا موقع ہی نہیں دیا گیا اس لئے ضابطہ شرعیہ کے موافق حکم ظاہر کیا گیا جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اس تحریک میں شرکت کا انجام اسلام کا انعدام وانہدام ہے، حالاً یا مآلاً۔

اُمید ہے کہ ناظرین کو اس تحریک کے متعلق تمام ضروری احکام اور تمام شبہات کے جواب کافی وافی شافی طور پر واضح ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول اور ذریعہ ہدایت واصلاح فرمائے آمین۔ بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ سائر الانبیاء وآلھم واصحابھم اجمعین۔

آخر شعبان ۵۸ھ

از حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عمت فیوضہم

بندہ نے اس رسالہ کو حرفاً حرفاً دیکھا اور سُنا ہے میں اس سے حرفاً حرفاً متفق ہوں اور جو تحقیق اس میں مذکور ہے اُس کو حق وصواب سمجھتا ہوں۔

واللہ اعلم بالصواب

احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۹ شعبان ۵۸ھ

تھانہ بھون، خانقاہ امدادیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، وَلَا سِیَّمَا سَیِّدِنَا مُحَمَّدِن الْمُجْتَبٰی وَمَنْ بِھَدْیِہٖ اھْتَدٰی.

امابعد!

ای بہ سراپردہ یثرب بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

عنایت اللہ خاں صاحب مشرقی اور اُن کی تحریک خاکساری وقت کے اہم مسائل میں داخل ہوگئی، اطرافِ ملک سے اکابر علماء کے پاس اس بارے میں مختلف سوالوں کا ہجوم ہے، کوئی مشرقی تحریک کے خوبصورت اُصول خدمتِ خلق و تنظیم و عسکریت پر فریفتہ ہے، کوئی اُن کی تصانیف تذکرہ وغیرہ کے کلماتِ کُفریہ پیش کر کے اُن کا شرعی حکم دریافت کرتا ہے۔

کیونکہ مسلمانوں کی تنظیم وتقویت اور خدمت عامہ کا اصول اگرچہ اسلام کے اہم مقاصد میں سے ہے اور وقت کی اہم ضرورت اس کو مقتضی ہے مگر یہ سب چیزیں اُسی وقت قابل نظر ہو سکتی ہیں جب کہ وہ اسلام کی تقویت کا سبب بنیں اور اگر اسلام وایمان ہی کی تحریف کر ڈالی جائے اور ساڑھے تیرہ سو برس کے اسلام کو غلط بتا کر نئے اسلام کی بُنیاد ڈالی جائے تو ان چیزوں سے کیا فائدہ، یوں تو خدمت عامہ ہندوؤں کی جماعت سیوا سمتی میں بھی ہے اور عسکریت انگریز جرمن، جاپان میں بھی بغایتِ کمال موجود ہے۔

الغرض مسئلہ کی نزاکت واہمیّت کا خیال فرما کر بعض حضرات اکابر نے احقر کو مامور فرمایا کہ مشرقی کی تصانیف اور اُن کی تحریک کے پورے لٹریچر کو غور وانصاف اور امانت

واحتیاط سے دیکھ کر جو چیز ثابت ہو وہ اُن کی خدمت میں پیش کرے۔

حضراتِ علماء کی احتیاط

اور کُفر واسلام کے مسئلہ میں انتہائی احتیاط جو اپنے بزرگوں کا دائمی معمول ہے اُس کے پیشِ نظر یہ ہدایت فرمائی کہ:

(الف) مشرقی عقائد وخیالات کے متعلق محض اُن کی جملوں اور عبارتوں پر کفایت نہ کی جائے جو محض اخبارات ورسائل میں اُن کی کتابوں کے حوالہ سے لکھی گئی ہیں، بلکہ خود اُن کی تصانیف کا مطالعہ کیا جائے۔

(ب) مطالعہ میں بھی صرف نشان کردہ عبارات پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ استیعاب کے ساتھ پوری بحث پڑھ کر فیصلہ کیا جائے۔

(ج) مطالعہ میں اس کا بھی اہم اہتمام ہو کہ گرد وپیش کے مقالات وخیالات سے خالی الذہن ہو کر دیکھا جائے۔

(د) جن عبارتوں میں کوئی تاویل محتمل (گو بعید ہی ہو) ہو سکے اُس میں تاویل کر کے نظر انداز کیا جائے۔

احقر نے مشرقی کی تین تصانیف تذکرہ، اشارات، قولِ فیصل کا بہت بڑا حصّہ مذکور الصدر ہدایات کے ساتھ بغور وانصاف مطالعہ کر کے اُن کی قابلِ اعتراض عبارتیں اور اُن پر شرعی حکم مفصّل لکھ لیا۔

احتیاط کا دوسرا قدم

مشرقی کو مخلصانہ دعوتِ مفاہمت

مشرقی کے خیالات وعقائد اور تحریک خاکساری کی شرکت کے متعلق رسالہ مکمل ہو چکا تو اپنے بزرگوں کی یہ رائے ہوئی کہ کسی شخص یا اُس کی بنائی ہوئی جماعت کے متعلق کوئی فتویٰ لکھ کر اُن کو مسلمانوں سے علیحدہ کر دینا یا اُن کو گناہ گار قرار دینا اگرچہ سوالات کے

جواب کے لئے کافی ہے لیکن اسلامی ہمدردی و خیر خواہی کا مقتضی یہ ہے کہ رسالہ کی اشاعت سے پہلے خود مشرقی سے اس معاملہ میں بالمشافہ گفتگو کر کے اس کا اطمینان کرلیا جائے کہ جو کچھ اُن کی عبارتوں سے سمجھا جاتا ہے یہی اُن کا خیال و مذہب ہے، یا کچھ اور۔ نیز یہ کہ اُن کے اس خیال میں کوئی تغیّر ہوا یا نہیں، نظر بریں احقرؔ نے ایک وفد کی صورت میں مل کر بالمشافہ گفتگو کرنے کے لئے مشرقی سے خط و کتابت کی جس کی تفصیلی نقل بغرض اطلاع لکھی جاتی ہے تاکہ ہر دیکھنے والا دیکھ لے کہ ہم نے ''لیھلک من ھلک عن بینۃٍ ویحییٰ من حیّ عن بینۃٍ'' ترجمہ (تاکہ جو شخص ہلاک ہو وہ حجت سے ہلاک ہو اور زندہ رہے وہ حجت سے زندہ رہے ۱۲ منہ) کے اُصول کے پیشِ نظر اس معاملہ میں کس قدر انتہائی احتیاط و تحمل سے کام لیا ہے اور باوجود اس بدزبانی کے جو علماء اسلام و اہلِ اسلام کے متعلق مشرقی کی تمام تصانیف میں اوّل سے آخر تک بھری ہوئی ہے ہم نے اپنے طرزِ بیان میں موعظہ حسنہ سے تجاوز نہیں کیا، واللہ الھادی وھو المستعان۔

پہلا رجسٹری خط مشرقی کے نام

محترم المقام السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کچھ عرصہ سے تحریک خاکساری اور آپ کے مسلک کے متعلق بکثرت سوالات استفتاء یہاں آرہے ہیں، جن میں آپ کی تصانیف سے نقل کر کے کچھ عبارتیں بھی درج ہوتی ہیں ہمارے بزرگوں کا طرز چونکہ ایسے معاملات میں ہمیشہ نہایت محتاط رہا ہے اس لئے ہم نے منقولہ عبارتوں پر کوئی فیصلہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور آپ کی تصانیف تذکرہ عربی ،تذکرہ اُردو، اشارات، قول فیصل اور مولوی کا غلط مذہب نمبر ۱/تا ۱۱/و ۱۵/و ۱۶/اور جھوٹ کا پول، میری سخت گیریاں اور مختلف اشتہارات خود دیکھے اور الحمدللہ کہ بالکل خالی الذہن اور تمام گردوپیش کے فتوؤں سے یکسو ہو کر انصاف سے دیکھے، ان کو دیکھنے کے بعد بھی ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے مسلک اور عقائد کی تائید یا تردید کرنے سے پہلے خود آپ

سے بالمشافہ کچھ مخلصانہ گفتگو کرلیں، ہماری حاضری کی غرض (متعارف) مناظرہ قطعاً نہیں بلکہ صرف یہ ہے کہ آپ کے مسلک اور جذبات وخیالات ٹھیک ٹھیک معلوم کرلیں اور اگر آپ اجازت دیں تو اپنی مخلصانہ معروضات آپ کی خدمت میں پیش کردیں۔اس لئے عرض ہے کہ آپ کوئی تاریخ قریبی زمانہ میں متعین فرمادیں تو احقر حاضر ہوجائے احقر کے ساتھ دواور اصحاب بھی ہوں گے جو اس مخلصانہ گفتگو میں بالکل احقر کے ہم خیال ہیں، کیا عجب ہے کہ محض مخلصانہ عرض معروض سے کوئی اچھی صورت پیدا ہوجائے۔

آپ کے جواب کا ۱۴ رجمادی الثانیہ ۵۸ھ مطابق یکم اگست ۳۹ء تک انتظار کرکے کوئی رائے قائم کی جائے گی۔

والسلام
ناظم دارالاشاعت ومدیر المفتی دیوبند
۷ رجمادی الثانیہ ۵۸ھ

جواب از جانب مشرقی

۱۹۳۹/۷/۲۷ ۶۸۷ نمبر ۳۸۲۴۰

مکرم ومحترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا رجسٹری شدہ خط دفتر الاصلاح میں موصول ہوا علامہ مشرقی صاحب نے کوئٹہ مرکزی کیمپ کے خطاب میں صاف طور پر واضح کردیا ہے کہ تذکرہ میں کیا لکھا ہے وہ پرچہ ارسال کیا جارہا ہے آپ بغور پڑھیں اُمید ہے کہ اُس کے پڑھنے سے جناب کی پوری پوری تسلی ہوجائے گی اور کسی مزید استفسار کی ضرورت نہ رہے گی، اُمید ہے کہ جناب بخریت ہوں گے۔

والسلام
ذوالفقار اسمٰعیلی مینجر

دوسرا خط مع سوالات

۲۷/جمادی الثانیہ ۵۸ھ
۱۴ اگست ۳۹ء
محترم المقام السلام علیکم ورحمۃ اللہ

احقر کے خط مورخہ ۲۲ جولائی ۳۹ء کے جواب میں گرامی نامہ مورخہ ۲۷ جولائی ۳۹ء وصول ہوا جس میں تحریر فرمایا ہے کہ "کوئٹہ مرکزی کیمپ کے خطاب کا ایک پرچہ بھیجا جاتا ہے اُس میں بتلایا گیا ہے کہ تذکرہ میں کیا لکھا ہے اُس کے مطالعہ سے پوری تسلی ہو جائے گی"۔

لیکن آج ۱۴ اگست ۳۹ء تک اُس کا انتظار کیا گیا یہ پرچا نہیں پہنچا، اس لئے اب کام کو مختصر کرنے کے لئے چند سوالات ارسال خدمت کر رہا ہوں جو جناب کی تصانیف دیکھنے سے پیدا ہوئے ہیں۔

یقین فرمائیں کہ ہماری غرض نہ بالمشافہ گفتگو سے کوئی رسمی بحث ومناظرہ تھی اور نہ اب سوالات سے یہ مقصود ہے، بلکہ مقصود صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ آپ کی تصانیف سے جو کچھ ہم نے سمجھا ہے وہی آپ کی مراد ہے یا کچھ اور۔ اور پھر اگر یہی مراد ہے تو جو چیزیں اُس میں قرآن وحدیث کے صریح مخالف نظر آتی ہیں اُن کا حل آپ کی نظر میں کیا ہے، برائے کرم ان سوالات کے مفصل جوابات سے جلد مطمئن فرمائیں گے، کسی خاص سوال کا جواب اگر کوئٹہ کے خطاب میں مفصل مذکور ہو تو وہ بھی بھیج دیا جائے، مگر سوالات کی خصوصی نوعیت پر نظر فرما کر جواب کی تکلیف فرمائی جاوے۔ ۲۵ اگست تک جناب کے جواب کا انتظار رہے گا۔

بندہ محمد شفیع عفا عنہ
ناظم دار الاشاعت والمفتی دیوبند

مشرقی سے چند سوالات

از جانب احقر محمد شفیع ناظم دارالاشاعت ورسالہ المفتی دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوالات

۱)...... آپ کی عبارات تذکرہ اُردو دیباچہ صفحہ ۸۶ وصفحہ ۸۷ اور تذکرہ عربی صفحہ ۵۴ وحاشیہ صفحہ ۲۰ وصفحہ ۲۱۱ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عقائد سرے سے کوئی چیز نہیں ہر شخص جو چاہے عقائد رکھے اُس کے اسلام وایمان پر اس کا کچھ اثر نہیں، نیز انہیں عبارات میں یہ بھی مذکور ہے کہ مسلمان ہونے کے لئے کسی کلمہ کے اقرار وشہادت کی کوئی حاجت نہیں۔

اس کے برخلاف رسالہ غلط مذہب صفحہ (۱۱) میں آپ نے خود اپنے عقائد کا اعلان کیا ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا آپ کا یہ اعلان تذکرہ کی عبارات مذکورہ سے رجوع اور اُن کے غلط ہونے کا اعلان ہے یا اُن دونوں کی کوئی تطبیق آپ کی نظر میں ہے اگر ہے، تو کیا؟۔

اور اگر اب بھی آپ کا خیال وہی ہے جو عبارات تذکرہ مذکورۃ الصدر میں بیان کیا گیا ہے تو آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ مندرجہ ذیل کا آپ کے نزدیک کیا حل ہے، جن میں صراحۃً عقائد پر کفر وایمان کا مدار ہونا مذکور ہے:

قال تعالٰی ''الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان''، وقال تعالٰی ''ومن یعمل من الصّٰلحٰت من ذکر اواُنثٰی وھو مؤمن فاولئک یدخلون الجنّۃ ولا یظلمون نقیرا''، ''والَّذین فی قلوبھم زیغٌ'' وقال تعالیٰ،'' اولئک لم یؤمنوا فاحبط اللّٰہ اعمالھم''.

---

(۱) بعض آیات زیادہ صریح ہونے کی وجہ سے بغرض افادہ بعد میں بوقت اشاعت اضافہ کی گئی ہیں ۱۲۔

نیز حدیث صحیح جس میں اسلام کی تفسیر خود آنحضرت ﷺ نے یہ فرمائی ہے:

ان تشهد ان لااله الا الله وان محمدًا رسول الله۔ الحدیث

اور ایمان کی تفسیر اسی حدیث میں یہ فرمائی ہے کہ:

ان تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر وتؤمن بالقدر خيره وشره۔ الحدیث

نیز حدیث هلا شققت قلبه اور حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ:

من شهد ان لااله الا الله وحده لاشريك له وان محمدًا عبده ورسوله (الى ان قال) ادخله الله الجنة على ما كان من عمل (بخاری ومسلم) وامثالها۔

۲)...... کیا مذہب اسلام مدارِ نجات نہیں، بلکہ ہر مذہب پر رہ کر نجات آخرت حاصل ہوسکتی ہے جیسا کہ تذکرہ عربی صفحہ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷ سے معلوم ہوتا ہے۔ اگر آپ کا خیال یہی ہے تو پھر آیت:

ان الدين عند الله الاسلام ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه

کا کیا مطلب ہے نیز آیت کریمہ فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم کا کیا حل ہے۔

۳)...... تذکرہ عربی صفحہ نمبر ۳۰، ۴۰، ۴۳، ۴۴، ۴۶، ۴۸، ۴۹، ۵۵، ۵۶، ۶۹، ۸۵، ۸۹، ۹۳۔ میں اور اشارات صفحہ ۹۹ میں بصراحت مذکور ہے کہ موجودہ نصاریٰ اور بُت پرست اقوام جو باہم منظّم اور زمین پر غلبہ وتمکن رکھتے ہیں وہ حقیقی معنی میں موحدّین، مؤمنین، صلحاء ابرار، مفلحین آخرت میں نجات اور جنت کے مستحق ہیں۔

لیکن اس کے خلاف آپ نے رسالہ جھوٹ کا پول صفحہ ۹ میں لکھا ہے کہ انگریز جرمن، جاپان وغیرہ مسلمانوں کے نزدیک ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتے ہیں، نہ جنت کے حقدار۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ آپ کی یہ تحریر تذکرہ کی عبارات کا رَد اور اُن سے رجوع ہے یا دونوں تحریروں میں کوئی تطبیق آپ کی نظر میں ہے، اگر ہے تو کیا؟

۴)...... کیا اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلٰوۃ والسّلام کے تمام مسلمان جن کو دنیا میں غلبہ وسلطنت حاصل نہیں سب کے سب گمراہ، کافر، مشرک ہیں، جیسا کہ تذکرہ عربی کی عبارات مذکور سابقہ در سوال (۳) سے ظاہر ہوتا ہے۔

اور اگر آپ کا عقیدہ یہ نہیں ہے تو ان عبارات کا مطلب کیا ہے؟

۵)...... کیا بجز تنازع للبقاء اور دنیا میں تحصیل غلبہ وسلطنت کے اسلام میں کوئی عبادت اور کوئی عمل مطلوب و مقصود نہیں، جیسا کہ عبارات تذکرہ اُردو دیباچہ صفحہ ۹۳ و ۹۴ و ۹۷ و ۹۸ و ۱۰۰ اور تذکرہ عربی صفحہ ۴۳ سے سمجھا جاتا ہے۔

اگر آپ کا عقیدہ یہی ہے تو آیت

الذین ان مکنا هم فی الارض اقامو االصلٰوۃ

میں جو غلبہ و تمکن فی الارض کو غیر مقصود اور اُس سے اصلی مقصد اقامت صلوٰۃ وغیرہ کو قرار دیا ہے اس کا کیا حل ہے اور حدیث

بنی الاسلام علی خمس شهادۃ ان لااله الااللّٰه وان محمدًارسول اللّٰه واقام الصلٰوۃ وایتاء الزکوٰۃ.

الحدیث۔ کا کیا مطلب ہے؟۔

۶)...... تذکرہ عربی ص ۳۲ وصفحہ ۲۳ میں مذکور ہے کہ جس شخص کو دنیا میں نعمت غلبہ وسلطنت حاصل نہیں آخرت کی نعمت بھی نہ ملے گی، جو یہاں محروم ہے وہ

آخرت میں بھی محروم رہے گا۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر آپ کے نزدیک آخرت کی نجات اور نعمتیں اور جنت کا ملنا اس پر موقوف ہے کہ دنیا میں سلطنت وغلبہ اور مال ودولت کا مالک ہو تو وہ انبیاء علیہم السلام جو دنیا میں اپنی قوموں پر غلبہ نہ پا سکے بلکہ اُن کے ہاتھوں مقتول ہو گئے جس کی خبر قرآن مجید کی متعدد آیات میں ہے ویقتلون النبیین وغیرہ، کیا معاذ اللہ وہ جنتِ آخرت سے محروم ہیں اور حضرت لوط علیہ السلام جو کفار کے نرغہ سے اپنے گھر والوں کو بھی نہ بچا سکے اور فرمایا لو کان لی بکم قوۃ او اٰوی الیٰ رکن شدید۔ اُن کے بارے میں کیا فیصلہ ہوگا؟

۷)...... تفسیر قرآنِ مجید میں صحیح اور غلط کا معیار کیا ہے؟

۸)...... کسی آیت کی تفسیر جو خود آنحضرت ﷺ سے منقول ہو اُس کے معارض ومخالف کوئی تفسیر کرنا کسی کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

۹)...... حضراتِ صحابہ وتابعین جو تفسیر قرآن کے بارہ میں آنحضرت ﷺ کے بلا واسطہ یا صرف ایک واسطہ سے شاگرد ہیں اُن کی تفاسیر کے معارض کوئی تفسیر کرنا درست ہے یا نہیں؟

۱۰)...... تذکرہ میں بہت سی آیات قرآنیہ کی ایسی تفسیر لکھی گئی ہے جو تمام علماء سلف وخلف کے مخالف ومعارض ہے کیا اس کے یہی معنی نہیں کہ ساڑھے تیرہ سو برس میں اُمت میں سے کسی نے قرآن کو نہیں سمجھا؟

۱۱)...... آپ کی تحریک خاکساری عسکری تنظیم، خدمت خلق وغیرہ کی غرض اگر مسلمانوں کی قوت کو ترقی دینا ہے تو اس کے لئے مسلمانوں کے قدیم عقائد میں اُس تبدیلی کی کیا ضرورت تھی جو تذکرہ میں درج ہے، اگر مسلمانوں کو اپنے قدیم عقائد پر رکھ کر آپ ان سے عسکری تنظیم اور خدمتِ خلق کا کام لیتے تو اس میں کیا حرج تھا اور عسکریت میں کیا خلل آتا تھا، بالخصوص جبکہ یہ معلوم ہے کہ کوئی عالم خواہ کتنا ہی بدعمل اور عسکریت وجہاد سے

خود جان چُرانے والا ہو، مگر اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جہاداور خدمت خلق کرنے والوں کواُس نے کبھی نہیں رُوکا۔ کہ اُن کے خلاف جہاد کرنے کوتحریک کا مقدمہ قرار دیا جاسکے؟۔

۱۲)...... کیا امیر کی اطاعت بالکل نبی ورسول کی برابر بلا قیدوشرط ہے جیسا کہ رسالہ غلط مذہب ۴، صفحہ ۱۷ و ۲۱ و ۲۲ میں مرقوم ہے یا خلاف شرع حکم دینے کی صورت میں امیر کی اطاعت ترک کرنا ضروری ہے؟۔

پہلی صورت میں احادیثِ صحیحہ **لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق** وغیرہ کا کیا مطلب ہوگا۔

والسّلام

بندہ **محمد شفیع** عفااللہ عنہ

۲۷/ جمادی الثانیہ ۵۸ھ

جواب از جانب مشرقی

۱۷/ ۸/ ۳۹

محترم بندہ، السلام علیکم

جناب والا کا خط دفتر الاصلاح میں موصول ہوا، اعتراضات کے خطوط کے متعلق ادارہ علیہ کا حکم ہے کہ دفتر اُس کا براہ راست جواب دے اور فیصلہ کے لئے پیش نہ کئے جائیں، ادارہ اصلاح بھی ان خطوط کا جواب حتی الوسع نہیں دیتا کیونکہ اگر دفتر ادھر متوجہ ہوجائے تو پھر کام ہرگز نہیں ہوسکتا، جناب والا کو کوئٹہ کیمپ کے خطاب کا ایک پرچہ اُسی دن بھیج دیا گیا تھا اور یقین ہے کہ آپ کو پہنچا ہوگا مگر چونکہ جناب نے لکھ دیا ہے کہ نہیں پہنچا اس لئے مجھے ۴/ جرمانہ ہوا ہے اور اب پھر پرچہ بھیج رہا ہوں اگر اتنی بڑی لٹریچر کے بعد جتنی کہ خاکساری تحریک کی ہے اور جس میں کوئی معقول

اعتراض نہیں چھوڑا گیا، اطمینان نہیں ہوتا تو پھر خدا حافظ۔ آپ کے اعتراضات میں سے ایک ایک کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کیونکہ ان سب کا جواب تذکرہ میں موجود ہے ،اعتراض نمبر ۳ میں تو حیرت ہے کہ اس کا جواب خود آپ کی لکھی ہوئی عبارت کے اندر موجود ہے، تذکرہ کے متعلق صاف اعلان ہو چکا ہے کہ اس میں کسی حرف سے بھی اب تک رجوع نہیں کیا گیا، اس لئے جب رجوع نہیں ہوا تو آپ ہی انصاف کیجئے، جتنا غور سے پڑھیں گے اور ایک ایک لفظ پر توجہ کریں گے تذکرہ خود بخود روشن ہوتا جائے گا۔

خدا کے کلام سے فریب جو انسان کرتا ہے اُس کے واسطے دنیا اور آخرت دونوں میں رسوائی لکھی ہے آپ بھی اگر خدا تعالیٰ کے کلام کو اسی نقطۂ نظر سے پڑھیں گے، حدیث شریف کو قرآن کے مطابق کرنے کی کوشش کریں گے نا یہ کہ قرآن کو حدیث شریف کے مطابق کیا جائے سب مشکلات واضح ہو جائیں گی، ابھی اس امر کی ضرورت ہے کہ خالی الذہن ہو کر اور تذکرہ کی عبارت کے ایک ایک لفظ پر غیر متعصبانہ توجہ دے کر پڑھیں کوئی اعتراض باقی نہیں رہ سکتا، ادارہ الاصلاح درس قرآن کا مکتب نہیں ہے کہ ان نکات کو فرداً فرداً واضح کیا جائے ،میں نے جناب والا کے طول وطویل خط کے جواب میں یہ سطریں لکھنے کی جرأت کی ہے ورنہ دفتر الاصلاح اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ جواب دیا جائے ،مجھ سے اگر کوئی گستاخی ہوگئی ہو تو معاف فرمائیں۔ فقط والسلام

احقر ذوالفقار
مینجر

میری طرف سے تیسرا خط

۷۸۶

بندہ محمد شفیع عفاعنہ
از دار الاشاعت دیوبند
۶ ؍رجب ۵۸ھ

مکرم بندہ۔ السلام علیکم

گرامی نامہ مورخہ ۱۷ راگست وصول ہوا، افسوس ہے کہ کوئٹہ کے مرکزی خطاب کا پرچہ جس کے بھیجنے کے لئے اُس میں لکھا ہے اب بھی نہیں پہنچا، تعجب ہے کہ خط پہنچ جاتا ہے اور پرچہ نہیں پہنچتا، اب آپ برائے کرم یہ پرچہ بذریعہ ویلو مذکور الصدر پتہ پر فوراً بھیج کر ممنون فرمائیں، بلا ویلو یا بلا رجسٹری نہ بھیجا جائے کہ ڈاک میں ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے۔

والسلام

بندہ محمد شفیع عفی عنہ
ناظم دار الاشاعت و مدیر المفتی دیوبند

پرچہ اصلاح وصول ہو گیا

اس خط کے لکھنے سے چار روز بعد وہ پرچہ اصلاح کا جس کا حوالہ مشرقی کے خطوں میں تھا ڈاک سے وصول ہو گیا، جس کی اطلاع اُسی روز مشرقی کو دے دی گئی کہ پرچہ پہنچ گیا۔

اس پرچۂ اصلاح میں کیا تھا

احقر نے اس پرچہ کا مضمون اس شوق میں پڑھا کہ اس میں سولات کا جواب ہوگا مگر افسوس کہ اُس میں ہمارے سوالات کے جواب کا ایک حرف نہ تھا بلکہ وہ ہی کُفریات جن کو تذکرہ کی طول وطویل مکرر سہ کرر عبارتوں کے الجھاؤ میں ڈالا ہوا تھا اُن کا خلاصہ اس مرکزی خطاب میں بیان کر دیا گیا ہے اور بس۔ جس کا جی چاہے یہ پرچۂ اصلاح دیکھ کر حقیقت معلوم کر سکتا ہے اُلٹا سیدھا غلط صحیح جواب ہوتا تو یہی سمجھا جاتا کہ ان لوگوں کی رائے غلط ہے وہ غلط جواب کو صحیح سمجھ رہے ہیں، مگر افسوس کہ جناب مشرقی اور اُن کا ادارہ علیہ اور اربابِ اصلاح کسی شخص کے ساتھ انسانیت کا معاملہ کرنا بھی گوارہ نہیں کرتے کہ بات کا جواب دے دیں، اس خط میں اوّل تو احقر پر جھوٹ کا الزام قائم کیا ہے کہ پرچہ اصلاح پہنچنے کے باوجود میں نے لکھ دیا کہ پرچہ نہیں پہنچا، کوئی پوچھے کہ آپ نے بلا رجسٹری یہ

پرچا بھیجا ہے اُس کے پہنچنے کی آپ کے پاس کون سی قطعی حجت تھی جس کی بناء پر مخاطب کو جھوٹا قرار دیا گیا۔

پھر آپ لکھتے ہیں کہ تیرے سب سوالات کا جواب خود تذکرہ میں موجود ہے لیکن تذکرہ کے دیکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ احقر کے سوالات میں سے ایک کا جواب بھی تذکرہ میں موجود نہیں اور اگر (بقول مشرقی کہ ہر شخص تذکرہ کو نہیں سمجھ سکتا) یہ احقر نہ سمجھا ہو تو دنیا میں کسی نے تو سمجھا ہوگا جس کا جی چاہے تذکرہ کی عبارت وصفحہ کا حوالہ دے کر بتلا دے کہ تیرے فلاں سوال کا جواب فلاں عبارت میں ہے۔

تذکرہ کی طول طویل عبارتوں کے پڑھنے کی تکلیف تو کون کرے گا میں ایک نمونہ اسی خط کا پیش کرتا ہوں جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ ہمارے سولات کے ایسے ہی جواب تذکرہ میں ہوں گے۔

اسی خط میں لکھا ہے کہ ’’اعتراض نمبر ۳ میں تو حیرت ہے کہ اس کا جواب خود آپ کی لکھی ہوئی عبارت میں موجود ہے۔‘‘

آپ ہمارے سوال کو مکرر پڑھ کر غور فرمائیں کہ اس سوال کا جواب اس عبارت میں کیا ہے اور کونسا ہے ہم نے مشرقی کی دو متعارض عبارتیں پیش کر کے سوال کیا تھا کہ ان میں صحیح کون ہے اور غلط کون، یا کوئی تطبیق ہو سکتی ہو تو بتلائی جائے، آپ نے ایک عبارت کے معارض دوسری عبارت لکھنے کو جواب قرار دیا ہے۔

بریں علم وحکمت بباید گریست

قابل توجہ ناظرین

اس تمام مراسلت میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ باوجود اُس بدزبانی کے جو مشرقی نے بحق علماء اسلام اپنی تصانیف اور لکچروں میں اپنا شعار بنا رکھی ہے، ہم نے کس قدر متانت اور خلوص کے ساتھ اُس کو مفاہمت کی دعوت دی، اس دعوت پر وہ آمادہ نہ ہوئے تو سوالات لکھ کر بھیجے۔ مگر مشرقی صاحب نے ہماری کُل عرض داشتوں

کے سُننے کے لئے ادارہ علیہ کے بام بلند سے نیچے کی طرف توجہ مبذول کرنے کی زحمت گوارہ نہ فرمائی۔

خود تو جواب ہی نہیں دیا، دفتر الاصلاح کے حوالہ کیا گیا، وہاں سے جو جوابات آئے وہ آپ نے ملاحظہ فرمالئے کہ وہ کسی مفاہمت اور اصلاحی گفت وشنید کی طرف ہرگز آنا نہیں چاہتے اس لئے اب ہم مایوس ہیں کہ وہ راستہ پر آئیں یا کسی اہل علم کو مطمئن کرسکیں۔

اس لئے اب ہم اوّل مشرقی کے خیالات وعقائد کا خلاصہ خود اُن کی زبان سے اُن کی تصانیف کے مکمل حوالے کے ساتھ پیش کرتے ہیں تاکہ مسلمان دیکھ لیں کہ مشرقی جس اسلام کے لئے قوت وعسکریت فراہم کررہے ہیں وہ تیرہ سو برس کے مسلمانوں کا اسلام نہیں، وہ قرآن کا اسلام نہیں وہ رسول اللہ ﷺ کا اسلام نہیں بلکہ وہ اسلام اُن کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کی رُوح سے تمام موجودہ یوروپین نصاریٰ اور مادہ پرست دھریئے (جو سرے سے خدا کے وجود ہی کو نہیں مانتے، رسول اور کتاب اللہ کا تو کہنا کیا) اور بتیس (۳۲) کروڑ دیوتاؤں کے پوجنے والے ہندو تو حقیقی موحد، سچے مسلمان، اولیاء، صلحاء، دنیا وآخرت کی جنتوں کے مالک ہیں اور وہ لوگ جو ساڑھے تیرہ سو برس سے اسلام میں داخل ہیں خدا تعالیٰ کی کتاب اور اُس کے رسول کی عزت وناموس پر اپنا مال، اپنی جان، اپنی اولاد سبھی کچھ قربان کرتے ہیں وہ مشرک جہنمی ہیں۔ مشرقی کے حالات معلوم کرنے کے بعد درحقیقت کسی تردید کی حاجت باقی نہیں رہتی۔

تاہم، ہم نے برعایتِ عوام مشرقی کے خیالات وعقائد لکھنے کے بعد قرآن وحدیث کی روشنی میں اُن شبہات کو بھی رفع کردیا ہے جن کی آڑ لے کر مشرقی نے نئے اسلام کی تعمیر کی ہے، اس کے بعد تحریک خاکساری میں شرکت کے متعلق احکام بیان کئے ہیں اب اوّل مشرقی کے عقائد وخیالات لکھے جاتے ہیں اُس کے بعد اُن کا حکم اور شبہات کی تردید لکھی جائے گی، پھر جماعت خاکساران کی شرکت کے احکام۔

وباللّٰہ التوفیق وھو بہ حقیق

عنایت اللہ صاحب مشرقی کے خیالات وعقائد

منقول از تذکرہ (۱)، اشارات، قول فیصل وغیرہ

''مسلمانوں کو کسی عقیدہ اور کلمہ کی ضرورت نہیں''!

تمام عقائد کا انکار

''عقائد کا التزام بدمعاشی ہے''

عبارت اوّل

''میں نے عربی افتتاحیہ میں جو کچھ کہنا تھا حتی الوسع کہہ دیا'' (الی قولہ) ''وہ دس عظیم الشان اصول غیر مشکوک اور واضح الفاظ میں پیش کر دیئے ہیں جن کو پا کر اُمت محمدیہ کو چند لمحوں کے اندر زمین کی بادشاہت مل سکتی ہے جن پر دین اسلام کا تمام حصر ہے، جن پر خاتم الانبیاء کے لائے ہوئے قانون کی ساری بنیاد رکھی ہی نہیں بلکہ جو ہر بادشاہ قوم کا واحد اور دائم مذہب ہے اور جب تک زمین و آسمان ہیں یہی طرزِ عمل رہے گا اس مختصر فاتحہ کتاب کے اندر حتی الامکان الٰہی سند بھی دے دی ہے ایک نا قابل رد حجت کو قرآن عظیم سے لے کر تاویل کی فریب کاری اور عقائد کی بدمعاشی کو جڑ سے اکھیڑ دیا ہے'' (اس کے چند سطروں کے بعد ہے) بے خوف وخطر یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ اسلام عمل اور صرف عمل ہے جو عامل ہے اُس کا عقیدہ بھی درست ہے، نہیں بلکہ اُس کو کسی عقیدے یا زبانی قول کی ضرورت ہی نہیں جو قائل ہے وہ بہر نوع کچھ نہیں آج کچھ نہیں کل کچھ نہیں، ابد الآباد تک کچھ نہیں۔ انتہی دیباچہ تذکرہ اردو صفحہ ۸۶ و ۸۷۔

---

(۱) اس رسالہ میں جو صفحات درج ہیں وہ تذکرہ مطبوعہ ۲۴ء مطبع وکیل امرتسر اور اشارات مطبوعہ انارکلی لاہور اور قول فیصل مطبوعہ مجتبائی پریس شیرانوالہ لاہور سے لکھے گئے۔ ۱۲ منہ

قرآن کی تحریف ایمان واسلام کی ملحدانہ شرح کہ ایمان اسلام صرف عمل کا نام ہے

جہاں جہاں قرآنی آیات میں لفظ ایمان آئے گا وہاں مراد بھی اعمال لینے چاہئیں (حاشیۂ تذکرہ اُردو صفحہ ۱۸۳)

اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ عمل جو عین ایمان ہے کیا چیز ہے، ملاحظہ ہوں عبارات ذیل:

نماز کوئی عبادت نہیں نماز پڑھ کر ثواب کی اُمید حماقت ہے عبادت صرف زمین کی بادشاہت حاصل کرنا ہے

عبارت دوم:

(از تذکرہ دیباچہ اُردو صفحہ ۹۳ و ۹۴) پہلے نماز کی ایک مثال پیش کی ہے کہ جیسے کوئی نجار یا معمار اپنے اوزار کو تیز کرے تو یہ تیز کرنا خود مقصود نہیں بلکہ اس سے کام کرنا مقصود ہے اس کے بعد لکھا ہے:

پس میرے نزدیک اصل عبادت عمل اور صرف عمل ہے نری پنج وقتہ نماز پڑھ لینا کوئی عبادت نہیں۔ (اسی سلسلۂ عبارت کے خاتمہ پر ہے) اُس کا پیدا کیا ہوا ملکوتی اخلاق، اُس کے ذریعہ سے پائی ہوئی قوت، اُس کی وساطت سے حاصل کیا ہوا غلبہ بلاشبہ عبادت (۱) ہے خدا کی نوکری ہے، رب العالمین کی بندگی ہے، مگر وہ (یعنی نماز) آپ داخلِ عبادت نہیں، اوزار کو مزدور کے دن بھر کا کام سمجھنا یا اوزار دکھا کر مستاجر سے اُجرت طلب کرنا

(۱) اگر یہاں یہ کہا جاتا ہے کہ محض نماز پر قناعت کر کے اخلاق اور غلبہ قوت کی فکر چھوڑ دینا بُرا تو صحیح تھا لیکن یہ کہنا کہ اگر اخلاق اور غلبہ وقوت نہ ہو تو نماز بھی بیکار ہے اس پر کچھ ثواب نہیں یہ قرآن کا کُھلا ہوا مقابلہ ہے، قرآن کا حکم ہے کہ جو شخص ذرّہ برابر نیکی کرتا ہے وہ اس کا ثواب ضرور پائے گا۔ (سورہ زلزال) ۱۲

حماقت ہے (الی قولہ) جو قوم نماز کی روزانہ چند اُٹھک بیٹھک یا بے روح رکوع وسجود کر کے اپنے آپ کو عابد خدا تصور کر رہی ہے اُس کی کم عقلی اور نا خدا دانی کا جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔ صفحہ ۸۶۔

روزہ اور حج وزکوٰۃ بھی کوئی عبادت نہیں

عبارتِ سوم:

(اسی سلسلہ میں تذکرہ دیباچہ اُردو صفحہ ۹۷ میں لکھا ہے)

(۱)...... بایں ہمہ عمر کے آخری حصہ میں اپنے بلغم (۱) سے بھرے ہوئے وجود کو عصا کے سہارے آستانۂ خدا پر پہنچا کر حج کے فرض کو ادا کیا ہوا سمجھنا، میری نگاہوں میں پرکاہ کی برابر عمل (۲) نہیں، عبادت قطعاً نہیں، توحید قطعاً نہیں،، صوم بھی میرے نزدیک صرف ایک جہاد نفس ہے۔ (والی قولہ)

(۲)...... صوم وصلوٰۃ، حج وزکوٰۃ کو رسمًا یا عادتًا یا تعظیمًا ادا کر لینا یا کلمۂ شہادت کو بصحت تمام پڑھ لینا میرے نزدیک کوئی عبادت نہیں، عبادت میری سمجھ میں اُسی کی ہو رہی ہے جس کے لئے عمل ہو رہا ہے۔ (الی قولہ)

(۳)...... عبادت کا فیصلہ عمل اور صرف عمل پر ہے۔ (الی قولہ)

(۴)...... اس دنیائے کسب وعمل کے اندر جو شے ضائع نہیں ہوتی وہ عمل ہے انی لا اُضیع عمل عامل منکم الایۃ۔ نماز اور زکوٰۃ اور حج اور روزے رسمًا ادا کر کے اور معنًا شیطان (۳) کی عبادت کر کے ضائع ہو سکتے ہیں۔ فخلف من بعد خلف الایۃ مگر صحیح یا غلط عمل ایک ذرّے کے برابر بھی ضائع (۴) نہیں ہوتا۔ (الی قولہ)

---

(۱) حجاج کے ساتھ استہزاء ہے ۱۲

(۲) یہ بھی آیت قرآن ومن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ کی تکذیب ہے۔ ۱۲

(۳) شیطان کی عبادت کو تو نہ کوئی مسلمان ظاہرًا کرتا ہے نہ معنًا۔

(۴)...... قرآنِ کریم کے اس ارشاد کی تکذیب اولئک لم یؤمنوا فاحبط اللہ اعمالھم وہ لوگ ایمان نہ لائے تو اُن کے اعمال اللہ تعالیٰ نے خبط وضائع کر دیئے ۱۲۔

(۵)......ظاہری قول اس زمین و آسمان کے اندر بہر نوع کچھ شئی نہیں اور جو قوم صرف ظاہر کو پکڑے ہوئے ہے اور باطن (۱) کو آرام کی خاطر نظر انداز کر رہی ہے وہ در حقیقت خدا تعالیٰ سے مکر کر رہی ہے، نہیں بلکہ اُس کا کافر اور مشرک خدا ہونے میں شک وشبہ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوگیا کہ مشرقی کے نظر میں جس طرح عقائد اور اقرار واقوال کوئی چیز نہیں بلکہ مقصود صرف عمل ہے اسی طرح عباداتِ اسلامیہ بھی عمل نہیں بلکہ عمل اُس کے نزدیک کوئی اور شئی ہے اب وہ عمل کیا چیز ہے ملاحظہ ہو عبارت ذیل:

نماز روزہ وغیرہ سب کی اصلی غرض دنیا کی ترقی ہے
ذکر، تسبیح، دعا کسی معنوں میں عبادت نہیں

عبارت چہارم:

(الف) (از تذکرہ اردو دیباچہ صفحہ ۱۰۰) اس عبادت خدا اس توحید، اس ملازمت رب العالمین کا واحد اور منتہا میری نگاہوں میں بنی نوع انسان کی اپنی بہتری ہے سب سے پہلے اس دنیا کے اندر بہتری ہے، قومی اور اجتماعی بہتری ہے سیاسی اور اقتصادی بہتری ہے، تمکن فی الارض، جنات زمین کی بادشاہت اور غلبہ ہے، استخلاف فی الارض اور بقاء ہے آگے چل کر اُخروی بہتری بھی ہے الجنۃ ہے۔ انتہیٰ

(ب) نماز، نفل، درود، ذکر، تسبیح، دعاء از روئے قرآن کسی معنوں میں عمل نہیں، نماز صرف (۲) مسلمانوں کی دنیا میں ایک ناقابل شکست اور عالمگیر جماعت پیدا کرنے کا ہتھیار ہے اگر اس اوزار کو تیز کرنے کے بعد تم نے اس سے ایک زبردست سپاہیانہ جماعت

(۱) اگر باطن سے مراد عقائد کی صحت ہے تو یہ مضمون صحیح ہے مگر مشرقی تو سرے سے عقائد کو کوئی چیز نہیں قرار دیتا، اس لئے اس باطن سے فرقہ باطنیہ والا باطن مراد ہوگا جو باجماع اُمت لغو ومردود ہی ہے۔ ۱۲

(۲) یہ وہی نماز کا ست (روح) نکال کر نماز کو بے باق کرنا ہے جیسے فرقہ باطنیہ نے کیا تھا۔ ۱۲

نہ بنائی تو وہ اوزار بے کار ہے، نماز بغیر جماعت کے کچھ شئی نہیں[1] لا صلوٰۃ الا بالجماعۃ صاف حدیث میں ہے اگر نماز پڑھنے سے مسلمانوں کی ایک دنیا کو فتح کرنے والی جماعت پیدا نہیں ہوتی تو وہ نماز اور کچھ بھی ہو لیکن خدا تعالیٰ کے ہاں صلوٰۃ[2] نہیں اقیموا الصلوٰۃ پر عمل نہیں۔ (غلط مذہب ۲ ص ۸)

ایضاً (ج) یہ سب قرآنی الفاظ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے انسانوں کے آنے کا مقصد قیام جماعت اور غلبہ کے سوا کچھ نہ تھا (غلط مذہب ۴ ص ۹)

اسلام صرف نظم ونسق اور قوت وغلبہ کا نام ہے اور توحید سے مراد اتحادِ عمل ہے

عبارت پنجم:

(از تذکرہ عربی صفحہ ۱۴۳)

افلم تؤمنوا من بعد مابينت كم ههنا بان الاسلام هو النظم والنسق والجد والجهد والسعى والعمل والقوة والاتحاد والغلبة والا من والاستبقاء من الله هل هو فى الدنيا حسنة وفى الاخرة حسنة وانما هو هذه بل كله' هذه لاشئى من دون ذٰلک وان هو الا ان تومنؤا بالتوحيد لتوحدواانفسكم وتصلوا لتنظموا اُمتكم وتصوموا التصبروا وتصابروا وتحجوا لترابطوا وتخالطوا وتنفقوا التقوواقومكم وتعاضدوا بينكم غالبين.

(۱) نبی کریم ﷺ اور صحابۂ کرام سے بہت سے نمازیں بلا جماعت پڑھنا ثابت ہے یہ آپ کے عمل کو لغو ٹھہرانا ہے۔
(۲) قرآن کے ارشاد کا صریح مقابلہ اور اُس کے مفہوم کو بالکل اُلٹ دینا ہے قرآن تو یہ کہتا ہے ان مکنا ہم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ جس کے معنی یہ ہیں کہ زمین کی بادشاہت سے مقصود صرف نماز کی آزادانہ اقامت ہے مشرقی نے اس کے خلاف نماز کو بادشاہت کا آلہ اور بدون اُس کے بے کار قرار دیا ہے۔ ۱۲

کیا تم اب بھی ایمان نہیں لائے میرے اس بیان کے بعد کہ اسلام صرف ایک انتظام اور جدو جہد اور کوشش وعمل اور قوت واتحاد اور غلبہ اور امن اور خدا تعالیٰ کے خوف کا نام ہے بلکہ وہ دنیا میں ایک بہتری ہے اور آخرت میں ایک بہتری۔ اس کے سوا نہیں کہ اسلام صرف اسی کا نام ہے بلکہ کل اسلام اسی میں منحصر ہے اس کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں اسلام اس کے سوا کوئی شئے نہیں کہ توحید پر ایمان لاؤ تو صرف اس غرض سے کہ تم آپس میں متحد ہو جاؤ، نماز پڑھو تو اس غرض سے کہ تم منظّم ہو جاؤ، روزہ رکھو تو اس غرض سے کہ تمہیں (جنگ میں) صبر کی عادت پڑے، حج کرو تو اس غرض سے کہ آپس میں ارتباط واتحاد پیدا ہو، خرچ کرو تو اس غرض سے کہ تمہاری قوم قوی ہو اور تم غالب ہو کر رہو۔

اللہ اور اُس کے رسول کی شان میں کیسے ہی گستاخانہ کلمات کہے جائیں وہ کُفر نہیں

عبارت ششم

انما الکفر ھو الاعمال من دون الکلمات والا قوال (تذکرہ عربی ص ۱۱۲)

کفر صرف اعمال کا نام ہے نہ کہ کلمات واقوال کا

وان(۱) حرثتم الفاظ القرآن اشد حرثا او فحصتم عنه اشد فحصا ایها المفتون المعاصرون فلن تجدوا فیه کفرا غیر هٰذاالانکار بالاعمال ولن تجدوا فیه کفرًا بالاا قوال.(۲)

(تذکرہ عربی ص ۱۲۷)

(۱) اگر تم الفاظ قرآن کی پوری چھان بین اور مکمل تحقیق کرو تو اے ہم عصر اہل فتویٰ تم سوائے عملی کفر کے کوئی قولی کفر قرآن میں ہرگز نہ پاؤ گے۔

(۲) آیت قرآنیہ ولقد قالوا کلمة الکفر کی تکذیب ہے ۱۲ منہ۔

عبارت ہفتم:

(ص ۵۴ منہ)فلا شک ان علمائنا کلهم نسوا أصل ديننا والفطرة (الی قوله)وكلهم اضربوا من بث هٰذا السرائر الی دين الاقوال والعقائد. انتہی

اس میں شک نہیں کہ ہمارے علماء ہمارے دین اور فطرت کی اصل کو بھول گئے اور سب کے سب ان اسرار کی اشاعت سے اعراض کر کے اقوال اور عقائد کے دین کی طرف لگ گئے۔

عبارت ہشتم

وفی حاشیه ص ٦٧ منه فیصدر من کل هٰذه الأیات اَن معاصری النبی کلهم او اکثرهم من اهل الکتاب والکفار وغیرهم کانوا یعتقدون بالسنتهم بالله کما یعتقد المسلمون فی زماننا ولکنه صلی الله علیه وسلم جاء لیشیع علمه تعالیٰ فیهم (الی قوله) والحق ان القول لیس بشئی وما قصدالله من الایمان الاقوال قط.

(حاشية تذكره عربی ص ٦٧)

اور اسی تذکرہ عربی کے حاشیہ صفحہ ٦٧ میں ہے ان تمام آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کے ہم عصر لوگ سب کے سب یا اُن میں سے اکثر اہل کتاب اور کفار میں سے اپنی زبانوں سے اللہ تعالیٰ کے معتقد تھے جیسے ہمارے زمانہ کے مسلمان معتقد ہیں لیکن آنحضرت ﷺ اس لئے آئے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اُن میں شائع کریں، پس حق یہ ہے کہ قول وقرار کوئی چیز نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ایمان سے اقوال کا کبھی قصد نہیں کیا۔

تمام موجودہ مسلمان مشرک و کافر ہیں اور بُت پرست صحیح معنوں میں موحد و مسلم ہیں اُن کو مشرک کہنا اندھا پن ہے

عبارت نہم:

(از اشارات ص ۹۶ تا ۹۹) اور قومیں اگر چہ منہ سے خدا کو ایک نہیں کہتیں مگر اپنا اکثر وقت خدا تعالیٰ کے حکموں (۱) کی تعمیل اور نفسانی بتوں سے بغاوت میں صرف کر کے یہ ثابت کر رہی ہیں کہ اُن کا حاکم وہی خدائے واحد ہے، پس جب توحید یہ ہے کہ دل (۲) میں کوئی بُت نہ رہے اور جب خدا کو ماننے کے کوئی دوسرے معنی لینا ناممکن ہے تو مسلمان یقیناً اس وقت ایک خدا کے ماننے والے نہیں، اس حالت میں مسلمان کا ہر وقت لا الٰـہ الا اللّٰـہ کہتے رہنا بے نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ سے انعام کی اُمید فضول ہے (۳) خدا تعالیٰ کو دھوکہ دینا کیا اپنے نفس کو دھوکہ دینا ہے، اور قومیں جو خدا سے انعام لے رہی ہیں نسبۃً اُس کی زیادہ فرمان برادار ہیں اُن میں اتحاد ہے تو اس لئے، اُن کے اکثر افراد میں ذاتی غرضوں، ایک دوسرے سے حسد اور دشمنی خود رائی اور کبر، یا ایک دوسرے کی پگڑی اُچھالنے کے پیارے بُت فنا (۴) ہو چکے ہیں۔ (الی قولہ) اُن میں تیس کروڑ دیوتاؤں کی پرستش کے باوجود سب کا طریق عمل ایک ہے تو اس لئے کہ اُن کے تیس کروڑ بُت دراصل بُت نہیں رہے۔

(اس کے بعد اسی قسم کی خواہشات کے بتوں کا فنا کرنا ایک طویل عبارت میں

---

(۱) کیا یہی حکموں کی تعمیل ہے کہ ہر وقت خدا اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں بُرا کہتے ہیں نبی ﷺ کے بتائے ہوئے احکام کو گمراہی کہتے ہیں نبی ﷺ کے متبعین کی جان و مال کے دشمن ہیں۔ ۱۲ منہ

(۲) دل میں بُت نہ رہنے سے اگر یہ مراد ہوتی کہ دل سے خدا کو ایک سمجھے تو یہ مضمون صحیح تھا مگر یہاں تو دل کا عقیدہ کوئی چیز نہیں بُت سے مراد وہ اعمال ہیں جو مشرقی کے نزدیک اچھے نہیں۔ ۱۲

(۳) حدیث رسول کی صریح تکذیب ہے، افضل الذکر لا الٰہ الا اللّٰہ۔ ۱۲ منہ

(۴) یہ واقعہ کے بھی خلاف ہے۔ ۱۲ منہ

ذکر کر کے لکھتے ہیں) الغرض اُن کی راہ ایک، کام ایک، منتہا ایک ہے اس لئے اُن کا آقا اور حاکم ایک ہے، خدا ایک ہے، دین ایک ہے، اگر خدا مختلف یا کئی ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ اس طرح متحد ہوتے۔ (الی قولہ) ایسی قوم توحید پر صحیح معنوں میں عامل ہے وہ دین اسلام پر چل رہی ہے اُس کو مشرک یا بُت پرست کہنا اندھاپن ہے۔ (اشارات ص ۹۹)

عبارت دہم:

تحریک خاکساری جس کو قول فیصل میں خالص مذہب قرار دیا ہے (صفحہ ۱۴) اُس میں شمولیت کی شرطیں لکھتے ہیں۔ تحریک میں شامل ہونے کے لئے صرف خدا پر کامل یقین اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ کا دلی قرار اور روزِ قیامت پر ایمان کی ضرورت ہے، اس سے زیادہ مسلمانی ہمیں درکار نہیں، ہمارے نزدیک قرونِ اولیٰ کے مسلمان انہیں تین چیزوں کو مضبوط پکڑ کر دنیا میں سر بلند ہو گئے تھے۔ (قول فیصل ص ۱۲ و ۱۳)

حاصل عباراتِ مذکورہ

عباراتِ مذکورہ سے مندرجہ ذیل امور بصراحت معلوم و مفہوم ہوتے ہیں:

(الف) عقائد کوئی چیز نہیں، دین میں اُن کی نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ ایمان واسلام کا اُن سے کوئی تعلق ہے اسی وجہ سے ایک شخص مشرکانہ عقائد رکھنے کے باوجود مؤمن اور اسلامی عقائد رکھنے کے باوجود مشرک ہو سکتا ہے۔

(ب) اقوال واقرار، کلمۂ شہادت پڑھنا یا اُس سے انکار کرنا سب برابر ہیں فضول ہیں۔

(ج) عباداتِ اسلامیہ نماز روزہ وغیرہ جن کو احادیث صحیحہ میں ارکانِ اسلام قرار دیا گیا ہے وہ دراصل نہ عبادت ہے نہ اعمال مطلوبہ۔

(د) ایمان، اسلام، مذہب، توحید، عبادت، سب کا مصداق صرف ایک عمل ہے یعنی زمین کی بادشاہت اور غلبہ وقوت حاصل کرنے کے لئے متحدہ کوشش کرنا۔ اور اسی کا

لازمی نتیجہ آخرت کی فلاح اور جنت بھی ہے۔ (یہ مضمون عبارت بست وہفتم جو آئندہ مذکور ہے اُس میں بھی بصراحت مذکور ہے)۔

اور جہاں تک ہم نے دیکھا اور غور کیا تمام تذکرہ عربی واُردو کا خلاصہ یہی مضمون ہے جو عربی واُردو عبارات میں مختلف عنوانات سے تذکرہ میں پھیلا ہوا ہے۔

یورپ کے نصاریٰ، مؤمن، متقی، صلحاء، ابرار ہیں دنیا میں بھی اُن کو فلاح ہے اور آخرت میں بھی

مذکور الصدر عنوان مشرقی کی بہت سی صریح وصاف عبارتوں کا خلاصہ ہے جن میں سے چند ذیل میں درج کی جاتی ہیں اور درحقیقت یہ عنوان پہلے ہی عنوان کا نتیجہ اور لازمی اثر ہے، کیونکہ جب ایمان وتقویٰ اور صلاح وفلاح میں عقائد اور اقرار واقوال کا کوئی دخل نہ رہا یہ سب چیزیں صرف ایک عمل یعنی دنیا میں غلبہ اور سلطنت کی کوشش کا نام قرار دیا گیا تو جو بُت پرست یا نصاریٰ یا کوئی دوسری قوم اس کوشش میں پائی جائے گی وہ مشرقی کی اصطلاح میں مؤمن مسلمان اور متقی وصالح ہوگی، مشرقی کی چند اپنی عبارات یہ ہیں:

عبارت یازدہم

فلا یزال الحکماء الطبعیون من المغرب یطلعون علٰی سرائر الطبعیة وعوائد العادة واحوال المو الید الثلاثة (الی قوله) حتی لاحت لهم الحقیقة واتضحت لهم الطریقة (الی قوله) وصاروا بالحق من عباداللّٰه المؤمنین المتفکرین العالمین العاقلین المؤقنین المتقین۔ (تذکرہ عربی ص ۴۰)

حکماء طبعیین اہلِ مغرب (یورپ) ہمیشہ سرائرِ طبیعت اور فوائد عادت اور موالید ثلاثہ کے احوال پر مطلع ہوتے رہے۔ (الی قولہ) یہاں تک کہ اُن پر حقیقت کُھل گئی اور صحیح طریقہ واضح ہوگیا۔ (الی قولہ) اور وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے اُن مؤمن بندوں

میں سے ہو گئے جو تفکر کرنے والے اور علماء وعقلاء ہیں اور یقین اور تقوی کے ساتھ متصف ہیں۔

حقیقی علماء یورپ کے نصاریٰ ہیں علماءِ اسلام علماء نہیں

عبارت دوازدہم:

أفعلمائكم المتشرعون الحاضرون العلماء بالحق في لغة القرآن ام الحكماء الغربييون الطبعيون المعاصرون الذين علموا عددالسنين والحساب ورأ واملكوت السمٰوات باليقين انزل القرآن لهم ام لكم قوم جاهلين. افكتا بكم هدى ورحمة لكم ام لقوم آخرين (الى قوله)اهم حريون بان يسموا العلماء ام الغربييون الذين جعلوا عالي الارض اسافلها وبدلوا اسافلها بعاليها وصعيدها بجرزها وغوّروا في بطنها. وصعدوا علىٰ جبالها ولم يغادروا من الارض شيئا الاعرفوا حسنها وقبحها وزينوا الارض بزخارفها وحلّوها بحلية العلم والايجاد والفضل والرحمه. الذين احسنوا في هٰذه الدنيا علما وعملا اصلحوا بالهم في الدنيا والآخره فاتوني بشهادة علمكم ان كنتم صادقين.

پس کیا تمہارے پابند شریعت علماء حاضرین حقیقۃً علماء ہیں یا ہمعصر مغربی (یورپین) حکماء طبعیین جنہوں نے عدد سنین وحساب کو معلوم کیا اور آسمانی ملکوت کو یقین کے ساتھ دیکھ لیا، کیا قرآن ان کے لئے نازل ہوا یا تمہارے لئے، اے جاہلوں کی قوم! پس تمہاری کتاب تمہارے لئے ہدایت ورحمت ہے یا دوسری قوموں کے لئے۔ (الی قولہ) پس کیا وہ لوگ (یعنی علماء شریعت) اس کے لائق ہیں کہ اُن کا نام علماء رکھا جائے یا یورپین لوگ جنہوں نے زمین کے اعلیٰ کو اسفل اور

اسفل کو اعلیٰ اور پیداوار کی زمین کو بنجر سے بدل دیا اور زمین کے بطن میں گھس گئے اور اس کے پہاڑوں پر چڑھ گئے اور زمین کے کسی حصہ کو نہیں چھوڑا جس کے حسن وقبح پر مطلع نہ ہوئے ہوں، زمین کو خوشنما چیزوں سے مزین کر دیا اور علم (۱) وایجاد اور فضل ورحمت (۲) کے زیور سے آراستہ کر دیا، جنہوں نے اس دنیا میں علماً اور عملاً اچھا کام کیا اور دنیا وآخرت میں اپنا حال درست کر لیا لاؤ میرے سامنے اپنے علم کی شہادت اگر تم سچے ہو۔

عبارت سیز دہم:

فالغربيون الذين تسمونهم الكفار بلسانكم وتظنونهم اصحٰب النار والمغضوبين عليهم فى زعمكم قد ساقوا علىٰ برهٰذه الارض فروسًا من الخشب وفى بحرها تمساسيح من الحديد (الى قوله)وما عملوا كل هٰذا لا ليعملوا صالحًا وليكونوا من المفلحين فانبئونى بما اصلحتم فى هٰذه الدنيا وبما تشترون به جنتكم فى الحق وما يعلم علماء كم الجاهلون الذين لايعلمون من شئى ولا يملكون من قطمير فى هٰذه الارض.

پس وہ حکماء مغرب جن کو تم اپنی زبان میں کافر کہتے ہو اور جہنمی اور مغضوب علیہم سمجھتے ہو، اُنہوں نے اس زمین کے میدان پر لکڑی کے گھوڑے اور بحر میں لوہے کے ناکے چلا دیئے ہیں (الی قولہ) اور اُنہوں نے یہ سب اس لئے کیا ہے تاکہ وہ عمل صالح کریں اور اصحاب فلاح میں داخل ہو جائیں، تو مجھے بتلاؤ کہ تم نے اس دنیا میں کیا چیز درست کی جس سے تم آخرت میں جنت خریدو گے اور تمہارے جاہل علماء

(۱) اگر علم اسی کا نام ہے تو مشرقی کے نزدیک معاذ اللہ نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین اور تمام صحابہ وتابعین بے علم تھے کہ انہوں نے یہ کام قطعاً نہیں کئے نعوذ باللہ من ہذہ الجسارۃ۔ ۱۲ محمد شفیع

(۲) اگر اسی کا نام فضل ورحمت ہے تو انبیاء وصحابہ سب کے سب اس فضل ورحمت سے محروم ہیں معاذ اللہ۔ ۱۲

کیا جانتے ہیں جو ان چیزوں میں سے کسی کا علم (۱) نہیں رکھتے اور اس زمین کی کسی چیز کے مالک نہیں۔

موجودہ نصاریٰ عامل بالقرآن اور اللہ ورسول کے فرمانبردار اور دنیا وآخرت میں صاحبِ فلاح ہیں

عبارت چہاردہم:

افما قال اللّٰه لكم فى اعداء كم ان اعدّوا لهم ما استطعتم الأية فكذب علماء كم بهٰذه الأية وأضلوكم عن سبيله (الى قوله) والغربيون كلهم صدقوا بهذه الاية بالعمل وآمنوا بها مااستطاعوا وبدلوا خوفهم امنًا واطاعوا اللّٰه ورسوله فصاروا من المفلحين فى الدنيا ولا شك انهم فى الأخرة من عباده المؤمنين۔ (تذکرہ عربی صفحہ ۴۶)

کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے دشمنوں کے متعلق تمہیں یہ حکم نہیں دیا کہ اپنی طاقت کے موافق مقابلہ کی تیاری کرو، تمہارے عالموں نے اس آیت کو جھٹلا دیا اور تمہیں راستے سے گمراہ کردیا۔ (الی قولہ) اور سب اہلِ یورپ نے اس آیت کی عملاً تصدیق کی اور اپنی قدرت کے موافق اس پر ایمان لائے اور اپنے خوف کو امن سے بدل دیا اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس لئے وہ دنیا میں اہلِ فلاح میں داخل ہوگئے اور اس میں شک نہیں کہ وہ آخرت میں بھی مؤمنین بندوں میں سے ہیں۔

(۱) اکثر اسلافِ اسلام بلکہ انبیاء علیہ السلام کا یہی حال تھا جس کی بنا پر موجودہ علماء کو جاہل کہتا ہے۔ ۱۲

یورپین نصاریٰ ہی حقیقی عارفین اور اللہ تعالیٰ کی قدر کرنیوالے شکر گذار، حقیقی ایمان والے ہیں، اکثر فرشتے اُن کو سجدہ کرتے ہیں

عبارت پانزدہم:

فواللّٰہ ماجاھد قوم قط فی ھٰذہ الدنیا مثل ماجاھد الغرب فی زماننا ھٰذاولم یعرفوا اللّٰہ مثل ماعرفوہ ولم یقدروہ مثل ماقدروہ، فکیف لایؤدی اللّٰہ اجورھم ویوفیھم حق عبادتھم فی الدنیا ویتم نعمتہ علیھم ان کانوا شاکرین وکیف لا یستخلف فی الارض الذین اٰمنوا باللّٰہ بالحق وعملوا الصالحات انہ شکور حلیم فالملئکۃ اکثرھم یسجدون لھٰذا القوم وملک البرق یخدمھم لیلاونھارا (تذکرہ عربی صفحہ ۴۶)

اللہ تعالیٰ کی قسم کسی قوم نے دنیا میں ایسا جہاد (۱) نہیں کیا جیسا اہلِ یورپ نے کیا ہے اور کسی نے اللہ تعالیٰ کو ایسا نہیں پہچانا جیسا اہلِ یورپ نے پہچانا ہے اور کسی نے اللہ تعالیٰ کی وہ قدر نہیں کی جیسی اُنہوں نے کی ہے، تو اللہ تعالیٰ اُن کو ثواب کیوں نہ دے اور اُن کی عبادت کا حق کیوں نہ ادا کرے اور اُن پر اپنی نعمت کو مکمل کیوں نہ کرے جبکہ وہ شکر گذار ہیں اور کیسے اُن لوگوں کو زمین کا خلیفہ نہ بنائے جو حقیقۃً اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے کیونکہ اللہ تعالیٰ شکر کا بدلہ دینے والا اور علیم ہے، پس اکثر ملائکہ اس قوم کو سجدہ کرتے ہیں اور جو فرشتہ برق پر مسلّط ہے وہ دن رات ان کی خدمت کرتا ہے۔

(۱) یہ فساد و خون ریزی جو یورپین اقوام محض اپنے پیٹ بھرنے اور شہوات کا سامان مہیا کرنے کے لئے کرر ہے ہیں مشرقی کے نزدیک جہاد ہے وہ اسی جہاد کے لئے مسلمان کو آمادہ کر رہا ہے جو قرآنی جہاد کی بالکل نقیض ہے قرآن نے جہاد صرف اس کو قرار دیا ہے جو خدا کا نام بلند کرنے کے لئے کیا جائے بغیر اس نیت کے اس کا نام فساد رکھا ہے۔ ۱۲

سب موجودہ مسلمان اسلام سے خارج اور گمراہ ہیں

عبارت شانزدہم:

یاایھاالمسلمون المرتسمون افلا انتم فی اسلامکم الضالون وعن الصراط لناکبون افما انتم تفعلون ھوالاسلام ام مایفعل الکفرون (الی قولہ)فالحق انہ مافیکم من الاسلام من شئی وانھم ھم المسلمون۔ (تذکرہ عربی صفحہ ۴۸)

اے رسمی مسلمانو! کیا تم اپنے اسلام کے باوجود گمراہ اور صراط مستقیم سے ہٹنے والے نہیں، کیا اسلام وہ ہے جو تم کہہ رہے ہو یا وہ جو کفار کر رہے ہیں پس حق یہ ہے کہ تم میں اسلام کا کوئی شائبہ نہیں اور وہ اہلِ یورپ ہی مسلمان ہیں۔

یورپین ہی علم اور نبوّت کو سمجھنے والے ہیں اور وہی توحید وایمان کی طرف ہدایت پانے والے

عبارت ہفتدہم:

والغربیون ھدوا بھٰذاالعلم والنبوۃ الی التوحید والایمان وھٰذالقراٰن وان لم یروہ اویدرسوہ کدرسکم الی الفلاح والعمران۔(تذکرہ عربی صفحہ۴۹)

پس مغربی (یورپین) لوگوں نے اس علم ونبوت کے ذریعہ توحید وایمان [۱] کی طرف ہدایت پائی اور اسی قرآن کے ذریعہ، اگرچہ اُنہوں نے قرآن کو تمہاری طرح دیکھا اور پڑھا نہیں۔

---

(۱) وہ تو صراحۃً توحید کی تکذیب کرتے ہیں مگر یہ اُن کے چست گواہ خواہ مخواہ اُن پر ایمان توحید کا الزام لگاتے ہیں۔ ۱۲منہ

موجودہ سب موحدین مشرکین اور معذب ہیں اور صرف مشرکین ہی جنتی ہیں اور اس پر رسول شاہد ہے

عبارت ہشتدہم:

القائلون فی عذاب الیم والعاملون فی الجنة والنعیم الموحدون فی زمرة المشرکین والمشرکون المتعارفون علی الآرائک متکئون والرسول شاهد علیهم انهم هم المؤمنون ۔

(تذکرہ عربی صفحہ ۳۰)

اپنے کو مسلمان کہنے والے سب عذاب الیم میں ہیں اور عمل کرنے والے (یعنی حصولِ دنیا کے لئے) جنت اور نعمتوں میں ہیں، موحدین جماعتِ مشرکین میں داخل ہیں اور متعارف مشرکین جنت کے تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہیں اور رسول اُس پر شاہد ہے کہ صرف وہی مؤمنین ہیں۔

جو کچھ یورپ کے نصاریٰ کررہے ہیں حقیقی اسلام وہی ہے

عبارت نوزدہم:

الحق الذی لا یشک فیه هوان کل ماذهب الیها الغرب من اصول الاسلام بل دینه تعالیٰ بل فطرة اللّٰه التی فطر الناس علیها والدین الذی وصّی به النبیون.

حق بات جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں یہ ہے کہ جو کچھ اہلِ یورپ نے اختیار کر رکھا ہے وہی اصول اسلام بلکہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے بلکہ وہ فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور وہ دین ہے جس کی انبیاء کو وصیت (۱) کی گئی ہے۔

(۱) مگر تعجب ہے کہ انبیاء نے اس وصیت پر عمل نہ کیا نہ موٹر ایجاد کیا نہ ریل نہ توپ نہ وائرلیس اور نہ وہ انسانیت سوز جنگ جو یورپ کررہا ہے۔ ۱۲

نصرانیت اور اسلام کا اختلاف فروعی اختلاف ہے

لا نهم افلحوا بهٰذا القانون واصلحوا بالهم بذاالمسنون فمن اتقیٰ واصلح فلا خوف عليهم ولاهم يحزنون واما الاختلاف بين القراٰن وبينهم فی اساليب نفاذها وطريق اتباعها فهو من الفروع ليس باصل الدين۔ (تذکرہ عربی صفحہ ۵۵، ۵۶)

کیونکہ اُنہوں نے اس قانون سے فلاح حاصل کی اور اس طریقہ سے اپنا حال درست کیا، پس جو لوگ تقویٰ اور اصلاح اختیار کریں تو اُن پر نہ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے، باقی رہا وہ اختلاف جو قرآن میں اور ان کے طرزِ نفاذ اور طریق اتباع میں ہے سو وہ ایک فروعی اختلاف ہے، اصول دین میں نہیں۔

کسی قوم نے توحید میں اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ایسا جہاد نہیں کیا جیسا موجودہ نصاریٰ نے کیا ہے

عبارت بستم:

فواللّٰه ماجاهدقوم فی زماننا هٰذا فی التوحيد قط مثل ماجاهدالغرب لانهم جاهدوا فی ربهم بعلمهم وعقلهم وطهروا قلوبهم من رجزالاوثان عملاً ومعنًا ولم تخلقوا فكابافواههم واقوالهم[1]۔ (عربی تذکرہ صفحہ ۶۹)

پس اللہ تعالیٰ کی قسم ہمارے زمانہ میں کسی قوم نے توحید میں ایسا جہاد ہرگز نہیں کیا جیسا اہلِ یورپ نے کیا ہے کیونکہ اُنہوں نے اپنے رَب کے لئے اپنے علم وعقل کے ساتھ جہاد کیا اور اپنے قلوب کو بُتوں کی نجاست سے عملاً ومعنًا پاک کرلیا اور اپنے اقوال اور زبانوں سے جھوٹ نہیں بنایا۔

(۱) اصل تذکرہ میں یہی لفظ ہے اگر کتابت کی غلطی نہیں ہے تو مشرقی کی عربی دانی کا پول کھولنے کے لئے یہ بھی کافی ہے كمالايخفى على من له مسكة بالعربية۔ ۱۲ منہ

موجودہ نصاریٰ ہی مؤمن نیک کام کرنے والے ابرار و مفلحین ہیں

عبارت بست ویکم:

وکل ھٰذا مایفعل الغربیون النصرانیون فی زمانناھذا علماً و عملاً لانھم یعلمون قانونہ ویعملون الصّٰلحٰت.(الی قولہ) ولا شک فی انھم ھم الا برار الذین اٰمنوا وعملوا الصلحٰت فی ھٰذہ الارض فی زماننا ھٰذا ولا شک انھم ھم المفلحون۔(تذکرہ عربی صفحہ ۸۵) ومثلہ فی صفحہ ۸۹)

اور یہ سب کچھ وہی ہے جو مغربی نصاریٰ ہمارے زمانہ میں علماً وعملاً کر رہے ہیں کیونکہ وہ اُس کا قانون جانتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں۔(الی قولہ) اور کوئی شبہ نہیں کہ صرف وہی لوگ ابرار ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے اس زمین پر نیک عمل کئے اور کوئی شبہ نہیں کہ یہی لوگ فلاح ونجات پانے والے ہیں۔

مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ غفور ورحیم نہیں بلکہ نصاریٰ کے لئے ہے

عبارت بست ودوم:

فواللّٰہ ماربکم لکم بغفوررحیم ان ھو بغفور[۱] الاللمغربیین النصرانیین المؤمنین الذین یداومون فی زماننا ھذا علیٰ جھادھم بالسیف[۲] والا نفر[۳]

پس[۴] خدا کی قسم تمہارا رب تمہارے لئے غفور ورحیم ہے نہیں بلکہ وہ غفور ورحیم صرف مغربی نصاریٰ کے لئے جو حقیقی مؤمنین ہیں اور جہاد بالسیف پر مداومت کرتے ہیں۔

---

(۱) یہ مہمل عربی عبارت بھی مشرقی کی عربی دانی کی داد کے لئے کافی ہے۔ ۱۲منہ
(۲) ایضاً
(۳) یہ عطف بھی مشرقی بلاغت کا ایک نمونہ ہے۔ ۱۲منہ
(۴) یہ ہر سطر میں قسموں کی بھرمار بھی قابل غور ہے کہ خلاف مہین ہونے کا ثبوت ہے۔ ۱۲منہ

جس کو دنیا میں دولت وقوت حاصل نہیں اُس کو آخرت میں بھی نہ ملے گی

یہ عنوان جو عبارات مندرجہ ذیل کا خلاصہ ہے یہ بھی دراصل مشرقی کے اُسی خیال کا نتیجہ ہے جو عنوان اوّل ودوم میں مذکور ہوا ہے کیونکہ جب دنیوی تنعم اور غلبہ وقوت ہی کا نام ایمان واسلام ہوا تو جنات آخرت بھی اُسی پر موقوف ہوگئی۔

مسلمان جنت کے لائق نہیں کیونکہ دنیا میں اُن کو مال ودولت حاصل نہیں ہوا

عبارت بست وسوم:

فیما تزعمون انکم احق بالجنة ولستم بجدیرین لها وحریین بانعمها لو کنتم تعلمون.فمن[1] یلیق بنعمة الجنة الخلد الباطنة ان لم یکن لهٗ نصیب من نعمة الارض الظاهرة افلا تعقلون ومن کان فی هٰذه [2]اعمیٰ فهو فی الأخرة اعمیٰ ومن الضالین فما الجنة[3] الالوارثی جنات الارض وعیونها ومالعاقبة الا للمتقین۔

(تذکرہ عربی صفحہ ۲۳)

تم کس وجہ سے یہ کہتے ہو کہ ہم جنت کے حق دار ہیں حالانکہ تم اُس کی نعمتوں کے قابل نہیں، کاش کہ تم سمجھتے، پس جنت خلد باطنہ کے لائق وہ شخص کب ہوسکتا ہے جس کو زمین پر نعمت ظاہرہ حاصل نہیں، کیا تم سمجھتے نہیں، حالانکہ جو شخص اس دنیا کی زندگی میں اندھا (یعنی فقیر ومفلس) ہو وہ آخرت میں اعمیٰ (یعنی فقیر ومفلس) اور گمراہوں میں داخل ہے پس جنت بجز اُن لوگوں کے کسی کا حق نہیں جو زمین کے باغات اور چشموں ونہروں کے مالک ہیں اور فلاح آخرت متقیوں کے واسطے ہے۔

---

(۱) یہ جملہ بھی مشرقی کی عربی دانی کا خاص نمونہ ہے۔ ۱۲منہ

(۲) یہ قرآن کی تحریف ہے کہ اعمٰی سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا میں مال ودولت نہیں رکھتے۔ ۱۲منہ

(۳) جو انبیاء علیہم السلام زمین کی سلطنت اور باغات نہیں رکھتے تھے مشرقی کے نزدیک وہ بھی جنت سے محروم ہیں نعوذ باللہ۔ ۱۲منہ

عبارت بست وچہارم:

وان من قوم اصلحوا ثم افلحوا فی هٰذه الارض الااسلموا لهٗ وان من ارض خاب اهلها انهم صرفوا عنه۔(تذکرہ عربی ص ۵۴)

اورجس قوم نے اس زمین صلاح وفلاح (دنیا کا مال ودولت) حاصل کیا وہ ہی اللہ تعالیٰ کے مطیع وفرمانبردار ہوئے اور جس زمین کے لوگ (مال دولت سے) محروم رہے وہ دین سے پھر گئے۔

نیز عبارات سابقہ مندرجہ عنوان اول ودوم جن میں مشرکین ونصاریٰ کونجات وفلاح کا مالک اورمؤمنین ومسلمین کومحروم قرار دیا ہے وہ بھی سب اس مضمون پرشاہد ہیں کہ مصنفِ تذکرہ کی نظر میں نجات وفلاحِ آخرت دنیوی تنعم وسلطنت کے حصول پر موقوف ہے۔

اُخروی نجات اسلام میں منحصر نہیں

یہ بھی اُسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے کہ جب وہ اسلام وایمان جو رسول کریم ﷺ اور قرآن کی تشریح کے موافق ساڑھے تیرہ سو برس سے اُمت نے سمجھا تھا وہ اسلام ہی نہیں تو نجات آخرت اس میں کیسے منحصر ہو اور اسی لئے بُت پرست، نصاریٰ اور تمام طوائف کفار جو دنیوی تنعم وقوت کے مالک ہوں سب کے سب جنت آخرت کے حق دار ہیں۔

اس عنوان کے ثبوت کے لئے عبارات مندرجہ عنوان اول ودوم بھی کافی ہیں جن میں طوائف کفار کواپنے کُفر پر رہتے ہوئے نجاتِ آخرت اورفلاحِ جنت کا مستحق قرار دیا ہے۔ نیز عباراتِ ذیل میں بھی اُس کی تصریح ہے۔

ہندو اپنے طریقہ پر، نصاریٰ ویہود اپنے طریقہ پر، مسلمان اپنے طریقہ پرعبادت کریں توسب کونجات حاصل ہے

عبارات بست وپنجم:

آیت کریمہ لکل امة جعلنا منسکاهم ناسکوه فلا ینازعنّک فی

الامر الاٰیة کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں .فجعل اللّٰہ لکل اُمة طریقة عبادة ربھا واسلوب التعبد بقانونھا فلتستمسک کل اُمة بھٰذہ الطریقة وتداوم علیھا ولکن امرہ وقانونه شئی اٰخر یستوی فی کل الامم (الی قوله)فالنزاع فی الامر ھو ما ینافی الاسلام ویناقض دینه تعالیٰ والنزاع فی المناسک ھو الذی یفرق بین الاقوام لا بین افرادھم ولا یعذب اللّٰہ قومًا حتٰی تنازعوا فی الامر ۔(تذکرہ عربی صفحہ)

پس اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ایک طریقہ اور ایک خاص قانون بنایا ہے اُس قوم کو چاہئے کہ اُسی طریقہ کو پکڑے رہے اور اُسی پر مداومت کرے، لیکن اللہ تعالیٰ کا امر اور قانون دوسری چیز ہے جو تمام قوموں میں برابر ہے۔(الی قولہ) پس امر میں اختلاف کرنا ہی وہ چیز ہے جو اسلام کے منافی اور دین کے مخالف ہے اور طرق عبادت کا اختلاف قوموں میں فرق کرتا ہے نہ اُن کے افراد میں۔ اور اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اُس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک وہ امر میں اختلاف نہ کریں۔

ہندوستان میں بصورت موجودہ زکوٰۃ ادا کرنا حرام ہے

میرے نزدیک مسلمان کی زکوٰۃ کا پیسہ آج ٹھکانے نہیں لگتا، خدا تعالیٰ کے نزدیک کسی معنوں میں قبول نہیں ہوتا، گناہِ محض ہے حرام ہے جب تک وہ زکوٰۃ غازی مصطفےٰ کمال کے بیت المال میں نہ پہنچے اور پھر اس بیت المال سے دینِ اسلام کی حفاظت کے لئے توپیں اور طیارے نہ خریدے جائیں اور اگر یہ نہیں ہوسکتا تو اس ملک میں زکوٰۃ ساقط ہے، مجھ سے ایک بہتر اسلامی مسئلہ مسائل کو جاننے والا اور مسلمان کا مانا ہوا مولوی یعنی ابوالکلام آزاد زکوٰۃ وصدقات کے بارے میں یہ فتویٰ علی الاعلان اور بے خوف وخطر دے چکا ہے، نہیں سب ہوش مند مولویوں اور علماء دین کا فتویٰ

زکوٰۃ صدقات، نذر نیاز کے بارے میں آج یہی ہوسکتا ہے کہ بیت المال نہیں تو زکوٰۃ نہیں۔ (میری سخت گیریاں مصنفہ مشرقی صفحہ ۱۴و۱۵)

ف:...... یہ محض دعویٰ بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے کوئی پوچھے کہ مشرقی اس کے مدعی ہیں کہ ہم نے قرآن کھولا ہے اور جو کچھ کہتے ہیں قرآن سے کہتے ہیں یہ کونسی قرآن کی آیت میں ہے، نہیں اور ہرگز نہیں بلکہ قرآن کا فیصلہ بالکل اس کے خلاف یہ ہے۔

انما الصدقات للفقراء والمساکین

تمام صدقات فقراء ومساکین وغیرہم کا حق ہے

ہاں طریق مسنون ادائے زکوٰۃ کا جو عہدِ نبوت اور اُس کے بعد جب تک اسلامی سلطنت باقی رہی یہ رہا ہے کہ اموال ظاہرہ (جیسے بھیڑ بکری اونٹ وغیرہ) کی زکوٰۃ وصول کرنے کا انتظام خلیفۂ وقت کی نگرانی میں ہوتا تھا۔ اور وہ بھی ان خاص اموال کی زکوٰۃ وصول کرکے توپیں اور طیارے خریدنے کے حق دار نہ تھے بلکہ صرف اس پر مجبور تھے کہ فقراء ومساکین پر انتظام کے ساتھ خرچ کریں، باقی اموال نقد وزیور وغیرہ جن کو فقہاء کی اصطلاح میں اموال باطنہ کہا جاتا ہے ان کی زکوٰۃ اُس زمانہ میں ہر شخص بطور خود فقراء ومساکین کو دیتا تھا ،تمام کتب اسلامیہ اس کی شہادت سے لبریز ہیں۔

علاوہ ازیں اموال ظاہرہ جن کی زکوٰۃ سلطنت کی انتظام سے بیت المال میں جمع ہوکر فقراء ومساکین پر تقسیم ہوتی تھی اُس کے متعلق بھی کسی ایک آیت یا روایت میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ بطورِ خود اس کی زکوٰۃ ادا کرنا گناہِ محض اور حرام ہے، مشرقی کا یہ فیصلہ قطعًا قرآن وحدیث کے خلاف ایک فریضہ کے ادا کرنے سے روکتا ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

پانچ ارکانِ اسلام کا انکار اور یہ کہ اُن سے کسی قوم کو فلاح نہیں ہوسکتی عبارت بست وششم:

مابنی الاسلام علی ماانتم تزعمون وما کلمة الشهادة والصوم

والصّلٰوۃ والحج والزکوٰۃ اللّتی تسمونها ارکان الاسلام الاشعائر الاُمة المحمدیه اومناسکها اللتی تتمیز بها امتکم من الامم الاُخری ولکنه ماٰاسس الاسلام علیها قط ولا هی فطرة اللّٰه الّتی فطر الناس علیها ولا هی مایولد علیها ولد ولا ما تفلح به أمم ولا ماذکّر اللّٰه به العالمین ولا ماوُصّی به النبیون (الی قوله)فلا واللّٰه ماهو الا قد بنی الاسلام علی عشرة اصول (۱)التوحید فی العمل من دون القول.(۲)وحدة الاُمة.(۳)واطاعة اولی الامر منکم.(۴) والجهاد بالمال مع الاعداء.(۵)والجهاد بالسیف وبالانفس.(۶)والهجرة الی البلاد وهجر کل مایشغلکم عن السعی.(۷)والاستقامة فی السعی مع التوکل فی النتائج.(۸) ومکارم الاخلاق.(۹)والعلم.(۱۰)والایمان بالأخرة لوکنتم تعلمون.(تذکرہ عربی صفحہ ۵۷)

اسلام کی بنیاد اُن چیزوں پر نہیں جو تم کہتے ہو اور کلمۂ شہادت، صوم وصلوٰۃ، حج وزکوٰۃ، جن کو تم ارکانِ اسلام کہتے ہو وہ ارکانِ اسلام نہیں بلکہ محض اُمتِ محمدیہ کی علامت اور عبادت کا طریق خاص ہے جس کے ذریعہ تمہاری اُمت دوسری اُمتوں سے ممتاز ہوتی ہے لیکن اسلام کی بنیاد ان چیزوں پر ہرگز نہیں اور نہ یہ اللہ تعالیٰ کی فطرت ہے جس پر انسانوں کو پیدا کیا ہے اور نہ یہ وہ چیز ہے جس پر کوئی آدمی پیدا ہوتا ہے اور نہ وہ چیز جس سے قوموں کو فلاح حاصل ہو سکے اور نہ وہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ عالم کو وعظ و پند کیا ہے اور نہ وہ جس کی وصیت انبیاء کو کی گئی ہے۔ پس خدا کی قسم صحیح بات یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد دس اُصولوں پر ہے

(۱)عمل(۱) میں توحید نہ کہ قول میں۔(۲)اتحاد قومی۔ (۳) حکام کی اطاعت۔(۴)دشمنوں (۲) کے ساتھ مال سے جہاد۔ (۵) تلوار اور جان کے ساتھ جہاد۔(۶)شہروں (یعنی لندن وپیرس وغیرہ) کی طرف ہجرت اور ہر اُس چیز کا چھوڑنا جو تمہیں اس مقصد میں کوشش سے باز رکھے۔(۷) کوشش پر ثابت قدم رہنا اور نتیجہ میں توکل کرنا۔(۸) عمدہ اخلاق۔(۹)اور علم۔(۱۰) آخرت پر ایمان۔ کاش تم سمجھو۔

مشرقی کے نزدیک توحید، نماز، روزہ وغیرہ کی حقیقت

عبارت بست وہفتم:

(عبارت مذکورہ کے چند سطر بعد ہے)

فما كلمة الشهادة الامظهر التوحيد فى العمل والمصداق (۳) مافى قلب الانسان وما الصوم الاجهاد بالانفس واحتساب عليها وماالصلوٰة الا توحيد الاُمة واطاعة الامام ومالزكوٰة الا الجهاد بالمال ومالحج الااظهار وحدة الاُمة وكل هٰذه من اركان الاسلام نصبت لتأسيس الجماعة ولتوحيدها وتقويتها نظرًا الى استقلالها فى الارض واستخلافها وما هٰذه العشرة من اصول الاسلام الاروح من امره تعالٰى (الىٰ قوله) فما هٰذا الاركان

(۱) عملی توحید کے معنی خود مشرقی نے یہ بیان کئے ہیں کہ حصولِ سلطنت کے لئے متحدہ کوشش اور اُس میں خواہشات نفسانی کا خلاف کرنا۔(تذکرۃ اشارات ص۹۶) وہ توحید جو قرآن وحدیث میں مطلوب ہے اس کو مشرقی لغو چیز سمجھتا ہے۔ ۱۲

(۲) یعنی مسلمان کے ساتھ کیونکہ نصاریٰ تو انتہائی درجہ کے اولیاء واتقیاء ہیں اور ہندو اصلی موحد ومؤمن ہیں ایسے لوگوں کی دشمنی تو ظاہر ہے کہ جائز نہیں اب صرف مسلمان ہی مشرقی کی نظر میں دشمن ہیں۔ ۱۲

(۳) عربی دانی کے لئے یہ عبارت بھی کافی ہے کہ مضاف پر الف لام داخل کیا ہوا ہے معمولی نحو پڑھنے والا طالب علم بھی ایسی غلطی نہیں کرسکتا۔ ۱۲منہ

الامناسک الامۃ وظواھر الایمان وما ھی باصل الدین قط بل فروع من امرہ۔ (تذکرہ عربی صفحہ ۵۷)

پس کلمۂ شہادت کوئی چیز نہیں بجز اس کے کہ وہ اتحاد عمل کا مظہر ہے اور انسان کے دلی راز کا مصداق، اور روزہ کچھ نہیں بجز اس کے کہ وہ نفس کے ساتھ جہاد اور اُس پر محاسبہ ہے اور نماز کچھ نہیں سوائے اس کے[1] کہ وہ قوم کو متحد کرنا اور امام کی اطاعت ہے اور زکوٰۃ کچھ نہیں بجز اس کے کہ وہ جہاد بالمال ہے اور حج کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ اتحادِ قومی کا مظاہرہ ہے اور یہ تمام ارکانِ اسلام محض تنظیم جماعت اور اتحاد قومی اور تقویت قوم کے لئے صرف اس واسطے قائم کی گئی کہ یہ لوگ زمین پر مستقل اور بادشاہ بن کر رہیں اور یہ دس اُصول اسلام (جو مشرقی کی ایجاد ہیں) اللہ تعالیٰ کے امر کی روح ہیں۔ (الیٰ قولہ) پس یہ (پنج) ارکانِ اسلام محض اُمت کی علامات اور ظواہر ایمان ہیں وہ دین کی اصل ہرگز نہیں بلکہ امر کی جزئیات ہیں۔

عبارت بست وہشتم:

الصلوٰۃ صرف ایک نوکر کا پنج وقتہ سلام ہے۔ (الیٰ قولہ) مگر عبادت قطعاً نہیں، خدا تعالیٰ کی عبادت درحقیقت ان پانچ وقتوں کے بعد سے شروع ہوتی ہے وہ اس وقت ہورہی ہے، جب مصلاؤں سے اُٹھ کر لوگ احکام خدا کی تعمیل میں لگ جاتے ہیں، جب ہاتھ اور پاؤں سعی وعمل میں مصروف ہوجاتے ہیں الخ۔ (تذکرہ اُردو دیباچہ ص ۹۱)

تنبیہ:

احکامِ خدا کی تعمیل اور سعی وعمل کی تفسیر مشرقی کے نزدیک عبارت چہارم وپنجم وغیرہ میں بصراحت مذکور ہے کہ دنیوی سلطنت وغلبہ کے لئے عملی کوشش کرنا۔

---

(۱) الغرض تمام عبادات اسلامیہ کا ست نکال کر سب کو بے باق اور بے ضرورت کردیا گیا۔ ۱۲ منہ

عبارت بست ونہم:

پس اصل دین میرے نزدیک توحید ہے اور توحید قلوب کے اندر پیہم بُت شکنی کرتے رہنا ہے، یہی عبادتِ خدا ہے، صوم وصلوٰۃ، حج وزکوٰۃ کو رسمًا وعادۃً یا تعظیمًا ادا کر لینا ، کلمۂ شہادت کو بصحت تمام پڑھ لینا میرے نزدیک قطعًا کوئی عبادت نہیں۔الخ

(دیباچہ تذکرہ اردو ص:۸۹)

تنبیہ:

بُت شکنی کرتے رہنے کی تفسیر مشرقی صاحب نے اشارات صفحہ ۹۲ تا ۹۹ میں کی ہے کہ حصول سلطنت وتنعم دنیوی کے لئے اہواء وخواہشاتِ نفسانی اور طبعی کمزوریوں کو دُور کرنا۔ جو عبارت ششم میں مفصل گذر چکی ہے۔

(۴) توحید (جو اصل ایمان ہے) اُس کی تفسیر مشرقی کے نزدیک یہ ہے کہ دشمنوں سے لڑنے کے لئے ایک مرکز پر جمع ہوں، قومی اتحاد پیدا کیا جائے جیسا کہ عبارت ششم میں بحوالہ اشارات اور پنجم میں بحوالہ تذکرہ گذر چکا ہے۔

احکامِ شرعیہ آنحضرت ﷺ کی سنن کا انکار واستہزاء

مساجد میں اعتکاف اور اللہ تعالیٰ کا نام لینا بیوقوفی ہے

عبارت سی نمبر۳

فیامن یزعمون انہ ماالعبادۃ الاالاعتکافھم فی بیوتکم اومساجدکم منصرفین عن خلق اللّٰہ راغبین عما خلق اللّٰہ فی السمٰوات والارض (الیٰ قولہ) مکررین اسماءہ بلھا وھزلاً ماالعبادۃ بما زعتم وما ھی بجمود فی زوایاکم الذی یستدرجکم الی الذلۃ والمسکنۃ. (تذکرہ عربی صفحہ ۷۶)

پس اے وہ لوگ جو گمان کرتے ہیں کہ تمہارا اعتکاف تمہارے گھروں اور مسجدوں

میں خلق سے علیٰحدہ ہوکر اور آسمان وزمین کی مخلوقات سے اعراض کر کے یہی عبادت ہے۔(الیٰ قولہ) اللہ تعالیٰ کے نام کا بار بار بے وقوفی سے تکرار کرتے ہیں، عبادت وہ نہیں جو تم سمجھتے ہو، عبادت تمہارا گوشوں میں بیٹھنا نہیں جو دنیا میں تمہاری ذلّت کا سبب ہے۔

عبارت سی ام ۳۱

مسلم کا منہ [۱] سے ایک ایک جپتے رہنا، کلمے اور لاحول پڑھ [۲] پڑھ کر جنت کے حق دار بننا، قرآن کا ایک ایک حرف پڑھ کر دس دس [۳] نیکیوں کے منتظر رہنا، پیروں [۴] کی پرستش، قبروں کی زیارت [۵]، پھونکا پھانکی [۶]، اور استنجاؤں کو دین سمجھنا [۷]، وغیرہ فی الحقیقت ایسی مضحکہ انگیز ناکارآمد اور بے دلیل باتیں تھی کہ ہر [۸] سلیم الذہن کو ان سے اعراض کرنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ (دیباچہ اُردو تذکرہ ص ۱۵)

عبارت سی و دوم ۳۲

مصلاؤں پر بیٹھ کر [۹] اللہ اللہ جپتے رہنا، کملیاں اوڑھ کر گوشوں میں اونگھنا اور تکلیف دہ احکام سے تجاہل عارفانہ کر کے اُن کو ٹالتے رہنا۔ ہاتھوں اور پیروں (۱۰) کے عمل

---

(۱) یعنی لا الٰہ الا اللہ کا وظیفہ۔ ۱۲۔ (۲)......احادیث کی تکذیب واستہزاء ۱۲۔ (۳) صحیح حدیث کا مضمون ہے کہ قرآن مجید کے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں اس کی صریح تکذیب واستہزاء ہے۔ ۱۲

(۴) پیروں کی پرستش کو کوئی مسلمان عبادت نہیں کہتا یہ مشرقی کا جھوٹ ہے۔ ۱۲

(۵) قبروں کی زیارت کا سنت ہونا حدیث سے ثابت ہے یہ اُس کا استہزاء ہے۔ ۱۲

(۶) آیاتِ قرآنیہ اور ادعیۂ ماثورہ کو پڑھ کر پھونکنا آنحضرت ﷺ کے عمل اور قول سے بکثرت احادیث میں ثابت ہے مشرقی اُس کا استہزاء کرتا ہے۔ ۱۲

(۷) استنجا کو دین یا دین کا رُکن تو کسی نے نہیں کہا یہ مشرقی کا جھوٹ ہے اور سنت ہونا اُس کا احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے اُس کا استخفاف واستہزاء رسول اللہ ﷺ کا استہزاء ہے نعوذ باللہ۔ ۱۲ منہ

(۸) اس کا حاصل یہ ہے کہ معاذ اللہ آنحضرت ﷺ اور تمام اُمت محمدیہ سلیم الذہن نہیں تھے جنہوں نے یہ سنت اختیار کی سلیم الذہن یہ فقط مشرقی ہے۔ ۱۲ منہ

(۹) قرآنِ مجید کی بے شمار آیات جن میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو اصل عبادت قرار دیا ہے اُن کا انکار۔

(۱۰) ہاتھوں پیروں کے عمل سے اگر بیلچہ اُٹھانا مراد ہے تو بے شک اُمت اسلامیہ اس سے گریز کرتی ہے ورنہ تمام اعمال وعبادات ہاتھوں اور پیروں ہی کے اعمال ہیں جن پر الحمد للہ کہ امت اسلامیہ (برغم مشرقی) قائم ہے۔ ۱۲

سے گریز کرنا اور دل کے اندر ایک لاکھ بتوں کی انجمن لگائے رکھنا، میرے نزدیک[1] قطعاً کوئی عبادت نہیں، کوئی توحید نہیں، عبادت کا دسواں حصہ بلکہ لاکھواں حصہ نہیں، بلکہ ریا کاری اور مکّاری، شرک اور کُفر ہے خدا تعالیٰ کو قطعاً ناپسند ہے۔ (تذکرہ دیباچہ اُردو صفحہ ۹۰)

اسی کے قریب مضمون عبارت دوم وسوم میں بھی گذر چکا ہے۔

ساری اُمت محمدیہ مشرک اور جہنم کے نیچے کے طبقہ میں ہے

تمام اُمت کے اولیاء وعلماء کی توہین

تمام موجودہ مسلمانوں کو اور بالخصوص علماء کو مشرک وگمراہ، مستحق جہنم کافر ودجّال وغیرہ کہنا

مشرقی کی کل کتابیں اور بالخصوص رسالہ مولوی کا غلط مذہب اس سے لبریز ہے اس بے ہودہ بکواس کونقل کر کے رسالہ کے صفحات بڑھانا فضول ہے محض نمونہ کے طور پر چند عبارتیں درج ہیں۔

عبارت سی وسوم ۳۳

فقد کبر علیکم الاتحاد ورضیتم بالشت[2] والافتراق. وشرعتم فی التبائن والشقاق (الی قوله) فهل لکم من محیص ان اصبحتم من المشرکین فلذلک ظهر اللّٰه بعذابه وفار التنور (الی قوله) وصرتم فی الدرک الاسفل من النار۔ (تذکرہ عربی صفحہ ۵)

تم پر اتحاد واتفاق بھاری ہے اور تم تشتت وافتراق پر راضی ہو اور تم نے اختلاف

---

(۱) تمہارے نزدیک کو مانیں یا اللہ اور اُس کے رسول کے نزدیک کو مانیں۔ ۱۲ منہ

(۲) اختراق سے مشرقی کی مراد وہی ہے جو اسی رسالہ میں گذر چکی ہے کہ ائمہ فقہاء کا اختلاف وغیرہ اور ظاہر ہے کہ اس وقت پوری امت محمدیہ انہیں آئمہ اربعہ کی مقلد ومتبع ہے وہ سب مشرقی کے ان حکایات میں داخل ہے۔ ۱۲ منہ

ونزاع شروع کر دیا، کیا تمہارے لئے اس سے کوئی نجات ہے کہ تم مشرک ہو گئے
،اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا عذاب ظاہر فرما دیا اور تنور جوش مارنے لگا۔(الی قولہ) اور
تم جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں داخل ہو گئے ۔

عبارت سی و چہارم: ۳۴

اسلامی جماعت کے اندر ذرا سی تفریق پیدا کرنا بھی میرے نزدیک صحیح معنوں میں کُفر ہے جو مدعی ہے کفر کا مرتکب ہے، فقہ کی تفریق، شریعت کی تفریق، مسئلہ ومسائل کی تفریق، طریقت اور سلسلوں کی تفریق، پیروں اور سجادوں، اولیاؤں اور خانہ نشینوں کی تفریق، مزار پرستی اور اولیاء پرستی کی تفریق سب کفر ہیں، سب انکارِ خدا ہے، سب عبادتِ طاغوت ہے سب اربابا من دون اللّٰہ کو پکڑنا ہے، سب شرک جلی ہے، شرک محض ہے، شرکِ اکبر ہے، وہ ظلم عظیم ہے جس کی بخشش کی حتماً کوئی آس نہیں، وہ بدی ہے جس کی پاداش جہنم ہے۔ (تذکرہ اُردو دیباچہ صفحہ ۴۴)

عبارت سی و پنجم: ۳۵

وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ عرب کی اُمت اسلام کے آلہٰی اور نبوی تخیل پر (۳۰) تیس برس سے زیادہ قائم نہ رہ سکی خلفائے راشدین کے بعد جو عروج مسلمانوں کو نصیب ہوا وہ صرف اُس آلہٰی درس کو جستہ جستہ یاد رکھنے کا نتیجہ تھا، لیکن قرآنی سبق کا ایک اہم حصہ اُس وقت تک ذہنوں سے قطعاً نکل چکا تھا۔ (تذکرہ دیباچہ اُردو صفحہ ۹)

اسی قسم کے مضامین عباراتِ مذکورہ شانزدہم وہشدہم وبستم وبست وسوم میں بھی گذر چکی ہیں۔

عبارت سی و ششم ۳۶

(الف)......مسلمانوں نے نہ معلوم کس بناء پر اولیاء اللہ کا خطاب اُن دنیا سے الگ تھلگ رہنے والے فقراء اور پریشان مُو اصحاب کو دیا ہے جو تمام عمر اپنے اعتکاف

خانوں میں بندرہ کر خلقِ خدا سے [1] بیزار رہے، جنھوں نے اُمت کے متحد کرنے میں کچھ سعی نہ کی جنھوں نے خدا تعالیٰ کی لڑائیاں لڑنے میں اپنی جان کو پیش نہ کیا۔

(مقدمہ تذکرہ صفحہ ۵۸)

ایضاً سی و ششم (۳۶)

(ب)...... مولویوں، پیروں اور عام مسلمانوں کو میں کہوں گا کہ تمہارا اسلام کی غلط تصویر ایک مدت سے پیش کرنا تمہارا اپنا فعل نہیں یہ صدیوں کی بداعمالی اور غفلت کا نتیجہ ہے ۔(الی قولہ) ایک مولوی یا ایک پیر یا ایک پیشوائے دین کا قصور نہیں سب اُمت اور پیشوایانِ اُمت کا مجموعی قصور ہے۔ (غلط مذہب ۶ ص ۱۴)

افتراء علی اللہ تعالےٰ

حق تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے ایک طویل عبارت لکھی ہے جس کے چند جُملے یہ ہیں:

عبارت سی و ہفتم ۳۷

فالقول ليس بشئی عندی ولو اصطفينا القول لجعلنا لكل من يقول فی الارض لبيوتهم سقفًا من فضة وابواباً من ذهب واباريق من زبر جد وما كنا فاعلين وانی انااللّٰه العمّال الخلاق الذی يبدأالخلق ثم يعيدهٗ وهواهون عليه . (الی قوله) فانی انا اللّٰه ذوالقوة العزيزالعليم احب كل صاحب قوة وعزة واعلم من الناس الذين احسنوا اصنعهم فی الدنيا وداموا ماداموا خلائف فيها وخلٰئف منی مسخرين كل

---

(۱) علماء اور صوفیا پر افتراء اور اُن کے ساتھ استہزاء ہے اور حقیقت جاننے والے جانتے ہیں کہ ان حضرات نے کسی زمانہ میں جہاد سے جان نہیں چرائی اور احاد و افراد نے ایسا کیا بھی تو نص قرآنی لولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فی الدين کے موافق کیا۔ ۱۲

ماسخر اللّٰہ لھم۔الخ (تذکرہ عربی صفحہ ۳۱)

پس قول میرے (۱) (یعنی اللہ تعالیٰ کے) نزدیک کچھ نہیں اور اگر ہم قول کو پسند کرتے تو تمام وہ لوگ جو ہمارا نام لینے اور دم بھرنے والے ہیں ہم اُن کے گھروں کی چھتیں چاندی اور دروازے سونے کے اور لوٹے زبرجد کے بنادیتے، مگر ہم ایسا کرنے والے نہیں اور میں اللہ ہوں عمل کرنے والا، پیدا کرنے والا جو خلق کی ابتدا کرتا ہے پھر لوٹا دیتا ہے اور اعادہ اُس پر بہت آسان ہے (الی قولہ) پس میں ہی اللہ تعالیٰ ہوں قوت والا، غالب، علیم، ہر صاحب قوت وعزت کو (اگرچہ کافر ہی ہو) پسند کرتا ہوں جنہوں نے دنیا میں نیک عمل کئے اور جب تک رہے بادشاہ بن کر رہے اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کا مسخر بنایا ہے، اُس کو مسخر کر کے رہے۔

تحریف القرآن

تذکرہ اوّل سے آخر تک اس خاص طرز سے لبریز ہے کہ اپنا کوئی نظریہ پیش کیا اور اُس کے ساتھ قرآن کا کوئی جُملہ جو ظاہراً اس نظریہ کے مناسب ہو لکھ دیا، اگرچہ شانِ نزول اور تفسیر صحیح کے اعتبار سے اُس کا اس نظریہ سے کوئی دُور کا بھی علاقہ نہ ہو، یہ بھی ایک قسم کی تحریف ہی ہے، لیکن اس جگہ بطور نمونہ صرف وہ چند عبارتیں لی جاتی ہیں جن میں صراحۃً کسی آیت کی تفسیر، تفسیر رسول وتشریحِ صحابہ وتابعین کے خلاف کی گئی ہے۔

عبارت سی وہشتم ۳۸

آیت السابقون السابقون اولئک المقربون مندرجہ تذکرہ عربی صفحہ ۱۰ پر حاشیہ دے کر یہ تفسیر لکھی ہے۔

(۱) کوئی پوچھے کہ یہ قرآن کی کون سی آیت ہے یا جدید وحی ہے جو مشرقی پر نازل ہوئی ہے۔ ۱۲ منہ

السابقون فی لغة القرآن الذین یسعون فی الارض سعیاً بلیغا لیسبقوا انعامات ربھم وھٰذا ماعنی اللّٰہ تعالیٰ بقولہ ومنھم سابق بالخیرات۔ (تذکرہ صفحہ ۱۰)

قرآن میں سابقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو زمین[1] (دولتِ دنیا کے حصول کے لئے) مسابقت کرتے ہیں تاکہ وہ ترقی کریں اور اپنے رب کی نعمتوں (متاعِ دنیا) کو آگے بڑھ کر لے لیں یہی وہ معنی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے منھم سابق بالخیرات سے مراد لئے ہیں۔

عبارت سی ونہم: ۳۹

لکل اُمة جعلنا منسکا ھم ناسکوہ فلا ینازعنک فی الامر کی تفسیر جو عبارت بست وپنجم میں مذکور ہے۔

عبارت چہلم: ۴۰

ولذلک ماقصد اللّٰہ تعالیٰ من قولہ اِھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم الافلاح القوم ونعمة الغلبة فی الدنیا ولذلک عنی بالمغضوبین علیھم والضالین الذین ھلکوا من فقدان حکمھم فی الدنیا (الی قولہ) والصراط ھو الذی یغلبکم فی الدنیا۔ (حاشیہ تذکرہ عربی صفحہ ۶۵ تا ۶۷)

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے قول اھدنا الصراط المستقیم الخ میں صراط سے مراد اس کے سوا کچھ نہیں لیا کہ دنیا میں نعمت غلبہ اور قومی فلاح وترقی حاصل ہو اور اسی لئے مغضوب علیھم اور ضالین سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا میں سلطنت نہ ہونے

(۱) مرادِ قرآن کی صریح تحریف اور اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے صحیح تفسیر یہ ہے کہ اعمال صالحہ میں مسابقت کرنے والے مراد ہیں۔ ۱۲

کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ (پھر کہا ہے) صراط (اللہ تعالیٰ کا راستہ) وہ ہے جو تمہیں دنیا[1] میں غالب کرے۔

اللہ تعالیٰ کفار سے خوش ہے مسلمان سے خوش نہیں

''ان کو قرآنی شہادت دے کر بتلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا لازمی اور منطقی نتیجہ بادشاہتِ زمین ہے بلکہ جو قوم بھی خدا تعالیٰ کی زمین کی وارث ہے یا وارث بننے کی کوشش کر رہی ہے وہ ''ان الارض یرثها عبادی الصالحون'' کے خدائی قول کے مطابق صحیح معنوں میں عابد اور ملازم خدا ہے وہ ہی صالح ہے اور خدا بھی اس سے خوش ہے''۔
(اشارات ص ۹۴)

نہایت ٹھنڈے دل سے اور ہوش مند بن کر غور کرنا چاہئے کہ اس پروردگار رَبّ العٰلمین کی اصلی دوستی آج ہنری سمتھ اور رام داس کی جماعتوں سے ہے، راز و نیاز کی چشمکیں اگر ہیں[2] تو اُنہیں سے ہیں، رحمت کی موسلا دھار بارشیں ہیں تو اُنہی پر ہیں، مہربانی کا بادل اُنہی پر چھا رہا ہے۔ (اشارات ص ۹۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا انکار

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت بھی اسی سنت آلٰہیہ کے مطابق واقع ہوئی تھی جس کی بابت قرآن نے کہا ہے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا۔ (تذکرہ دیباچہ صفحہ ۱۷)

مسجدوں کو آگ لگا دی جائے

آج عالمِ اسلام کے قریب قریب ہر قریے اور قصبہ میں محلوں اور کوچوں کی اکثر مسجدیں صحیح معنوں میں مساجد ضرار ہیں۔ (تذکرہ اُردو صفحہ ۱۵۶)

---

(۱) یہ بھی قرآن کی صریح تحریف ہے۔ ۱۲ منہ
(۲) اگر یہی رحمت کی بارش اور راز و نیاز اور دوستی ہے جو مشرقی سمجھا ہے تو صرف اس زمانہ کے مسلمان نہیں بلکہ اکثر انبیاء علیہم السلام تک اس سے محروم ہیں اور فرعون و ہامان اور عاد، ثمود اس سے مالا مال۔ نعوذ باللہ۔ ۱۲ منہ

ایسی سب مساجد کو بالا تفاق آتشیں اصطباغ دے کر (یعنی جلا کر) اُمت کو نفاق کی شیطانی آلائش سے ایک دفعہ پھر پاک صاف کر دیا جائے۔ (تذکرہ اُردو صفحہ ۱۵۷)

بُت پرستی کا اعتقاد بُت پرستی نہیں

''اس کشت زار سعی و عمل کے اندر نہ اعتقادی بت پرستی کوئی بت پرستی ہے نہ قولی خدا پرستی کو عبودیت کہہ سکتے ہیں۔'' (تذکرہ دیباچہ صفحہ ۱۸)

حدیث و تفسیر کا انکار

''لوگ قرآن کے متعلق جو تشریح چاہیں بنا لیں، اس کی آیات کو توڑ مروڑ کر جو مطلب سمجھیں نکال لیں تاویل کے انبار لگا دیں یا مکر کے طومار بکھیر دیں، مگر ان کے صحیح اور واحد معنی خود قرآن کے اندر موجود اور محفوظ ہیں ایک ایک لفظ کی مکمل اور مفصل شرح اُنہی اوراق کے اندر ہے قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی اور ایک جزو دوسرے جزو کی نمایاں تائید اور کامل تفسیر کر رہا ہے نہ اس کو کسی فلسفے کی ضرورت ہے نہ حکمت کی نہ لغت کی[1] اور نہ حدیث کی۔'' (تذکرہ اُردو صفحہ ۹۲)

خلاصہ عقائدِ مشرقی

(۱)......عقائد سرے سے کوئی چیز نہیں ہر شخص جو چاہے عقائد رکھے اُس کے اسلام و ایمان پر اس کا کچھ اثر نہیں۔ (تذکرہ اُردو صفحہ ۸۶ و ۸۷ اور تذکرہ عربی صفحہ ۵۴)

(۲)......کلمۂ شہادت اور تمام اقوال و اقرار دین میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے (تذکرہ عربی صفحہ ۱۱۲ و صفحہ ۵۴ و حاشیہ صفحہ ۶۷)

(۳)......ارکانِ اسلام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ یہ بھی عباداتِ مقصودہ نہیں بلکہ ان سے مقصود صرف ان کی روح ہے جو دنیوی بادشاہت اور غلبہ و قوت ہے۔ (تذکرہ

(۱) کوئی پوچھے کہ بغیر لغت سمجھے ہوئے قرآن کو سمجھنا کیسے ممکن ہے۔ ۱۲

اُردو دیباچہ صفحہ ۹۳ تا ۹۴ و ۹۷ تا ۹۸ و ۱۰۰، وتذکرہ عربی صفحہ ۱۴۳ وغیرہ)

(۴)......جو شخص دنیا میں حصولِ قوت وسلطنت کے لئے جہاد نہیں کرتا نہ اُس کا ایمان واسلام کچھ ہے اور نہ نماز روزہ وغیرہ مقبول ہے۔ (تذکرہ صفحات مذکورہ ۳)

(۵)......ایمان، اسلام، توحید، عبادت سب کے سب صرف ایک خاص عمل کا نام ہے یعنی دنیا میں قوت وغلبہ اور سلطنت حاصل کرنا۔

(۶)......آخرت میں جنت کا مستحق وہی ہے جس نے دنیا میں سلطنت وقوت حاصل کی جس کو یہاں نعمت حاصل نہیں وہ آخرت میں بھی محروم رہے گا۔ (تذکرہ عربی صفحہ ۲۲ و ۵۴)

(۷)......اسلام مدارِ نجات نہیں ہر شخص اپنے اپنے مذہب پر رہ کر جنت آخرت کا مستحق ہوسکتا ہے۔ (تذکرہ عربی صفحہ ۵۵ و ۸۸)

پھر انہیں خیالات واُصول مذکورہ کے نتیجہ کے طور پر امور ذیل بھی نہایت وضاحت وصراحت سے تذکرہ وغیرہ میں بار بار دھرائے گئے ہیں۔

(۸)......انگریز نصاریٰ اور دوسری یورپین اقوام اعلیٰ درجہ کے مؤمن، متقی، صلحا، ابرار، اولیاء، آخرت میں جنت کے مستحق ہیں۔

(تذکرہ عربی صفحہ ۳۰ و ۴۰ و ۴۳ و ۴۴ و ۴۶ و ۴۸ و ۴۹ و ۵۵ و ۵۶ و ۶۹ و ۸۵ و ۸۹ و ۹۳)

اسی طرح بت پرست مشرکین تیس کروڑ دیوتاؤں کو پوجنے کے باوجود سچے موحد اور مؤمن ہیں۔ (اشارات صفحہ ۹۹)

(۹)......موجودہ تمام مسلمان چونکہ عسکریت اور اجتماعی طاقت فراہم نہیں کرتے اس لئے سب مشرک وجہنمی ہیں۔ (تذکرہ عربی صفحہ ۱۵، ایضاً دیباچہ اُردو صفحہ ۶۴ و ۱۹ وغیرہ)

(۱۰)......تمام حنفی، شافعی، مقلد، غیر مقلد سب جہنمی ہیں۔ (دیباچہ تذکرہ اُردو صفحہ ۶۰)

(۱۱)......اُمتِ محمدیہ صحیح اسلام پر صرف تیس سال تک باقی رہی اس کے بعد اسلام اور قرآن

کا ایک بڑا حصہ قطعاً اُن کے ذہن سے نکل گیا۔ (تذکرہ دیباچہ اُردو صفحہ ۱۹)

اور اپنے رسالہ مولوی کا غلط مذہب میں کہیں کہا ہے کہ سو برس کے مولوی کا بتلایا ہوا اسلام غلط ہے۔ کہیں دو سو برس اور کہیں تین سو برس کے تمام علماء کے بتلائے ہوئے اسلام اور قرآن کو غلط کہتے ہیں۔ (غلط مذہب نمبر ا ص ا و نمبر ۵، ص ۲ و نمبر ۵، ص ۱۱)

(۲۱)......افترئ علی اللہ۔ (تذکرہ عربی صفحہ ۳۱) اور تحریفِ قرآن (تذکرہ عربی صفحہ ۱۰ وحاشیہ صفحہ ۶۵ تا صفحہ ۶۶ وغیرہ) اور آنحضرت ﷺ سے بطریقِ تواتر ثابت ہونے والی سنتوں کا استہزاء وتمسخر اور استخفاف (تذکرہ عربی صفحہ ۶۷۔ دیباچہ تذکرہ اُردو صفحہ ۱۵ وصفحہ ۹۰ وغیرہ) اور یہ سب چیزیں عام طور سے اُن کی تصانیف میں بکثرت موجود ہیں۔

عقائدِ مذکورہ کے متعلق

شرعی احکام

عقائد مذکورہ کا خلافِ اسلام، خلافِ قرآن وحدیث، خلافِ عقائد اہلِ اسلام ہونا اس قدر بدیہی اور ظاہر ہے کہ علماء اور خواندہ مسلمانوں سے گذر کر عوام اور بالکل ناخواندہ مسلمان تک اُس سے واقف ہیں، اس لئے ضرورت نہیں کہ اُن کے مقابلہ میں قرآن وحدیث سے تردید نقل کی جائے، لیکن اتمامِ حجت کے لئے دلائل کی طرف اجمالی اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوا، جو عقائدِ مذکورہ پر نمبر وار عرض کیا جاتا ہے اور اُس سے پہلے چند ضروری اُصولی مباحث لکھے جاتے ہیں جو نہ صرف مشرقی فتنہ کے متعلق کارآمد اور ضروری ہیں بلکہ اس دورِ الحاد و دہریت میں اُن سے واقف ہونا اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ہر ملحدانہ فتنہ کے مقابلہ میں مسلمان کا کامیاب ہتھیار اور اُس کے ایمان کے محافظ ہیں۔

چند اُصولی مباحث

کفر واسلام کی حقیقت، مسلمان کون ہے اور کافر کون؟

جس طرح آسمان اور زمین کا فرق ایک بدیہی امر ہے کفر واسلام کا فرق بھی اُس شخص کے لئے جو کسی مذہبی گھرانہ میں پلا ہو، بداہت وظہور میں کسی طرح اُس سے کم نہیں اور اس لئے یہ بحث کہ کفر کیا ہے اور اسلام کیا ہے، درحقیقت ایسی بحث ہے جیسے کوئی آسمان وزمین کے باہمی فرق یا شمس وقمر کے فرق پر بحث کرے، لیکن افسوس کہ آج کل مذہب وملت سے بیگانگی اور ناواقفیت اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ آج وقت کا سب سے اہم مسئلہ یہ بن گیا ہے کہ مسلمانوں کو اسلام اور کفر کی حقیقت سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ ناواقفیت سے کسی مسلمان کو کافر یا کافر کو مسلمان کہنے کی شدید غلطی میں نہ پڑ جائیں یا خدانخواستہ کفر کو اسلام سمجھ کر قبول نہ کرلیں۔

بالخصوص اس وجہ سے کہ کفر کے بعض اقسام ایسے بھی ہیں جو صورت میں اسلام سے ملتے جلتے ہیں اور یہی سب سے زیادہ خطرناک کفر ہے، مسلمانوں کو ہر زمانہ میں جتنا نقصان اس قسم کے کفر اور کفار سے پہنچا ہے کھلے ہوئے کفار سے ہرگز نہیں پہنچا۔

اس لئے اس بحث کا اصل مقصد اسی نوعِ کفر کو واضح کرنا ہے اور یہ ایک ایسا اصولی مسئلہ ہے کہ اگر اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو دورِ حاضر کے کل ملحدانہ فتنے قادیانی چکڑالوی، مشرقی وغیرہ خود اپنی موت مرجاتے ہیں۔

اسلام کیا چیز ہے اور مسلمان کون ہے

اس لئے سب سے پہلے اصولی طور پر یہ معلوم کرنا چاہئے کہ قرآن اور شریعتِ اسلام کی اصطلاح میں اسلام وایمان کس چیز کا نام ہے اور کفر کس کا، مسلمان کس کو کہتے ہیں اور کافر کس کو؟

یہ حقیقت اس قدر ظاہر اور بدیہی ہے کہ ہر مسلم و غیر مسلم اس سے واقف ہے کہ اسلام کے سب سے بڑے ارکان یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ایک مانے اور اُس کے رسول حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائے۔

رسول پر ایمان لانے کے معنی

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رسول پر ایمان لانے کے یہ معنی تو ہیں نہیں کہ اُن کے وجود کا اقرار کرے کہ فلاں سن میں فلاں جگہ پیدا ہوئے، ایسا حلیہ تھا، فلاں فلاں کام کئے، بلکہ رسول پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ اُس کے فرمائے ہوئے ہر حکم کو ٹھنڈے دل سے تسلیم کرے، اُس پر کوئی اعتراض و انکار اُس کے قلب و زبان پر نہ ہو۔ قرآن مجید نے خود اس معنی کو آیتِ ذیل کے صریح لفظوں میں واضح کر دیا ہے:

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم ثم لایجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلّموا تسلیما.

قسم ہے آپ کے رب کی کہ یہ لوگ اُس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک وہ آپ کو اپنی تمام نزاعات واختلافات میں۔ حکم نہ بنا دیں اور پھر جو فیصلہ آپ فرما دیں اُس سے اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں اور اُس کو پوری طرح تسلیم کریں۔

تفسیر روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر امام جعفر صادق اور دوسرے علماءِ سلف سے یہ نقل فرمائی ہے:

روی عن الصادق قال لوان قوماً عبدوا اللّٰہ تعالیٰ واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وصاموا رمضان وحجوا البیت ثم قالوا الشئی صنعہٗ رسول اللّٰہ الاّ صنع خلاف ماصنع اووجدوا فی انفسهم حرجا لکانوا من المشرکین۔

حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے

اور بیت اللہ کا حج کرے مگر کسی ایسے کام کے متعلق جو آنحضرت ﷺ نے کیا ہے یوں کہے کہ آپ نے اس کے خلاف کیوں نہ کیا یا وہ آپ کے عمل اور حکم سے اپنے دلوں میں تنگی محسوس کرے تو بلاشبہ وہ (ان سب اعمال وعبادات کے باوجود) مشرکین کفار میں داخل ہو جائے گی۔

قرآن مجید کی آیات اس مضمون پر سینکڑوں کی تعداد میں پیش کی جاسکتی ہے مگر ثبوت کے لئے اتنا کافی ہے۔

ان آیات سے بوضاحت معلوم ہوگیا کہ اسلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کے ہر حکم کی دل سے تصدیق کرے، اُس پر کوئی اعتراض نہ کرے اور اسی سے یہ بھی متعین ہوگیا کہ مسلمان وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ کے ہر حکم کی دل سے تصدیق کرنے والا ہو۔

اسی کا خلاصہ درمختار میں ان الفاظ سے مذکور ہے:

الایمان وهو تصديق محمد صلى الله عليه وسلم في جميع ماجاء به عن الله تعالىٰ مما علم مجيئه به ضرورة۔ (باب المرتد)

ایمان یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے لائے ہوئے تمام احکام کی دل سے تصدیق کرے، بشرطیکہ آپ سے اُن کا ثبوت قطعی وضروری طریق پر ہو۔

کفر کیا چیز ہے اور کافر کون ہے؟

جب اسلام وایمان کے معنی معلوم ہوگئے تو کفر کے معنی بھی اُسی سے متعین ہوگئے کیونکہ جس چیز کے ماننے کا نام اسلام وایمان ہے، اُسی کے نہ ماننے اور انکار کرنے کا نام کفر ہے جیسا کہ عقائدِ اسلامیہ کی مشہور کتاب شرح مواقف میں اس کی تصریح بھی ہے، معلوم ہوا کہ قرآن اور اسلام کی نظر میں کافر وہ شخص ہے جو حق تعالیٰ یا آنحضرت ﷺ کے کسی حکم کا (بشرطیکہ اُس کا حکمِ خدا یا حکمِ رسول ہونا قطعی طور پر ثابت

ہو) انکار کرے۔

یہی مضمون درمختار میں ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے:

الکفر لغة الستر وشرعًا تکذیبه صلی الله علیه وسلم فی شئی مما جاء به من الدین ضرورةً۔

کفر لغت میں تو چھپانے کو کہتے ہیں اور اصطلاحِ شرع میں آنحضرت ﷺ کی تکذیب ایسے احکام میں جن کا ثبوت آپ سے بطریق ضرورت وقطعیت ہو چکا ہے۔

انکارِ خدا یا انکارِ رسول کی تین صورتیں

خدا تعالیٰ یا اُس کے رسول کو نہ ماننے کے یہ معنی قرآن کی تصریح سے معلوم ہو چکے کہ جو حکم اللہ تعالیٰ یا اُس کے رسول ﷺ سے ثابت ہو جائے اُس کا انکار کرنا یا اُس پر اعتراض کرنا درحقیقت خدا کے خدا ہونے اور رسول کے رسول ہونے کا انکار ہے اور اسی وجہ سے کفر ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کو نہ ماننے کی تین صورتیں ہیں اور تینوں کفر ہیں:

اوّل:...... یہ کہ کھلے طور پر خدا کو خدا یا رسول کو رسول نہ مانے۔

دوم:...... یہ کہ خدا کی خدائی اور رسول کی رسالت کا اقرار کرے لیکن اُن کے فرمائے ہوئے احکام میں سے کسی حکم کو صحیح نہ مانے یا اُس پر اعتراض کرے۔

سوم:...... یہ بھی نہ ماننے ہی کی ایک صورت ہے کہ خدائی اور رسالت کا بھی اقرار کرے اور زبان سے یہ بھی کہے کہ اللہ اور رسول کے تمام احکام کو مانتا ہوں لیکن احکام کے معنی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کے بتلائے ہوئے اور آپ کے بلا واسطہ شاگردوں (حضرات صحابہ) کے سمجھے ہوئے معنی کے خلاف قرار دے کر آپ کے احکام کو ٹال دے۔

وجہ ظاہر ہے کہ بغاوت احکامِ شاہی کو نہ ماننے کا نام ہے، اس میں جس طرح

یہ بغاوت ہے کہ صاف طور پر یہ کہہ دے کہ میں بادشاہ کو بادشاہ تسلیم نہیں کرتا، اسی طرح یہ بھی بغاوت ہے کہ اُس کے حکم سے انکار کرے کہ یہ حکم شاہی نہیں۔

نیز یہ بھی بغاوت ہی کی ایک صورت ہے کہ بظاہر قانون کو تسلیم کرے، لیکن قانون ساز جماعت کی تصریحات اور ہائی کورٹ کے تسلیم کئے ہوئے معانی کے خلاف قانون کے نئے معنی تراش کر قانون کو رَد کرنا چاہے۔

پہلی صورت کا انکارِ خدا و رسول اور کفر ہونا قرآن مجید کی بے شمار آیات و تصریحات سے ثابت ہے اور تقریباً ہر مسلم و غیر مسلم کے نزدیک بدیہی اور مسلّم ہے اس لئے حاجت استدلال کی نہیں۔

اور دوسری صورت کا انکارِ خدا یا رسالت اور کفر ہونا آیت مذکورہ فلا وربک لا یؤمنون الخ سے بوضاحت ثابت ہو چکا ہے، شیطان ابلیس جو سب سے پہلا اور سب سے بڑا کافر ہے اُس کا کفر بھی اسی دوسری قسم کے انکار کی بناء پر ہے ورنہ وہ حق تعالٰی کے معبود اور قادر مطلق ہونے کا منکر نہ تھا، بلکہ صرف ایک حکمِ سجدہ کے انکار کی وجہ سے کافر مردود قرار دیا گیا۔

تیسری صورت کا انکارِ رسالت اور کفر ہونا قرآن مجید کی آیاتِ ذیل میں مذکور ہے اور قرآنی اصطلاح میں اس تیسری قسم کے انکار و کفر کا نام الحاد اور ایسے کافر کا نام ملحد ہے حدیث شریف میں اسی کو زندقہ اور زندیق کہا گیا ہے۔ (یہ حدیث آئندہ ذکر کی جائے گی)

قرآنِ مجید میں ہے:

الذین یلحدون فی اٰیاتنا لا یخفون علینا افمن یلقیٰ فی النار خیرٌ ام من یاتی اٰمنا یوم القیامۃ اعملوا ماشئتم انہ بما تعملون بصیر.

جولوگ ہماری آیتوں میں بے جا تاویلیں کرتے ہیں وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے پس کیا وہ شخص جو آگ میں ڈالا جائے بہتر ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن بے خوف ہو کر آئے، جو تم چاہو عمل کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل کو دیکھنے والا ہے (یعنی یہ لوگ اگرچہ تاویل باطل کے ذریعہ اپنے کفر کو چھپاتے ہیں مگر ہم سے چھپ نہیں سکتے)۔

ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

هو ان يضع الكلام على غير موضعه. اخرجه ابن ابى حاتم كذافى الاتقان۔ (صفحہ ۱۹۱ ج ۲ طبع مصر)

الحادیہ ہے کہ کلام آلہی کو بے محل استعمال کرے (یعنی معنی مراد کے خلاف کوئی نئے معنی بنادے)

اور تفسیر روح المعانی صفحہ ۱۲ و ۱۱۳ جلد ۲۴ میں آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ينحرفون فى تاويل ايات القرآن عن جهة الصحة والاستقامة ويحملونها على المحامل الباطلة وهو مراد ابن عباس رضی اللہ عنہ بقوله يضعون الكلام فى غير موضعه (ثم قال فى تفسير قوله تعالىٰ افمن يلقىٰ فى النار الأية)تنبيه على كيفية الجزاء (ثم قال فى تفسيرقوله اعملوا ماشئتم تهديد شديد للكفرة الملحدين الذين يلقون فى النار)

وہ لوگ آیات قرآنیہ کی تفسیر میں صحیح و درست معانی سے انحراف کرتے ہیں اور باطل محمل پر اُتارتے ہیں اور یہی مُراد ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول سے کہ کلام کو بے محل استعمال کرتے ہیں اس کے بعد آیت افمن

یلقیٰ فی النار کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس آیت میں الحاد کی سزا بتلائی گئی ہے۔ پھر آیت (اعملوا ماشئتم) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ کفار ملحدین جو جہنم میں ڈالے جائیں گے یہ آیت اُن کے لئے وعید شدید ہے۔

مجمع البحار صفحہ ۶۹۲ میں الحاد و زندقہ کے معنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کے تحت میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

اتی علی بزنادقة هی جمع زندیق (الی قوله)ثم استعمل فی کل ملحد فی الدین والمراد ههنا قوم ارتدوا عن الاسلام.

زنادقہ زندیق کی جمع ہے اور لفظ زندیق ہر اُس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو احکام دین میں باطل تاویلیں نکالے اور اس حدیث میں زنادقہ سے وہ قوم مراد ہے جو (حرمت شراب میں تاویل باطل کر کے) اسلام سے مرتد ہوگئی تھی۔

محدث الہند امام حدیث و تفسیر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ مسوّیٰ شرح مؤطاء صفحہ ۱۰۹ ج ۲ میں تحریر فرماتے ہیں:

وان اعترف به ظاهرًا لکنه یفسر ماثبت من الدین ضرورة بخلاف مافسره الصحابة والتابعون واجمع الامة علیه فهو الزندیق.

اور اگر بظاہر قرآن کا اقرار کرتا ہے لیکن جو حکم دین اسلام میں قطعی اور ضروری طور پر ثابت ہے اس کی تفسیر حضرات صحابہ و تابعین اور اجماعِ اُمت کے مخالف و معارض کرتا ہے تو وہ زندیق ہے۔

الغرض کفر وارتداد صرف اسی صورت کا نام نہیں کہ کوئی شخص صاف طور پر خدا تعالیٰ کے وجود یا توحید کا انکار کرے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کا منکر ہو جائے یا کھلے طور پر مذہبِ اسلام چھوڑ کر دوسرا مذہب یہودیت یا نصرانیت وغیرہ اختیار کرلے بلکہ جس طرح یہ صورت کفر ہے اسی طرح یہ بھی کُفر ہے کہ اللہ تعالیٰ یا اُس کے رسول کے اُن احکام میں سے کسی ایک حکم کا انکار کرے جو قطعی اور بدیہی طور پر ثابت ہیں، جن

کو اصطلاحِ عقائد میں ضروریاتِ دین کہا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی کُفر وارتداد ہے کہ آیاتِ قرآنیہ اور احکام اسلامیہ کے اُن اجماعی معنی کے خلاف کوئی نئے معنی تجویز کرے جو آنحضرت ﷺ کے بتلائے ہوئے یا صحابہ و تابعین کے متفقہ طور پر سمجھے ہوئے ہیں۔

تیسری صورتِ کُفر ضروریاتِ دین میں تاویل باطل کی مزید توضیح وتصریحاتِ سلف

کُفر کی تیسری قسم چونکہ صورۃً اسلام کے ساتھ ملتبس ہے اور اسی قسم میں عموماً لوگوں کو مغالطہ لگتا ہے اس لئے اس کی قدرے اور توضیح کی جاتی ہے۔

خلاصہ اس قسم کا یہ ہے کہ وہ احکام شرعیہ جو ضروریاتِ دین میں سے ہیں اُن کا صریح انکار کرنا، تو انکار رسالت کا مرادف ہے ہی، اسی طرح اُن میں تاویل باطل کرنا بھی بحکمِ انکار، اور کُفر وارتداد ہے، اس مضمون کو پوری طرح سمجھنے کے لئے دو باتیں معلوم کر لینا ضروری ہیں۔ اوّل یہ کہ ضروریاتِ دین کون سے احکام ہیں۔ دوسرے تاویل باطل سے کیا مُراد ہے۔

ضروریاتِ دین کے معنی یہ ہیں کہ وہ احکام جن کا ثبوت آنحضرت ﷺ سے قطعی اور یقینی طور پر ہو چکا ہو، خواہ عملاً فرض و واجب ہوں یا مسنون و مستحب اور وہ اسلام میں اس قدر مشہور ہوں کہ علماء و عوام سب اُن سے واقف ہوں۔ مثلاً نماز کا فرض ہونا، اذان کا شعارِ اسلام ہونا، ظہر کی چار اور مغرب کی تین رکعتیں ہونا، مسواک کا سُنت ہونا، ختنہ کا شعارِ اسلام ہونا وغیرہ، الغرض ضروری کے معنی اس جگہ اُردو اصطلاح کا ضروری نہیں یعنی فرض واجب بلکہ عربی اصطلاح کا کلمہ مراد ہے۔

تاویلِ باطل

سے وہ تاویل مُراد ہے جو جمہورِ اُمت کے سمجھے ہوئے اور بتلائے ہوئے معانی

کے مخالف ہو جس کی وجہ سے جمہورِ اُمت کا گمراہ ہونا اور حقائق شرعیہ کو غلط سمجھنا لازم آئے مثلاً کوئی یہ کہے کہ میں صلوٰۃ کو فرض مانتا ہوں، مگر صلوٰۃ کے معنی لغت میں دُعا کرنے کے ہیں وہی فرض ہے یہ رکوع وسجود اور مخصوص حرکتیں مُراد نہیں، یا یہ کہے کہ اذان کے معنی اعلان کے ہیں، اعلان گھنٹہ کے ذریعے بھی ہوسکتا ہے، لہٰذا اذان سے مُراد گھنٹہ بجانا ہے یا ظہر کی چار رکعتیں ضروری نہیں کم وپیش بھی ہوسکتی ہیں۔ وامثال ذالک۔

جو احکام ضروریاتِ دین میں داخل نہیں اُن میں اگر ایسی باطل تاویلیں کی جائیں تو موجب فسق ہیں کُفر نہیں۔ لیکن ضروریاتِ دین میں اس قسم کی تاویل کرنا باجماعِ اُمت کفر ہے۔

ضروریاتِ دین میں تاویلِ باطل کیوں کُفر ہے

وجہ یہ ہے کہ احکام قطعیہ مشہورہ جن کو تمام اہلِ اسلام، علماء وعوام اور خواندہ وناخواندہ اسلامی احکام جانتے ہیں اور اُن کی یہ شہرت آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک سے متواتر چلی آئی ہے تو اُن میں تمام اُمت کے سمجھے ہوئے معانی ومطالب کا انکار، پوری اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام کو گمراہ قرار دینا ہے جو صراحۃً نصوصِ قرآن وحدیث کے خلاف ہے، علاوہ ازیں ایسی تاویل کا حاصل یہ ہے کہ اسلام اور اُس کی شریعت وکتاب یا تو ایک ایسا لاینحل معمّٰی ہے کہ ساڑھے تیرہ سو برس سے اربوں پدموں مسلمان اُس کے حاصل کرنے اور سمجھنے سے عاجز رہے اور یا کوئی ایسی چیز ہے جس کی کوئی اساس وبنیاد نہیں، جس نے چاہا جس طرح چاہا جس طرف چاہا پھیر دیا، جو چاہا معنی گھڑ دیئے، وہی دین اسلام بن گیا۔

اور ظاہر ہے ایسی تاویل کرنا درحقیقت اسلام اور اُس کے اصول کو منہدم کرنا ہے اسی وجہ سے علماءِ اُمت نے باتفاق اس کو اقسام کفر میں سے بدترین کفر قرار دیا ہے۔

پانچویں صدی ہجری میں فرقہ باطنیہ ایسی ہی تاویلوں کی وجہ سے باجماعِ اُمت کافر و مرتد قرار دیا گیا۔

پانچویں صدی ہجری کے آغاز میں حسن بن صباح اور اس کے بنائے ہوئے فرقہ کی تاریخ پر ایک نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ مشرقی کا نظریہ اور اُس کے تمام اُصول کار درحقیقت اسی فرقہ کی نقل اور اُس آواز کی صدائے بازگشت ہے، جس نے اب سے آٹھ سو برس پہلے بھی عالم اسلام کو ایک عظیم الشان فتنہ میں مبتلا کیا تھا، یہ فرقہ مختلف وجوہ واسباب کی بناء پر فرقہ باطنیہ، قرامطہ، اسماعیلیہ، وغیرہ ناموں کے ساتھ موسوم ہے، اسی فرقہ سے پھر دروزی، خضروآئی، سویدآئی فرقے پیدا ہوئے، جن کا خیال ٹھیک وہی تھا جو آج مشرقی کہتا ہے کہ:

۱)...... توحید کی اصل ماہیت وحقیقت صرف ہم پر منکشف ہوئی ہے باقی تمام اُمت اُس سے محروم ہے اسی لئے وہ اپنے آپ کو موحدین کہتے ہیں۔

۲)...... مشرقی کی طرح اُن کا بھی یہی خیال تھا کہ اُن کے سوا قرآن کو کسی نے نہیں سمجھا، صرف اتنا فرق ہے کہ وہ اپنے اس دعوے کو کھل کر ان لفظوں میں پیش کرتے تھے کہ (معاذ اللہ) حضرت محمد ﷺ نے بھی قرآن کا اصلی مفہوم نہیں سمجھا بلکہ صرف ظاہری اور لغوی معنی سمجھے تھے اُس کے حقیقی اور باطنی معانی صرف ہم نے سمجھے ہیں۔

مشرقی بھی یہ تو کھلے طور پر کہتا ہے کہ عہدِ نبوت کے تیس سال بعد سے آج تک قرآن کو سوائے مشرقی کے اور کسی نے نہیں سمجھا، جیسا کہ بحوالہ تذکرہ گزشتہ عبارات میں نقل کیا گیا ہے مگر اس کو اتنی جرأت ابھی تک نہیں ہوئی کہ صاف طور پر کہہ دے کہ آنحضرت ﷺ نے بھی (معاذ اللہ) قرآن کو نہیں سمجھا اگرچہ تذکرہ میں بیان کی ہوئی تفسیر آیات کا لازمی نتیجہ یہی ہے، کیونکہ اس میں بہت سی آیات کے معانی وہ بیان کئے گئے ہیں جو صراحۃً آنحضرت ﷺ کی تفسیر وتعلیم کے بالکل مخالف ہیں۔

۳)......اس فرقہ کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ ہم ہی ایک جماعت ہیں جس کو پیغمبر اسلام کے بعد ایمان کے لئے خداتعالیٰ نے مخصوص کیا ہے۔

۴)......حسن بن صباح نے اپنے مذہب کے نو اُصول بنائے تھے جن کو وہ اسلام وایمان اور قرآن کی روح کہتا تھا، مشرقی نے ایک قدم اور بڑھ کر دس اُصول بنائے ہیں جن کے متعلق وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ یہی ایمان واسلام کی روح ہے۔

۵)......حسن بن صباح کے نو اُصول میں ایک یہ بھی تھا کہ شریعت ہمیشہ فلسفہ کے تابع ہوتی ہے یہی بعینہ مشرقی کا نظریہ ہے۔

۶)......اس کے نو اُصول میں سے ایک یہ بھی تھا کہ کسی پر یقین نہ کرو، جرأت سے کام لو۔

۷)......حسن بن صباح نے بھی اپنے تقدس اور قرآن دانی کا فریب سیدھے مسلمانوں پر جما کر ایک عملی جماعت قائم کی تھی جس کے ذریعہ وہ اپنی خواہشات کو بزور منواتا تھا، اس جماعت کے تین حصے کئے گئے تھے، داعی پوشیدہ تبلیغ کر کے اپنا ہم خیال پیدا کرنے والے، رفیق مجتہد مذہب جو مناسب موقع پر مسائل گھڑ لیا کرتے تھے، فدائی جو مخالفین کو قتل کرنے میں دریغ نہ کرتے تھے۔

ان فدائیوں کے حالات پڑھئے تو حیرت ہوجاتی ہے کہ اپنے امیر کے ایک اشارہ پر منار کے اوپر سے گر کر جان دے دیتے ہیں، خود اپنے کو ذبح کر لیتے ہیں جس کے قتل کا حکم ملتا ہے ہزار حیلہ وتدبیر سے اُس کو قتل کر ڈالتے ہیں۔

یہ تمام واقعات کتب تاریخ میں مبسوط موجود ہیں اور جناب عبدالحکیم صاحب شرر کے رسالہ حسن بن صباح میں اور الکاویہ علی الغاویہ مصنفہ مولانا محمد عالم صاحب آسی امرتسری میں بھی بزبان اُردو مفصل موجود ہیں یہ خلاصہ اُسی سے لیا گیا ہے۔

اس فرقہ نے اسی قسم کی تاویلاتِ باطلہ کے ذریعہ عقائدِ اسلام اور شرائعِ اسلام

کو ختم کر دینے کی بنیاد ڈالی تھی کہ ہر حکم شرعی کی ایک باطنی روح نکالی اور اسی کو اصل قرار دے کر اصل حکم کو ختم کر دیا۔

انہیں تاویلاتِ باطلہ کی بناء پر اُس وقت سے لے کر آج تک ساڑھے آٹھ سو برس سے ہر طبقہ کے علماءِ اُمت نے باتفاق ان کو کافر و مرتد قرار دیا اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو مرتدین کے ساتھ کیا جاتا ہے علماءِ اُمت کا یہ اتفاق کتاب الملل والنحل شہرستانی اور ملل ونحل ابن حزم اور ایثار الحق علی الخلق للوزیر الیمانی، شرح مواقف، شرح مقاصد، شرح عقائد وغیرہ عام کتب عقائد میں بصراحت ووضاحت منقول ہے۔

علماءِ سلف کی تصریحات

ضروریاتِ دین میں تاویلِ باطل کا کُفر ہونا

امام حدیث وتفسیر ابن تیمیہ اپنی کتاب الصارم المسلول صفحہ ۳۶۷ میں فرماتے ہیں۔

كما ان الردة تتجرد عن السب فكذالک تتجرد عن قصد تبديل الدين وارادة التكذيب بالرسالة كما تجرد كفر ابليس عن قصد التكذيب بالربوبية.

جیسا کہ بغیر خدا اور رسول پر سب وشتم کے بھی کفر وارتداد ہوسکتا ہے اسی طرح تبدیل مذہب اور بالقصد خدا اور رسول کی تکذیب کے بغیر بھی ارتداد عائد ہوسکتا ہے جیسا کہ ابلیس لعین کا کفر ربوبیت کی تکذیب کے بغیر واقع ہوا۔

امام موصوف کے اس ارشاد سے واضح ہوا کہ خدا اور رسول کے انکار اور تکذیب کی صرف یہی صورت نہیں ہے کہ اُن کے وجود سے انکار کر دے یا اُن کی تکذیب کا قصد کرے بلکہ یہ بھی تکذیب ہی کی ایک صورت ہے کہ اُن کا کوئی ثابت شدہ حکم ماننے سے انکار کر دے۔

امام نسفیؒ نے اپنے رسالہ عقائد میں قرآن وحدیث میں اسی قسم کی تاویل

کرنے کے بارے میں لکھا ہے:

النصوص علی ظواهرها والعدول عنها الی معان یدعیها اهل الباطن الحاد۔

نصوص (قرآن وحدیث) اپنے ظاہری معنی پر ہیں اُن ظاہری معنی سے عدول کر کے وہ باطنی معنی تجویز کرنا جن کا دعویٰ فرقہ باطنیہ کرتا ہے الحاد ہے۔

اور علامہ تفتازانی شرح عقائد میں اسی جملہ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سمیت الملاحدة باطنیة لادعائهم ان النصوص لیست علی ظاهرها بل لها معان باطنیة لا یعرفها الا المعلّم وقصدهم بذالک نفی الشریعة بالکلیة.

ملاحدہ کو باطنیہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ نصوص قرآن وحدیث اپنے ظاہری معنوں میں مراد نہیں بلکہ اُن کے کچھ معنی باطنی ہیں جن کو سوائے اُس شخص کے کوئی نہیں جانتا جس کو فرقہ باطنیہ معلّم (یا نقیب) کہتے ہیں اور غرض اُن کی اس تاویل سے یہ ہے کہ شریعت کو بالکل مٹا دیں۔

اور کلیات ابی البقاء صفحہ ۵۵۳ و ۵۵۴ میں کفر وایمان کی حقیقت اور اقسام کی تفصیل میں لکھا ہے:

ومختار جمهور اهل السنة من الفقهاء والمتکلمین عدم اکفار اهل القبلة من المبتدعین المأولة فی غیر الضرورة لکون التاویل شبهة کما هو المسطور فی اکثر المعتبرات۔

تمام اہل سنت فقہاء ومتکلمین کا پسندیدہ مذہب یہی ہے کہ اُن اہلِ قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے جو نصوص میں تاویلیں کر کے بدعات ایجاد کرتے ہیں، مگر ضروریاتِ دین میں (کہ اُن میں تاویل کرنا دافع کفر نہیں ہوسکتا) کیونکہ (غیر ضروریات میں) تاویل کی وجہ سے ایک شبہ دفعِ کفر کا پیدا ہو جاتا ہے اور شبہ کی حالت میں حکم

تکفیر کا نہیں کیا جا سکتا۔

نیز اسی کتاب کے صفحہ ۵۵۴ و صفحہ ۵۵۵ میں ہے:

وخرق الاجماع القطعي الذي صارمن ضروريات الدين كفر ولا نزاع في اكفار منكر شئي من ضروريات الدين.

اس اجماع قطعی کا خلاف کرنا جو (بوجہ قطعیت وشہرت عامہ) ضروریات دین میں داخل ہو گیا ہے کفر ہے اور اُس میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں کہ ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک چیز کا منکر بھی کافر قرار دیا جائے گا۔

اور شرح جمع الجوامع صفحہ ۱۳۰ جلد ثانی میں ہے

(جاحدالمجمع عليه العلوم من الدين بالضرورة)وهو مايعرفه منه الخواص والعوام من غير قبول للتشكيك فالتحق بالضروريات كو جوب الصلوٰة والصوم وحرمة الزنا والخمر (كافر قطعاً)لان جحده يستلزم تكذيب النبي ﷺ فيه.

جو شخص ضروریات دین میں سے کسی اجماعی مسئلہ کا انکار کرنے والا ہے وہ قطعاً کافر ہے اور ضروریات دین وہ احکام ہیں جن کو خاص وعام سب مسلمان جانتے ہوں اور اُن میں شک کی گنجائش نہ ہو، جیسے نماز، روزہ کا فرض ہونا اور زنا وشراب کا حرام ہونا وغیرہ، وجہ یہ ہے کہ ایسے اُمور کا انکار کرنا نبی کریم ﷺ کی تکذیب کو مستلزم ہے۔

اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی حاشیہ خیالی میں تحریر فرماتے ہیں:

والتاويل في ضروريات الدين لا يدفع الكفر۔ (حاشیہ خیالی ومثلہ فی الخیالی)

ضروریاتِ دین میں تاویل (باطل) کرنا کفر کو دفع نہیں کرتا۔

اور ایثار الحق علی الخلق میں علامہ وزیر یمانی لکھتے ہیں (صفحہ ۱۴۱)

لان الكفر هو جحدالضروريات من الدين اوتاويلها.

کیونکہ کفر اس کا نام ہے کہ ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے یا اُس میں

تاویل (باطل) کرے۔

نیز اسی کتاب کے صفحات ۴۳۰، ۱۲۱، ۱۳۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۵۵ و ۱۱۶ میں یہی مضمون نہایت تفصیل وتحقیق کے ساتھ مذکور ہے، اُسی کے صفحہ ۴۱۵ میں یہ عبارت بھی ہے:

وکذٰلک لاخلاف فی کفر من جحد ذٰلک المعلوم بالضرورۃ للجمیع وتستر بالتاویل فیما لایمکن تاویلہ کالملاحدۃ.

اسی طرح اس میں بھی کسی کا خلاف نہیں جو کسی ایسے حکم کا انکار کرے جو سب مسلمانوں کو بداہۃً حکم اسلامی معلوم ہوں، وہ کافر ہے (اگرچہ) ایسے کلام میں جو محتملِ تاویل نہیں تاویل کر کے اپنے کفر کو چھپائے۔

اور اتحاف صفحہ ۱۳ جلد ۲ میں ہے:

ومذھب الاکثرین من الأئمہ وجماھیر علماء الامۃ وھو التفصیل والقول بان التاویل فی القطعیات لا یمنع الکفر .

مذہب اکثر آئمہ دین اور جمہور علماء اُمت کا یہ ہے کہ اس معاملہ میں تفصیل کی جائے اور یہ کہا جائے کہ قطعیات ویقینیات اسلامیہ میں تاویل کرنا اُس کو کافر کہنے سے مانع نہیں ہوسکتا۔

نیز اتحاف مذکور میں ہے:

والعلم الضروری یقتضی فی کل ماشاع مثل ھٰذا فی اعصارھم ولم یذکر احدمنھم لہ تاویلا انہ علی ظاھرہ.

علم بدیہی اس کو مقتضی ہے کہ جو احکام عہدِ صحابہ میں شائع ہو چکے اور اُن میں اُن حضرات نے کوئی تاویل ذکر نہیں کی، یہ آیت اپنے ظاہری معنی پر بلا تاویل صادق ہے۔

شرح شفاء ملاعلی قاری میں ہے:

قال حبیب بن الربیع لان ادعائه التاویل فی لفظ صراح لا یقبل.
حبیب ابن ربیع کہتے ہیں کہ صریح لفظ غیر محتمل التاویل میں کسی تاویل کا دعویٰ کرنا مقبول نہیں ہوسکتا۔

اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں ہے:

''وچوں ایں فرقہ مبتدعہ اہل قبلہ اند در تکفیر آنہا جرأت نباید نمود تا زمانے کہ انکار ضروریات دینیہ نہ نمایند ورد متواترات احکام شرعیہ نہ کنند وقبول ما علم مجیئہ من الدین بالضرورت نہ کنند۔'' (مکتوبات امام ربانی صفحہ ۳۸/۳ وصفحہ ۸/۸۹)

یہی مضمون زرقانی شرح مواہب صفحہ ۱۶۸ جلد ۶ اور کتاب الاقتصاد امام غزالیؒ میں اور رسائل ابن عابد بن علامہ شامی صفحہ ۲۶۰ میں، اور فتوحات مکیہ صفحہ ۸۵۷ جلد ۲ باب ۲۸۹ میں، اور ان کے علاوہ تمام کتب عقائد وفقہ میں بتفصیل وتنقیح مذکور ہے۔

شرح مقاصد صفحہ ۲۶۸ و ۲۶۹ میں علامہ تفتازانی کفر کے تمام اقسام کی تفصیل اس طرح لکھتے ہیں:

(ترجمہ) ''یہ بات ظاہر ہوچکی کہ کافر اُس شخص کا نام ہے جو مؤمن نہ ہو، پھر اگر وہ ظاہر میں ایمان کا مدعی ہو تو اُس کو منافق کہیں گے اور اگر مسلمان ہونے کے بعد کفر میں مبتلا ہوا ہے تو اُس کا نام مرتد رکھا جائے گا کیونکہ وہ اسلام سے پھر گیا ہے اور اگر دو یا زیادہ معبودوں کی پرستش کا قائل ہو تو اُس کو مشرک کہا جائے گا اور اگر ادیان منسوخہ یہودیت وعیسائیت وغیرہ میں سے کسی مذہب کا پابند ہو تو اُس کو کتابی کہیں گے اور اگر عالم کے قدیم ہونے کا قائل ہو اور تمام واقعات وحوادث کو زمانہ کی طرف منسوب کرتا ہو تو اس کو دہریہ کہا جائے گا اور اگر وجود باری تعالیٰ ہی کا قائل نہ ہو تو اُس کو معطل کہتے ہیں اور اگر نبی کریم ﷺ کی نبوت کے اقرار اور شعار اسلام نماز، روزہ وغیرہ کے اظہار کے ساتھ کچھ ایسے عقائد دل رکھتا ہو جو بالاتفاق کفر ہیں تو اُس کو زندیق کہا جاتا ہے۔'' (ترجمہ عبارت شرح مقاصد صفحہ ۲۱۸ و ۲۶۹ جلد ۲

ومثلہ فی کلیات ابی البقاء صفحہ ۵۵۳، ۵۵۴)

نیز اسی کتاب شرح مقاصد بحث ہفتم میں ہے:

فلا نزاع فی کفر اهل القبلة المواظب طول العمر علی الطاعات باعتقاد قدم العالم ونفی الحشر ونفی العلم بالجزئیات ونحو ذٰلک.

اُن اہل قبلہ کے کافر ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں جو تمام عمر طاعات وعبادات پر مداوت کریں مگر عالم کے قدیم ہونے یا قیامت میں مردوں کے زندہ نہ ہونے یا اللہ تعالیٰ کے عالمِ جزئیات نہ ہونے وغیرہ کا اعتقاد رکھیں۔

اور علامہ شامی جن کی کتاب آج کل تمام مفتیوں کے نزدیک مسلّم اور اکثر فتاویٰ کا ماٰخذ ہے اُس میں لکھتے ہیں:

لاخلاف فی کفر المخالف. (ای للضروریات) من اهل القبلة المواظب طول عمره علی الطاعات (شامی صفحہ ۳۷۷ جلد ۱)

اہل قبلہ میں سے اُن لوگوں کے کافر ہونے میں کسی کا خلاف نہیں جو باوجود طاعات وعبادات پر مدۃ العمر مداومت کرنے کے بعض ضروریاتِ دین کا خلاف کریں۔

(نوٹ) یہ عبارتیں صرف سو یا دو سو تین سو سال کے اُن ملّاؤں اور مولویوں کا خیال نہیں جن کے سمجھے اور بتلائے ہوئے اسلام کو مشرقی غلط کہہ کر ٹال دینا چاہتا ہے بلکہ عہدِ صحابہ سے لے کر آج تک سب کے سب علماء کے بیانات وتحریرات ہیں۔

یہاں تک اُصولی طور پر یہ بات بفضلہٖ تعالیٰ خوب واضح ہوچکی کہ قرآن وحدیث کی اصطلاح میں اور ساڑھے تیرہ سو برس کی مسلمانوں کی نظر میں کفر کس چیز کا نام ہے اور اسلام کس چیز کا، کفر کی دوسری قسم اور بالخصوص تیسری قسم چونکہ صورت وظاہر کے اعتبار سے اسلام کے ساتھ ملتی جُلتی ہے اس لئے عوام اور نوتعلیم یافتہ مسلمان اُس کے سمجھنے میں عموماً غلطی کا شکار ہوجاتے ہیں اس لئے اُس کو کسی قدر زیادہ تفصیل

سے پیش کیا گیا ہے، اس کے بعد ہم مشرقی کے عقائد مذکورہ میں سے ہر ہر عقیدہ پر مستقلاً مختصر بحث کر کے یہ واضح کرتے ہیں کہ مشرقی کے یہ عقائد سراسر قرآنی اسلام کے قطعاً مخالف ہیں۔ واللہ ولی التوفیق

مشرقی کے عقائد مذکورہ پر نمبر وار تبصرہ

(عقیدہ نمبر ا و نمبر ۲ و نمبر ۳)

(۱) عقائد کوئی چیز نہیں (۲) کلمۂ شہادت و اقرار کچھ نہیں (۳) اسلام ایمان صرف عمل کا نام ہے

مشرقی کے ان خیالات وکلمات کی مراد اگر یہ ہوتی کہ محض دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کر لینا کافی نہیں جب تک اُس کی ساتھ اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ نہ ہوں تو یہ مضمون صحیح و درست اور تمام اُمت کا مسلّمہ مسئلہ ہوتا اور ہم نے جب تک مشرقی کی پوری عبارتوں کا مطالعہ خود نہ کیا تھا، اُس کی طرف سے ایسی عبارتوں کی یہی تاویل کرتے تھے، لیکن مشرقی کی عبارتیں جو شروع رسالہ میں اس کے متعلق نقل کی گئی ہیں اُنہوں نے ہماری یہ تاویل چلنے نہ دی، بلکہ نا قابلِ تاویل صراحتوں کے ساتھ اُس کا یہ عقیدہ اُس کی تمام تصانیف میں پھیلا ہوا نظر آیا کہ وہ سرے سے تمام عقائد اور کلمۂ شہادت اور زبانی اقرار کو مطلقاً لغو و بے کار سمجھتا ہے، اسلام و ایمان صرف عمل کو سمجھتا ہے اور عمل سے بھی وہ تمام اعمال مراد نہیں جو اُمت اسلامیہ کے نزدیک اعمالِ صالحہ ہیں بلکہ صرف حصولِ دنیا اور غلبہ و سلطنت دنیاوی کے لئے کوشش کرنے کا عمل مُراد ہے۔

اور یہ عقیدہ بلا شبہ قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ قطعیہ اور صحابہ و تابعین سے

لے کر آج تک تمام علماء اُمت کے اجماعی عقیدہ کے قطعاً خلاف ہے اور چونکہ یہ مسئلہ اسلام کے اُن احکام قطعیہ میں سے ہے جس کو تمام عام وخاص مسلمان عقیدۂ اسلامیہ جانتے اور سمجھتے آئے ہیں اس لئے ضروریات دین میں داخل ہے، اُس کا انکار یا اُس میں تاویلِ باطل کرنا بلاشبہ کُفر ہے جیسا کہ اُصولی مباحث کے تحت میں اس کا بیان مفصل گذر چکا ہے۔

اس جگہ تین چیزیں زیرِ بحث ہیں، (۱) تصدیق قلبی۔ (۲) اقرار زبانی۔ (۳) اور عمل۔ اس میں تو اسلامی فرقوں کا کچھ لفظی اختلاف بھی ہے کہ عمل ایمان کا جزو ہے یا نہیں اور اقرار زبانی ایمان کا جزو ہے یا شرط۔ لیکن اس پر تمام اسلامی فرقوں کا ہمیشہ سے اتفاق ہے کہ ایمان کے لئے عقائد (تصدیق قلبی) اصل الاصول ہیں، اُمت محمد یہ علی صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کا کوئی گمراہ فرقہ بھی ساڑھے تیرہ سو برس میں اس طرف نہیں گیا کہ ایمان کے لئے کسی عقیدہ اور تصدیق قلبی کی ضرورت نہیں ایمان کی تفسیر عام کتب عقائد میں یہ ہے:

> الایمان فی الشرع ھو التصدیق بما جاء به من عنداللّٰه تعالٰی ای تصدیق النبی صلی الله علیه وسلم بالقلب فی جمیع ماعلم بالضرورة محیئه به (الی قوله) والاقرار به ای باللسان.
> (شرح عقائد نسفی صفحه ۹۰)
>
> ایمان شریعت میں اُس چیز کی تصدیق کرنے کا نام ہے جو آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں، یعنی دل سے ہر اُس چیز کی تصدیق جس کا ثبوت آنحضرت ﷺ سے قطعی اور ضروری طریق پر ہو اور زبان سے اُس کا اقرار کرنا۔

کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ قرآن وحدیث کا اہم حصہ جن عقائد کی تعلیم وتلقین کے لئے آیا ہے اور اُمت نے اس کو علوم اسلامیہ میں سے ایک مستقل علم قرار دے کر لاکھوں کی تعداد میں اُس پر کتابیں لکھی ہیں اور سو دو سو برس کے نہیں، بلکہ تیرہ سو برس کے کُل علماء اُس کی تبلیغ کرتے آئے ہیں، مشرقی صاحب بیک جنبشِ قلم اس

تمام دفتر کا انکار کر دیتے ہیں اور اُس سے زیادہ افسوس کی چیز یہ ہے کہ بہت سے قومی مسلمان اُس کے سننے بلکہ قبول کرنے کے لئے بھی تیار ہو جاتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

یہ ایک مسلّمہ مسئلہ ہے کہ اُس کی شہادت میں قرآن وحدیث پیش کرنا بھی آفتاب کے لئے روشنی کے دلائل پیش کرنے کا مرادف ہے اور پیش کیا جائے تو کہاں تک کہ تمام قرآن وحدیث اُس سے لبریز ہے، اس لئے صرف چند آیاتِ قرآنیہ اور نصوصِ حدیث کی طرف اجمالی اشارہ پر اکتفا کیا جاتا ہے:

آیاتِ قرآنیہ

قال اللّٰہ تعالیٰ [1] ومن یُردِاللّٰہ أن یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام الایۃ (وقال تعالیٰ) [2] الامن اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان (وقال تعالیٰ) [3] ولکن من شرح بالکفر صدرا (وقال تعالیٰ) [4] ان الذین امنوا وعملوا الصالحات (وقال تعالیٰ) [5] ومن یعمل من الصالحات من ذکر او انثی وھو مؤمن.

ان تمام بآیاتِ مبارکہ میں ایمان وکُفر کو محض قلب کا فعل اور صحت عمل کی شرط قرار دیا ہے اور قرآن کا شاید کوئی صفحہ اس قسم کی آیات سے خالی نہیں جن میں ایمان کو اوّل ذکر کرنے کے بعد عمل صالح کا ذکر کیا گیا ہے، اگر ایمان محض عمل ہی کا نام تھا تو تمام قرآن میں ایمان کو علیحدہ اور عمل کو علیٰحدہ بیان کرنے کی ضرورت (۱) کیا تھی۔

روایاتِ حدیث

اور حدیث میں حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے جب ایک کافر پر حملہ کیا اور اُس نے لا الٰہ الا اللّٰہ کہہ لیا اس پر بھی اُسامہ نے قتل کر دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہارِ ناراضی کرتے

(۱) اور ان سیکڑوں آیتوں میں ہر جگہ عطف تفسیری کی تاویل کرنا خود ایک دعویٰ بے دلیل اور تاویل بلا ضرورت ہے۔ ۱۲ منہ

ہوئے فرمایا ھلا شققت قلبہ (یعنی آپ نے اُس کا دل چیر کر تو دیکھا نہ تھا کہ آپ نے سمجھ لیا کہ وہ سچا مسلمان نہیں، پھر کیوں قتل کیا۔ (رواہ البخاری ومسلم)

اس واقعہ نے صاف بتلایا کہ ایمان کا اصل مدار محض قلب پر ہے، اسی طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جو شخص لاالٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کا اقرار صدق دل سے کرے اُس کو اللہ تعالیٰ دوزخ پر حرام کردے گا۔ (رواہ البخاری ومسلم)

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جو شخص لاالٰہ الا اللّٰہ کا اقرار کرے اور اُسی پر گذر جائے تو وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگرچہ زنا اور چوری کرے۔ (بخاری ومسلم)

اسی طرح حضرت عبادہ بن صامت کی روایت اسی مضمون کی ہے اُس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ:

ادخلہ اللّٰہ الجنۃ علیٰ ما کان من عمل ۔ (بخاری ومسلم)

اللہ تعالیٰ اُس کو جنت میں ضرور داخل کریں گے عمل کچھ بھی ہو (یعنی عمل بد کی سزا بھگتنے کے بعد)

ان روایات میں اور بھی صراحت ووضاحت سے اس بات کو صاف کردیا گیا ہے کہ اصل ایمان کا مدار عقائد اور عملِ قلب پر ہے، ہاتھ پیر کے عمل میں کوتاہی بھی ہوجائے تو وہ ایمان سے خارج نہیں اور نہ دائمی عذاب کا مستحق ہے بلکہ بالآخر جنت میں ضرور جائے گا۔

اسی لئے ساڑھے تیرہ سو برس سے جمہور اُمت اس پر متفق ہے کہ مؤمن بے عمل کو اسلام سے خارج نہیں سمجھتے، اُس پر نماز جنازہ پڑھتے ہیں، مقابر مسلمین میں دفن کرتے ہیں حالانکہ اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ غیر مؤمن کے ساتھ یہ معاملہ جائز نہیں، شرح عقائد نسفی میں یہی مضمون بالفاظِ ذیل مذکور ہے:

اجماع الامة من عصر النبی صلی الله علیه وسلم الٰی یومنا هٰذا بالصَّلٰوة علٰی من مات من اهل القبلة من غیر توبة والدعاء والاستغفار لهم مع العلم بارتکاب الکبائر بعد الا تفاق علٰی ان ذلک لا یجوز لغیر المؤمن۔ (شرح عقائد ص ۸۴)

نبی کریم ﷺ کے عہدِ مبارک سے ہمارے زمانہ تک اس پر اُمت کا اجماع ہے کہ اہلِ قبلہ میں سے جو شخص بغیر توبہ کے مرجائے اُس پر نماز جنازہ پڑھی جائے، اُس کے لئے دعائے استغفار کیا جائے، باوجود یہ کہ اُن کا کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہونا بھی معلوم ہے، حالانکہ اس پر بھی اُمت کا اتفاق ہے کہ یہ معاملہ غیر مسلم کے ساتھ جائز نہیں۔

ان تمام شواہد سے جو محض نمونہ کے طور پر پیش کئے گئے ہیں یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ ایمان درحقیقت عقائد ہی کا نام ہے جن کو مشرقی نے یکسر ختم کر دیا ہے۔

اسی طرح اسلام کے لئے شہادت اور کلمۂ اسلام کا اقرار ضروری ہونا، نیز بعض کلمات کا کلماتِ کُفر اور مُوجبِ کفر ہونا آیات وروایاتِ ذیل میں صراحۃً مذکور ہے، مشرقی کا یہ کہنا کہ قرآن میں قولی اور زبانی کفر کا کہیں پتہ نہیں اور نہ اسلام وایمان کا کسی قول وکلمہ سے کوئی تعلق ہے۔ آیاتِ ذیل کا کھلا ہوا مقابلہ اور اُن کی قرآن دانی کا خود ہی ایک نمونہ ہے۔

(قال تعالٰی) والزمهم کلمة التقویٰ وکانوا احق بها واهلها (وقال تعالیٰ) قولوا اٰمنَّا باللّٰهِ وماأنزل علینا. (وقال تعالیٰ) اَلَّذِیْنَ قالوا رَبُّنَا اللّٰه ثم استقاموا. (وقال تعالیٰ) یحلفون باللّٰه ماقالوا ولقد قالوا کلمة الکفر.

آخری آیت کا ترجمہ یہ ہے (کہ وہ لوگ حلف کرتے ہیں کہ ہم نے نہیں کہا حالانکہ اُنہوں نے کلمۂ کفر کہا ہے) حیرت ہے کہ ایسی صریح آیت کے ہوتے ہوئے مشرقی کو قرآن میں قولی کفر نظر نہیں آتا، مگر حقیقت یہ ہے کہ مشرقی خود ہی اس آیت کے مضمون کا مصداق ہے کہ کلمات کفر کہہ رہا ہے اور پھر قسمیں کھاتا ہے کہ وہ ہی اور صرف وہی سچا مسلمان ہے:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا

(۴) عقیدہ

مشرقی کے دین میں عمل صرف ایک ہے یعنی دنیوی مال وجاہ، غلبہ وسلطنت کے لئے کوشش۔ نماز، روزہ وغیرہ کوئی عمل نہیں

مشرقی کا یہ خیال بھی اسلامی نصوص قرآنی آیات اور متواتر روایات کی بالکل نقیض صریح ہے، جس چیز کو اسلام نے مقصود قرار دیا تھا اُس کو آلات وذرائع بنادیا اور جس کو آلات وذرائع قرار دیا تھا اُس کو مقصود ٹھہرادیا۔

خوردن برائے زیستن وذکر کردن ست

تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن ست

قرآنِ مجید اس سے بھرا ہوا ہے کہ اصل مقصود نشأ دنیا اور اُس کے کل کارخانہ کا ذکر اللہ اور خدا تعالیٰ کی عبادت ہے اس کے سوا جتنی چیزیں مامورات یا مباحات ہیں خواہ جہاد اور اُس کے مناسب سیاسی اُمور ہوں یا دوسری چیزیں وہ سب اسی مقصد کی تحصیل کے لئے ہے، اپنے جسم کی حفاظت وخدمت ہے تو اس لئے کہ تندرست رہ کر عبادت میں مشغول ہوں، لباس کی تحصیل ہے تو اس لئے کہ عبادت اُس کے بغیر نہیں

ہو سکتی، کھانا پینا اور سونا جاگنا ہے تو اسی لئے کہ عبادت اس پر موقوف ہے، کسبِ معاش ، زراعت وتجارت، صنعت وحرفت ہے تو اسی مقصد کے حصول کے لئے، دنیا میں غلبہ اور قوت اور سلطنت و تمکن کی ضرورت ہے تو صرف اس لئے کہ عبادت خدا تعالیٰ میں کوئی چیز حارج ومانع نہ ہو۔

دنیا کے منافع مال ودولت سلطنت وقوت مؤمن بھی حاصل کرسکتا ہے اور کافر بھی، مگر دونوں میں اگر کوئی فرق ہے تو یہی اور صرف یہی ہے کہ کافر خود انہیں چیزوں کو مقصود سمجھتا ہے اور مؤمن ان کو اس لئے حاصل کرتا ہے کہ دنیا میں عبادت خدا تعالیٰ اور آخرت میں فلاح کا ذریعہ بنے۔

ہر دوگان آہو گیا خوردند و آب

زاں یکے شد پشک وزاں شد مشک ناب

بہت سی آیات واحادیث میں سے چند بطورِ مثال اس کی توضیح کے لئے درج ذیل ہیں:

(۱)......الذین ان مکّنّا ھم فی الارض اقاموا الصلٰوۃ۔

(مقبول بندوں کے بیان میں ارشاد ہے) وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین پر تمکّن اور غلبہ عطا کریں تو وہ نمازیں قائم کریں۔

(۲)......رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللّٰہ .

وہ لوگ جن کو تجارت اور خرید وفروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی۔

(۳)......یاایھا الذین اٰمنوا لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللّٰہ.

اے مسلمانو! ایسا نہ ہو کہ تمہارے اموال واولاد تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کردیں۔

(۴)......وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون .

میں نے جن وانس کو بجز عبادت کے اور کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا۔

(۵)......لتکون کلمة اللّٰه هِیَ العُلیا

تا کہ اللہ تعالیٰ کا ہی کلمہ بلند ہو۔

(۶)......اذا جاء نصر اللّٰه والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللّٰه افواجًا فسبح بحمدربک واستغفره انه کان توابا.

جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آ جائے اور تم دیکھو کہ لوگ فوج فوج ہو کر اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کی تسبیح پڑھئے اور اُس سے استغفار کیجئے۔

(۷)......قاتلوهم حتیٰ لاتکون فتنه ویکون الدین کله لِلّٰه.

کُفار سے جنگ کرتے رہو تا آنکہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سب کا سب اللہ تعالیٰ ہی کا دین ہو جائے۔

روایاتِ حدیث اس معاملہ میں بہت ہی زیادہ مشہور ہیں اُن میں صرف ایک حدیث پر اکتفاء کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے:

عن ابی الدرداءؓ قال قال رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم الاانبئکم بخیر اعمالکم واز کاها عند ملیککم وخیرلکم من اعطاء الذهب الورق وخیرلکم من ان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقهم ویضربوا اعناکم قالوا وما هو یارسول اللّٰه . قال صلی الله علیه وسلم ذکر اللّٰه عزوجل وهکذا رواه الترمذی وابن ماجه عن ابی الدرداء ومثله عند احمد من حدیث معاذ بن جبلؓ (کذافی تفسیر ابن کثیر تحت قوله تعالیٰ اذکروا اللّٰه ذکرًا کثیر صفحه ۴۹۴ ج ۳ جدید)

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں سب اعمال سے بہتر اور تمہارے مالک

کے نزدیک تمام اعمال سے زیادہ پاکیزہ، اور سونا چاندی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے سے زیادہ بہتر اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہادِ کفار سے بھی جس میں تم اُن کو قتل کرو وہ تمہیں قتل کریں، زیادہ بہتر عمل بتلاتا ہوں، صحابہ ﷺ نے عرض کیا یارسول اللہ! ایسا عمل کون سا ہے، فرمایا کہ وہ عمل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

(ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد، تفسیر ابن کثیر)

ان تمام آیات اور روایات سے بوضاحت ثابت ہوا کہ اصل عمل مطلوب ذکر اللہ اور اقامتِ صلوٰۃ وغیرہ عبادات ہیں، جہاد یا اس کے ذریعہ سلطنت حاصل کرنا ہرگز خود مقصود نہیں، بلکہ ذکر اللہ اور اقامت شعار دین کا ذریعہ ہونے کی حیثیت سے مقصود بالعرض ہے۔

قابلِ نظر

ایک بڑی بات غور طلب یہ ہے کہ جب مشرقی کا نظریہ یہ ہے کہ ایمان، اسلام توحید، عبادات صرف عمل کا نام ہے اور عمل سے مراد اعداد قوت اور تحصیل غلبہ وتمکن فی الارض ہے جو اس پر عمل کرے وہ مؤمن، جو نہ کرے وہ کافر، اور اسی وجہ سے موجودہ نصاریٰ اور بُت پرستوں کو مؤمن متقی اور مسلمانوں کو کافر مشرک کہا گیا ہے، تو بداہۃً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السّلام جن لوگوں کی طرف بھیجے گئے وہ عموماً اس وصف اور اس عمل کے جامع تھے اور مشرقی نظریہ کے اعتبار سے مؤمن تھے، پھر ضرورت کیا تھی کہ انبیاء کو اُن کے مقابلہ کے لئے مأمور فرمایا جائے، بلکہ یہ جائز کیسے ہوا کہ ایسے متقی، اولیاء کا مقابلہ کر کے اُن کو ہلاک کیا جائے اور بلا ضرورت عالم میں خونریزی کی جائے۔

کیا فرعون کی سلطنت اور اُس کا نظام قومی اور شوکت وغلبہ انگریزوں کے غلبہ سے کچھ کم تھا یا نمرود اور قومِ عاد وثمود کا اجتماعی نظام عسکری قوت، غلبہ اور تمکن فی الارض

موجودہ اقوام یورپ کی برابر بھی نہ تھا، پھر جب انگریز اور یورپین نصاریٰ اس قوت عمل اوراجتہاد وسعی کی بناء پر مؤمنین متقین اوراولیاء وابرار ہیں تو عاد وثمود اور فرعون ونمرود کیوں اسی ضابطہ سے مؤمن واولیاء نہ ہوں گے۔

اگر کہا جائے کہ وہ رعایا پر ظلم کرتے تھے، تو کیا جن قوموں کو مشرقی نے مؤمن کہا ہے وہ ظلم نہیں کرتے۔

الغرض اس نظریہ کے اعتبار سے یہ سب قومیں اعلیٰ درجہ کی مسلم مؤمن تھیں، پھر انبیاء علیہم السلام کو ان کے ہلاک کرنے اور مقابلہ کرنے کے لئے کیوں مأمور فرمایا گیا، جب اُن کی قوموں کی قوت وغلبہ ہی ایمان تھا تو انبیاء ایمان کے سوا اور کیا چاہتے تھے۔

دوسری نظر

اسی طرح اگر مشرقی نظریہ صحیح مان لیا جائے جس کی بناء پر موجودہ اقوام یورپ اعلیٰ درجہ کے پکے مسلمان، موحد، ابرار، صلحاء ہیں، تو پھر تحریک خاکساری اور اُس کے لئے ایک جدید فرقہ بنانے کی ضرورت کیا پیش آئی انگریزوں کی فوج میں داخل ہوجانا اُن کے ایمان کو مکمل کرنے کے لئے کافی تھا۔

الغرض یہ مشرقی نظریہ علاوہ قرآن وحدیث کی مخالفت کے خود بھی کسی طرح معقول نہیں ہوسکتا۔

قرآن کا فیصلہ

یہی کفار کا مال ودولت اور جاہ وحشم جس کو مشرقی عین دین وایمان کہتا ہے، قارون کو اتنا حاصل تھا کہ اس زمانہ میں اُس کی نظیر مشکل ہے اور اُسی وقت مشرقی کے ہم خیال لوگوں نے کہا:

قال الذین یریدون الحیوٰۃ الدنیا یلیت لنا مثل مااُوتی قارون انہٗ لذو حظ عظیم. (سورۃ قصص)

جو لوگ حیاتِ دنیا کے طالب ہیں اُنہوں نے کہا کہ کاش ہمیں بھی وہ دولت حاصل ہوتی جو قارون کو حاصل ہے، کیونکہ وہ بڑے نصیب والا ہے۔

لیکن حقیقت شناس اہلِ علم نے اُسی وقت جواب دیا:

وقال الذین اوتوا العلم ویلکم ثواب اللّٰہ خیر لمن اٰمن وعمل صالحا ولا یلقّٰھا الا الصابرون۔

اور کہا ان لوگوں نے جن کو علم (نافع) دیا گیا، خرابی ہو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کا ثواب اُس شخص کے لئے جو ایمان لایا اور جس نے عمل صالح کئے، قارون کی دولت سے بہتر ہے۔

کوئی مشرقی سے پوچھے کہ اگر مال و دولت عزّت وجاہ ہی ایمان اور عمل صالح تھا تو پہلے فریق نے اُس کی تمنا اور دعاء کرنے میں کیا قصور کیا تھا جو اہلِ علم نے اُن کی تردید کی اور پھر اہلِ علم جن کا قول قرآن کریم بطورِ استحسان کے نقل کرتا ہے وہ ایمان اور عمل صالح کو اس دولت قارون کے مقابلہ میں رکھ کر مشرقی نظریہ کو خود باطل کر رہے ہیں۔

اسی واقعہ کے سلسلہ میں قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

تلک الدار الاٰخرۃ نجعلھا للذین لایریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعقبۃ للمتقین۔

یہ دارِ آخرت ہم اُن لوگوں کے لئے کر دیں گے جو زمین میں اپنی بڑائی اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور انجام کار متقی لوگوں کے لئے ہے۔

معلوم ہوا کہ جس تکبر و تجبّر کے لئے مشرقی زمین کی بادشاہت کا طالب ہے وہ مقاصد قرآن و اسلام کے خلاف ہے، اسلام کے لئے سلطنت و غلبہ ضرور ہے لیکن نہ اس لئے کہ کفار کی طرح پیٹ بھرنا اور عزّت کی ڈینگ مارنا اُس کا مقصد ہو، بلکہ صرف اس لئے

کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر و عبادت میں بے فکری کے ساتھ مشغول رہ سکیں، مگر مشرقی نے تو ذکر و عبادت کا قصہ ہی ختم کر دیا ہے وہ تو خود بادشاہت وغلبہ ہی کو عبادت اور ایمان واسلام قرار دیتا ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

(۵) عقیدہ

جو دنیوی غلبہ کے لئے جہاد نہیں کرتا اُس کا اسلام اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب بے کار ہے

مشرقی کا یہ خیال بھی صریح وصاف آیاتِ قرآنیہ کے خلاف ہے۔ اوّل تو جس جہاد کی غرض وغایت محض دنیا کی بادشاہت وغلبہ حاصل کرنا ہو وہ قرآن اور اسلام کی نظر میں جہاد ہی نہیں، جہاد صرف وہ ہے جو خدا تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے اور کفر کو زیر کرنے کے لئے کیا جاتا ہے:

"لتکون کلمة الله هی العلیا" اور "قاتلوهم حتی لا تکون فتنةٌ" کا یہی صاف مطلب ہے۔

اسلام اور قرآن اُس جنگ کا دشمن ہے جو محض حصولِ دنیا اور دنیوی اغراض کے لئے کی جائے، حدیث صحیح میں اُس غازی کا ٹھکانہ جہنم بتلایا ہے جو اپنی عزت وجاہ حاصل کرنے کے لئے جہاد کرتا ہے۔ (مشکوٰۃ) اور اگر بالفرض اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر بھی یہ منجملہ بیسیوں احکام اسلامیہ کے ایک حکم اور منجملہ بہت سی عبادات کے ایک عبادت ہوگا، اس کے ادا نہ کرنے سے دوسری عبادات نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور تمام حسنات وطاعات کا اجر وثواب کیسے ضائع ہو سکتا ہے قرآن کا کھلا ہوا ارشاد ہے:

ومن یعمل مثقال ذرّةٍ خیرًا یرهٗ، وَمن یعمل مثقال ذرّةٍ شرًّا یره

یعنی جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا اُس کو پائے گا اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا اُس

کو پائے گا۔

نیز خود قرآن عزیز نے مسلمانوں کو جہاد اور دوسرے اسلامی کاموں میں تقسیم کار کی ہدایت کرتے ہوئے یہ ترغیب دی ہے کہ ایک جماعت تم میں ایسی بھی ہونی چاہئے جو جہاد کے فرض کفایہ میں شریک نہ ہو بلکہ علم دین کے تعلیم و تعلّم میں مشغول رہے۔:

قال تعالیٰ لو لا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین۔

تو اب مشرقی نظریہ کے مطابق اس طائفہ کا نہ ایمان (معاذ اللہ) درست ہوا، نہ نماز روزہ وغیرہ ۔

الغرض مشرقی کا یہ کہنا کہ جو جہاد نہیں کرتا اُس کا نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ سب ضائع ہیں آیاتِ مذکورہ کا صریح انکار ہے۔

(۶) عقیدہ

جس کو دنیا میں نعمت وقوت وغلبہ حاصل نہ ہوئی وہ آخرت میں بھی نعمتوں سے محروم رہے گا

یہ بھی صراحۃً قرآن وحدیث اور واقعات کے خلاف اور اصول دین کی تحریف ہے، وہ انبیاء علیہم السلام جو اپنی قوموں پر غلبہ نہ پاسکے بلکہ اُن کے ہاتھوں مقتول ہوگئے جس کی خبر قرآنِ کریم کی متعدد آیات میں ہے۔ ویقتلون النبیین کیا (معاذ اللہ) وہ جنتِ آخرت سے محروم رہیں گے اور خدا تعالیٰ کے وہ برگزیدہ رسول حضرت لوط علیہ السلام جن کے گھر پر کفار کے جتھے چڑھ آئے اور وہ اتنا بھی غلبہ وقدرت نہ رکھتے تھے کہ اُن سے اپنے گھر اور اپنے مہمانوں کو بچالیں اور مجبور ہو کر یہ فرماتے تھے۔ لو کان لی بکم قوة اواٰوی الیٰ رُکن شدید۔ اُن کے متعلق کیا فیصلہ ہوگا کیا معاذ اللہ جنت سے محروم رہیں گے؟۔

اسی طرح سینکڑوں صحابہ جو فتح بلاد سے پہلے وفات پا گئے یا خود اُن معرکوں میں شہید ہو گئے اور دنیوی غلبہ وسلطنت کی اُنہوں نے صورت نہیں دیکھی وہ جنت آخرت سے محروم رہیں گے۔ نعوذ باللہ منہ

مشرقی کا یہ عقیدہ بعینہٖ کفار کا عقیدہ ہے

جس کو جگہ جگہ قرآن میں رَدّ کیا گیا ہے

اس نظریہ کی لغویت اور تحریف دین ہونے کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ یہ بعینہٖ عقیدہ کفار کا ہے جو انبیاء اور مؤمنین کے سامنے پیش کرتے اور کہتے تھے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہاں دنیا اور اُس کی نعمتوں کا مالک بنایا ہے تو آخرت میں بھی ہمیں اس کے مالک ہوں گے۔ لاجدنَّ خیرا منھا منقلبًا۔

مشرقی کا یہ عقیدہ بعینہٖ وہ عقیدہ ہے جس کو قرآنِ کریم نے کفار کی طرف سے بالفاظِ ذیل نقل فرمایا ہے:

وقالوا نحن اکثر اموالاواولادا وما نحن بمعذبین۔

کفار کہتے ہیں کہ ہم مال واولاد میں تم سے (مسلمانوں سے) زیادہ ہیں اور ہمیں ہرگز عذاب نہ ہوگا۔

امامِ تفسیر ابنِ کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ای افتخر وابکثرۃ الاموال والاولاد واعتقد وان ذلک دلیل علی محبۃ اللّٰہ تعالیٰ لھم واعتنائہ بھم وانہ ماکان لیعطیھم ھذا فی الدنیا ثم یعذبھم فی الأخرۃ. (ابن کثیر طبع جدید ص ۵۴۰ جلد ۳)

یعنی کفار کثرت مال واولاد پر فخر کرتے ہیں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ کثرتِ اموال اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُن کے حال پر اللہ تعالیٰ کی عنایت کی دلیل ہے اور یہ کہ جب

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اُن کو یہ دولت دی ہے تو آخرت میں عذاب ہرگز نہ دے گا۔

مگر قرآن کا ارشاد اس عقیدۂ کفار کے متعلق کیا ہے وہ اسی کے بعد کی آیت میں ملاحظہ ہو:

قل ان ربی یبسط الرزق لمن یشآء ویقدر ولکن اکثر النَّاس لا یعلمون وما اموالکم ولا اولادکم بالّتی تقربکم عندنا زلفٰی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فاولئک لھم جزاء الضّعف بما عملوا وھم فی الغُرُفَاتِ اٰمِنُوْن.

آپ کہہ دیجئے کہ میرا مالک جس کے لئے چاہتا ہے رزق وسیع کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے (یہ وسعت وتنگی اللہ تعالیٰ کی محبت یا ناراضی کی علامت نہیں) اور تمہارے اموال واولاد تمہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجۂ قُرب دلانے والے نہیں، مگر صرف اُس شخص کے لئے جو ایمان لائے اور عمل صالح کرے تو اُن لوگوں کے لئے دوہری جزا ہے اپنے اعمال کی اور وہ غرفاتِ جنت میں مأمون ہیں۔

اس قرآنی فیصلہ نے مشرقی عقیدہ کی دھجیاں بکھیر دیں اور واضح کر دیا کہ مال ودولت عین ایمان واسلام اور عین عبادت تو کیا ہوتے مقبولیت عنداللہ کی علامت بھی نہیں بلکہ بسا اوقات کفار کے لئے اموال ودولت وسیع کر دیئے جاتے ہیں اور مؤمنین بمقتضائے حکمت فقر وفاقہ میں رکھے جاتے ہیں۔

اور یہ مضمون قرآنِ مجید میں ایک جگہ نہیں بلکہ بہت سی آیات میں مختلف عنوانات کے ساتھ کھلے لفظوں میں بیان کیا گیا ہے جن میں سے آیاتِ ذیل کو امام ابن کثیر نے آیتِ مذکورہ کی تفسیر کے ذیل میں نقل فرمایا ہے:

ایحسبون انما نمدّھم بہ من مال وبنین نسارع لھم فی الخیرات بل لا یشعرون.

کیا کفار یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم جو اُن کے مال واولاد بڑھاتے ہیں تو اُن کے لئے بھلائی بڑھاتے ہیں (اُن کا یہ خیال غلط ہے) بلکہ وہ حقیقت کی خبر نہیں رکھتے۔

ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

فلا تعجبک اموالھم ولا اولادھم انما یریداللّٰہ لیعذبھم بھا فی الحیوٰۃ الدنیا وتزھق انفسھم وھم کافرون.

آپ ﷺ اُن (کفار) کے اموال واولاد کو اچھا نہ سمجھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس سے فقط یہ ہے کہ انہیں اموال واولاد کے ذریعہ اُن کو دنیا میں بھی عذاب دے اور (غافل ہو کر) اُن کی روح حالتِ کفر میں نکل جائے۔

ایک اور جگہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

ذرنی ومن خلقت وحیدًا وجعلت لہ مالا ممدودا وبنین شھودًا ومھدت لہ تمھیدا۔

اُس کا معاملہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں جس کو میں نے (اوّل) اکیلا پیدا کیا (پھر) اُس کو مالِ کثیر عطا کیا اور اولاد پاس رہنے والی دی اور اُس کے لئے طرح طرح کے سامان دیئے۔

(اس کے بعد آیت میں اُس کا معذّب ہونا مذکور ہے)

الغرض قرآنِ کریم کی بے شمار آیات ونصوص اور احادیث کا عظیم الشان دفتر کھلے طور پر یہ اعلان کرتا ہے کہ دنیوی مال ودولت عزّت وجاہ ایمان کی علامت ہے نہ اسلام وایمان کا اُس پر مدار ہے، ہاں اگر مسلمان تمام احکام الٰہیہ کے پابند ہو جائیں تو اُن کو آخرت کی نعمتوں کے ساتھ دنیا میں بھی عزّت وسلطنت، نعمت وراحت دینے کا وعدہ ہے جو ہمیشہ پورا ہوتا رہتا ہے اور بعض اوقات کسی حکمت کی بناء پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ پابندیٔ احکام کے باوجود غلبہ وسلطنت حاصل نہیں ہوتی، جیسے اُن انبیاء کا واقعہ ہے جو اپنی اُمّت کے ہاتھوں مقتول ہوئے، غرض آخرت کی فلاح دنیا کی نعمت وغلبہ پر ہرگز موقوف نہیں۔

حیرت ہے کہ قرآنِ کریم کی اتنی صاف وصریح آیات سے کیسے نظر چرالی جاتی ہے اور اُس سے زیادہ حیرت اُن مسلمانوں پر جو اُس کے باوجود مشرقی کے جال میں پھنستے ہیں۔ فالی اللہ المشتکیٰ

(۷) عقیدہ

اسلام مدارِ نجات نہیں بلکہ ہر مذہب والا اپنے مذہب پر رہ کر جنت کا مستحق ہوسکتا ہے

مشرقی کا یہ عقیدہ بھی ضروریاتِ دین اور قطعیاتِ اسلام کے خلاف اور قرآن و حدیث کی صریح نصوص کا کھلا انکار ہے جن میں سے چند نقل کی جاتی ہیں:

امام تفسیر علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں اس مسئلہ کو پوری طرح واضح کردیا ہے، اور آیاتِ ذیل سے ثابت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد سے قیامت تک آپ کی رسالت عام ہے جو شخص آپ کی رسالت یا قرآن کا انکار کرے وہ ہرگز نجات نہیں پاسکتا، خواہ وہ کتنے ہی اعمالِ صالحہ کرے کیسے ہی عمدہ اخلاق کے ساتھ متصف ہو، کیونکہ اعمال کی روح ایمان ہے جب ایمان نہیں تو تمام اعمال حبط اور ضائع ہیں۔

حق تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آپ اس کا اعلان کردیں کہ:

یاایھاالناس انّی رسول اللّٰہ الیکم جمیعًا

اے لوگو! میں سب کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہوں۔

اور دوسری آیت میں قرآن مجید کے نازل فرمانے کی حکمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لانذرکم بہ ومن بلغ

تاکہ میں قرآن کے ذریعہ تمہیں (آخرت کے عذاب سے) ڈراؤں اور اُن لوگوں کو بھی جن کو (قیامت تک) یہ قرآن پہنچے۔

نیز ارشاد ہے:

فمن یکفر به من الاحزاب فالنار موعده.

تمام (دنیا کی) جماعتوں میں سے جو بھی حضرت محمد ﷺ کا انکار کرے تو جہنم اُس کا ٹھکانہ ہے۔

اور ارشاد ہے:

فذرنی ومن یکذب بهذا الحدیث سنستدرجهم من حیث لا یعلمون۔

جو شخص اس کلام (قرآن) کی تکذیب کرے اُس کا معاملہ مجھ پر چھوڑ یئے میں اُس کو تدریجاً ایسا پکڑوں گا کہ وہ بے خبر ہوں گے۔

نیز ارشادِ خداوندی ہے:

فلا وربک لا یؤمنون حتٰی یحکموک فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجًا مما قضیت ویسلّموا تسلیما.

قسم ہے آپ کے رَب کی کہ وہ اُس وقت تک ہرگز مؤمن نہ ہوں گے جب تک کہ اپنے تمام اختلافی معاملات میں آپ کو حَکَم نہ بنائیں اور پھر آپ کے فیصلہ سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور ٹھنڈے دل سے تسلیم کرلیں۔

نیز مسلم کی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

والذی نفس محمد بیده لا یسمع بی احد من هٰذا الامة یهودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یؤمن بالذی ارسلت به الاکان من اصحاب النار۔ (صحیح مسلم صفحہ ۸۶ جلد ۱)

قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے کہ اُس اُمت میں

سے کوئی شخص جس کو میری خبر پہنچے خواہ یہودی ہو، یا نصرانی (یا کوئی اور مذہب والا) پھر وہ بغیر مجھ پر ایمان لائے ہوئے مرجائے تو وہ اہلِ جہنم میں سے ہوگا۔

اور مستدرک حاکم صفحہ ۲۴۲ جلد ۲ میں یہی حدیث حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی ہے جس کے آخر میں ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ حدیث مجھے معلوم ہوئی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس حدیث کی تصدیق کتاب اللہ (قرآن) میں کس جگہ ہے تو میں نے پایا کہ قرآن کی یہ آیت اس حدیث کی پوری تصدیق کرتی ہے:

فمن يكفر به من الاحزاب فالنار موعدة

تمام (دنیا) کی جماعتوں میں جو بھی (حضرت محمد ﷺ) کی رسالت سے انکار کرے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

الغرض قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص اس عقیدہ سے بھری ہوئی ہیں کہ اسلام وایمان یعنی آنحضرت ﷺ کے لائے ہوئے تمام احکام کو حق ماننا تمام انسانوں کے لئے مدارِ نجات ہے، کوئی قوم، کوئی فرقہ، کوئی شخص بغیر اس تصدیق وایمان کے ہرگز جنت میں نہیں جاسکتا اور نہ عذابِ آخرت سے نجات پاسکتا ہے خواہ اعمال اخلاق کیسے ہی اچھے کرے، اسی لئے یہ مسئلہ بھی ضروریاتِ دین میں داخل اور ہر مسلمان عام وخاص اس سے واقف ہے اس کا انکار کھلا ہوا الحاد وکفر ہے۔

(۸) عقیدہ

موجودہ نصاریٰ اور بُت پرست سچے مسلمان دنیا وآخرت میں فلاح پانے والے ہیں

مشرقی کا یہ خیال اُس کی بہت سی صاف وصریح عبارتوں سے آپ معلوم کر چکے

ہیں، اب اس کے متعلق قرآن کا فیصلہ سنئے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لقد کفر الذین قالوا ان اللّٰہ ثالث ثلثہ وما من الٰہ الا الٰہ واحد

(سورۂ مائدہ آیت ۱۰)

البتہ کافر ہیں وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین میں سے تیسرا ہے حالانکہ سوائے ایک خدا اور کوئی خدا نہیں۔

اسی سورت کی دوسری آیت میں ارشادِ خداوندی ہے:

لقد کفر الذین قالوا ان اللّٰہ ھو المسیح بن مریم

بے شک کافر ہیں وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم ہی ہیں۔

اور مشرکین کے جہنمی کافر ہونے کے متعلق تو قرآنی تصریحات اس قدر زیادہ ہیں کہ عوام تک اُن سے پوری طرح واقف ہیں۔

قرآنِ کریم میں اس مضمون کی آیات جابجا موجود ہیں سب کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں، جو شخص قرآن کو خدا تعالیٰ کا کلام سمجھتا ہے اُس کے لئے یہ بھی کافی ہے، ورنہ سارا قرآن بھی کافی نہیں۔

الغرض مشرقی کا یہ عقیدہ آیاتِ قرآنیہ اور احکامِ خداوندی کے ساتھ کُھلا اعلانِ جنگ اور ضروریاتِ دین کا انکار ہونے کی وجہ سے موجبِ کُفر ہے، شرح شفاء ملا علی قاریؒ ص ۵۱۰ جلد ۲ میں یہی اجماعِ اُمّت بالفاظ ذیل مذکور ہے۔

فالاجماع علی کفر من لم یکفر احدًا من النصاریٰ والیھود وکل من فارق دین المسلمین اووقف اوشک. قال القاضی ابو بکر لان التوقیف والاجماع اتفقا علی کفرھم فمن وقف فی ذلک فقد کذب النص والتوقیف اوشک فیہ والتکذیب والشک منہ لا یقع الامن کافر. (متن شفاء شرح ملا علیؒ)

اُس شخص کے کافر ہونے پر اُمت کا اجماع ہے کہ جو نصاریٰ و یہود کو یا ایسے لوگوں کو کافر نہ سمجھے جو مسلمانوں کے دین سے جُدا ہوں یا ایسے لوگوں کے کافر ہونے میں توقف یا شک کرے، قاضی ابوبکر باقلانی نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ قرآن وحدیث اور اجماع اُمت اُن کے کفر پر متفق ہیں تو جو شخص اِس میں توقف کرتا ہے وہ نص قرآن وحدیث کی تکذیب کرتا ہے یا اُس میں شک کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن کی تکذیب یا اُس میں شک کرنا کافر ہی سے ہوسکتا ہے۔ (مسلمان کا کام نہیں)

(۹) عقیدہ

تمام موجودہ مسلمان مشرک جہنمی ہیں

کسی مسلمان کو کافر یا کافر کو مسلمان کہنا دونوں انتہائی جُرم اور مسلمان کے ایمان کو خطرہ میں ڈال دینے والے ہیں اور بعض صورتوں میں یقینی کفر ہیں، اسی لئے ملاعلی قاریؒ شرح شفاء میں فرماتے ہیں:

ادخال كافر فى الملة الاسلامية او اخراج مسلم عنها عظيم فى الدين۔ (شرح شفاء ص ۵۰۰ جلد ۲)

کسی کافر کو ملت اسلامیہ میں داخل کرنا یا کسی مسلمان کو اس سے خارج کرنا دین میں ایک امرِ عظیم ہے۔

قرآنِ عزیز نے ان دونوں چیزوں پر سخت نکیر اور وعید فرمائی ہے۔

امر اوّل:...... یعنی کسی مسلمان کو کافر کہنے کے متعلق قرآنِ عزیز کا ارشاد ہے:

اذا ضربتم فى سبيل الله فتبيّنوا ولا تقولوا لمن القىٰ اليكم السلام لست مؤمنا.

جب تم اللہ تعالیٰ کے راستہ میں (جہاد کے لئے) سفر کرو تو تحقیق کیا کرو اور جو شخص

تمہیں (اسلامی طریق پر) سلام کرے اُس کو بے تحقیق یہ نہ کہہ دیا کرو کہ تم مسلمان نہیں۔

اور حدیث صحیح مسلم میں ہے:

اذا اکفر الرجل اخاہ فقد باء بہا احدھما وفی روایۃ ابی عوانۃ فان کان کما قال والا فقد باء بالکفر۔

(کذا فی الاعلام بقواطع الاسلام علی ہامش الزواجر ص ۱۲ ج ۲)

جب کوئی شخص اپنے بھائی مسلمان کو کافر کہے تو یہ کفران دونوں میں سے کسی ایک پر ضرور لگ کر رہے گا اور ایک روایت میں ہے کہ اگر وہ شخص فی الواقع کافر ہے تو خیر ورنہ یہ کہنے والا کافر ہو جائے گا۔

اسی حدیث کی بناء پر علماء اُمت نے کہا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو بایں خیال کافر کہے کہ اُس کا مذہب یعنی اسلام کفر ہے تو وہ یقینی کافر ہے اور اگر یہ خیال نہ ہو تو اُس کو کافر کہنے میں تو احتیاط کی جائے گی مگر اس میں شبہ نہیں کہ اُس نے اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈال لیا۔

علامہ ابن حجر مکی نے اعلام وزواجر میں، نیز امام نووی نے شرح مسلم میں حدیث کا یہی محمل ومطلب قرار دیا ہے:

اسی طرح کوئی ایسا عقیدہ رکھنا یا ایسا کلمہ کہنا جس سے تمام اُمت محمدیہ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا (معاذ اللہ) گمراہ ہونا لازم آتا ہو یہ بھی بلاشبہ قطعی کفر ہے۔ شرح شفاء ملا علی قاری میں ہے:

وکذلک نقطع بتکفیر کل قائل قولا یتوصل بہ الی تضلیل الامۃ المرحومۃ وتکفیر جمیع الصحابہ۔ (شرح شفاء صفحہ ۵۲۱ جلد ۲)

ایسے ہی ہم اُس شخص کے کافر ہونے پر بھی یقین رکھتے ہیں جو کوئی ایسا قول اختیار کرے جس کی رو سے تمام اُمت کا گمراہ اور صحابہ کا کافر ہونا لازم آئے۔

امر دوم:...... یعنی کافر کو مسلمان کہنے کے متعلق قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

الم تر الی الذین اوتوا نصیبًا من الکتاب یؤمنون بالجبت والطاغوت ویقولون للذین کفروا ھٰؤلآءِ اھدی من الذی اٰمنوا سبیلا.

کیا آپ نے ان اہلِ کتاب کو نہیں دیکھا جو باطل معبودوں اور بتوں پر ایمان لاتے ہیں اور کفار کو کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں سے زیادہ صحیح راستہ پر ہدایت پانے والے ہیں۔

نیز قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

اتریدون ان تھدوا من اضل اللّٰہ ومن یضلل اللّٰہ فلن تجد لہٗ سبیلاً۔

(نساء پارہ ۵ رکوع ۱۱)

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اُن لوگوں کو ہدایت پر ٹھہراؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا ہے حالانکہ جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے تو اسکے لئے تم کوئی راستہ نہیں پا سکتے۔

ان دونوں آیتوں میں کفار کو مؤمن یا مہتدی کہنے کی سخت ممانعت اور ایسا کہنے والوں پر لعنت صراحۃً مذکور ہے اور کیسے نہ ہو جب کہ ایسا کہنا قرآنِ کریم کی بے شمار آیات کی کھلی تکذیب کرنا ہے، اسی لئے قاضی عیاض نے شفاء میں اور ملا علی قاری نے اُس کی شرح میں فرمایا ہے:

فالاجماع علی کفر من لم یکفر احدًا من النصاریٰ والیھود وکل من فارق دین المسلمین اووقف اوشک .قال القاضی ابو بکر لان التوقیف والاجماع اتفقا علی کفرھم فمن وقف فی ذلک فقد کذب النص والتوقیف اوشک فیہ والتکذیب والشک منہ لا یقع الامن کافر (شرح شفاء ص ۵۱۰ ج ۲ وصول الافکار ص ۲۸)

پس اس پر اجماع اُمت ہے کہ وہ شخص کافر ہے جو یہود ونصاریٰ میں سے کسی شخص کو یا اُن لوگوں میں سے جو مسلمانوں کے دین سے جُدا ہیں کافر نہ قرار دے یا توقف کرے، یا شک کرے، قاضی ابو بکر فرماتے ہیں کہ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن

وحدیث اور اجماع اُن کے کفر پر متفق ہیں، تو جو شخص اُس میں توقف کرے وہ نص قرآن وحدیث کی تکذیب کرتا ہے اور نص قرآن کی تکذیب یا اُس میں شک کرنا کافر ہی کا کام ہے۔

الغرض کسی مسلمان کو کافر یا کافر کو مسلمان کہنا حسبِ تصریحات قرآن وحدیث علمائے سلف کے نزدیک اکثر حالات میں کفر اور بعض صورتوں میں قریب بکفر ہے اور مشرقی کے کلام میں یہ دونوں چیزیں اس قدر صریح اور مکرّر سہ کرّر واقع ہوئی ہیں کہ تاویل کی گنجائش نہیں رہی جیسا کہ اُن کی عبارتوں کے حوالہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ وہ موجودہ نصاریٰ اور بُت پرست ہندوؤں کو مؤمنین، اولیاء، صلحاء، ابرار، جنتِ آخرت کا مستحق قرار دیتا ہے اور مسلمانوں کو مشرک، جہنمی۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

(۱۰) عقیدہ
اُمت اسلامیہ صحیح اسلام پر صرف تیس سال قائم رہی

مشرقی کے اپنے الفاظ اس کے متعلق عبارت ۳۶ میں بحوالہ تذکرہ اُردو صفحہ ۹ میں گذر چکے ہیں جس میں اُس نے کہا کہ اُمتِ اسلام الٰہی اور نبوی تخیل پر تیس برس سے زائد قائم نہ رہ سکی جس کے معنی یہ ہیں کہ حضرات صحابہ ہی تیس سال کے بعد مشرقی کے نزدیک سب کے سب معاذ اللہ گمراہ ہوگئے تھے، بعد میں آنے والی اُمت کا تو کہنا کیا ہے، یہ بھی قرآن کا کھلا ہوا مقابلہ اور تکذیب ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون

ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ ایسی کھلی ہوئی اور ناقابلِ تاویل آیات کا خلاف کرنا کھلا ہوا انکارِ

رسالت ہے جس کا کفر ہونا ظاہر ہے۔

مشرقی کی دوسری کفریات

شرائع اسلام کا استہزاء واستخفاف

تذکرہ اور مشرقی کی عام تحریروں میں رسول اللہ ﷺ کی بہت سی سُنّتوں اور احکام شرعیہ کا ذکر جس استہزاء واستخفاف کے ساتھ کیا گیا ہے یہ بلاشبہ اور بالاتفاق کفر ہے۔ **قال اللّٰہ تعالیٰ قد کفرتم بعد ایمانکم فی قولھم کُنّا نخوض ونلعب**۔ یعنی جو لوگ بطور ہنسی اور استہزاء کے کچھ کلمات نبی کریم ﷺ یا مسلمانوں سے دربارۂ احکام اسلامیہ کہتے تھے اُن کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا۔ قَدْ کَفَرْ تُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ۔

وصح بالنص ان کل من استھزأ باللّٰہ تعالٰی او بملک من الملائکۃ او نبی من الانبیاء علیھم السّلام او بایۃ من القراٰن أوبفریضۃ من فرائض الدین فھی کلھا اٰیات اللّٰہ تعالٰی بعد بلوغ الحجۃ الیہ فھو کافر. (کتاب الفصل لابن حزم صفحہ ۲۵۵)

نص قرآنی سے بطریق صحت ثابت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ یا کسی فرشتہ یا کسی نبی یا قرآن کی کسی آیت یا فرائض شرعیہ میں سے کسی فرض کے ساتھ استہزاء کرے بعد اس کے کہ اُس کو حکم خدا اور رسول ہونا معلوم ہو جائے تو ایسا کرنے والا کافر ہے۔

اتفقوا فی بعض الافعال علٰی انھا کفر مع انہ یمکن فیھا ان ینسلخ التصدیق لانھا افعال الجوارح لا القلب وذٰلک کالھزل بلفظ کفر وان لم یعتقدہ وکالسجود للصنم وکقتل نبی والاستخفاف بہ وبالمصحف والکعبۃ. (حکاہ ابن تیمیۃ من لفظ الا شعری۔

فی کتاب الایمان صفحہ ۶۰)

بعض افعال کو بھی فقہاء نے کفر قرار دیا ہے حالانکہ یہ ممکن ہے کہ اُن افعال کے ہوتے

ہوئے تصدیق رسالت سلب نہ ہو کیونکہ یہ افعال تو ہاتھ پیر کے اعمال ہیں نہ کہ قلب کے، مثلاً ہنسی میں کوئی کلمۂ کفر کہہ دینا اگرچہ وہ اس کا معتقد نہ ہو یا بُت کو سجدہ کرنا، یا کسی نبی کو قتل کرنا، یا کسی نبی یا قرآن یا کعبہ کی توہین کرنا وغیرہ۔

وقیل ان ماکان دلیل الاستخفاف یکفر بہ وان لم یقصد الاستخفاف ذکرہ فی ردالمختار وقیل زید علی التصدیق المجرد اشیاء فی الایمان المعتبر شرعاً وقیل التصدیق المعتبر لا تجامع ھٰذہ الافعال ذکرہ العلامۃ قاسم فی حاشیۃ المسائرۃ والحافظ ابن تیمیہ۔ (کذا فی اکفار الملحدین صفحہ ۵۲)

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ جو افعال علامت تحقیر وتوہین کے ہوں اُن کے کرنے سے کافر ہو جاتا ہے اگرچہ اس کی نیت تحقیر وتوہین کی نہ ہو جیسا کہ شامی میں مذکور ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ شریعت میں جو ایمان معتبر ہے اُس میں چند شرائط اور بھی ہیں مثلاً ایسے افعال سے اجتناب کرنا جو احکامِ شرعیہ کے استخفاف وتحقیر پر مشتمل ہوں اور بعض حضرات نے کہا کہ جو تصدیق ایمان میں معتبر ہے وہ ان افعال کے ساتھ جمع ہی نہیں ہو سکتی، بلکہ جب کسی نے یہ افعال کئے تو یہی سمجھا جائے گا کہ رسالت کی تکذیب کر دی۔

اسی طرح ابن حجر مکی نے کتاب الاعلام میں اس کو متفق علیہ کفر میں درج کیا ہے۔

(اعلام علی ہامش الزواجر صفحہ ۲۲ ج ۲)

افتراء علی اللہ اور تحریف قرآن

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فمن اظلم ممن افتری علی اللّٰہ کذبًا وھو یدعیٰ الی الاسلام.

اُس سے زیادہ ظالم کون شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتراء کرے حالانکہ اُس کو اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے۔

اس آیت میں اُس شخص کو اظلم الناس قرار دیا ہے جو حق تعالیٰ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کرے جو فی الواقع حق تعالیٰ نے نہ فرمائی ہو۔ (جیسا کہ عبارت تذکرہ میں موجود ہے)

اور قرآن مجید کی تحریف بھی ایک گونہ حق تعالیٰ پر افتراء ہے جس کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ان الذین یلحدون فی ایٰتنا لا یخفون علینا افمن یلقٰی فی النار خیر ام من یأتی اٰمنًا یوم القیامة اعملوا ماشئتم انه بما تعملون بصیر.

جو لوگ ہماری آیت میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم پر چھپ نہیں سکتے کیا وہ شخص بہتر ہے جو جہنم میں ڈالا جائے گا یا وہ جو قیامت کی روز مأمون ہو کر آئے گا۔ جو چاہو کرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

شیخ سراج الدین بلقینی سے ایک ایسے ہی شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو قرآن مجید کی تفسیر میں جمہور اُمت کے خلاف نئے نئے معنی ایجاد کرتا تھا تو آپ نے فتوی دیا کہ وہ ملحد زندیق ہے۔ (اتقان مصری ص ۱۹۱ جلد ۲)

حدیث میں ہے کہ

من قال فی القرآن برأیه او بما لا یعلم فلیتبوأ مقعده من النار۔

(اخرجہ الترمذی وحسنہ والنسائی وابوداؤد تفسیر ابن کثیر صفحہ ۵ جلد ۱)

جو شخص قرآن کی تفسیر (تفسیر ماثور کے خلاف) اپنی رائے سے یا بے علمی سے کرے اُس کو چاہئے اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھ لے۔

آیات اور روایات مذکورہ سے واضح ہوا کہ آیاتِ قرآن مجید کی تفسیر ظواہر الفاظ کے خلاف [1] کرنا زندقہ والحاد ہے اور تفسیر ماثور کے خلاف کوئی تفسیر ایجاد کرنا گمراہی ہے اور

---

(۱) خلاف کے لفظ سے واضح ہوگیا کہ جو تفسیریں ائمہ سلف سے محض لغت وعربیت یا اجتہاد کی بناء پر منقول ہیں وہ اس کے تحت میں نہیں آتی کیونکہ وہ تفسیر مأثور کے مخالف نہیں۔ الغرض تفسیر مأثور سے مغائر کوئی ایسی تفسیر جس کا احتمال کلام کے اندر ہو بیان کرنا گناہ نہیں بلکہ اُس کے مخالف تفسیر کرنا گناہ ہے مغائر اور مخالف کا فرق اہل علم پر مخفی نہیں۔ ۱۲ منہ

ایسا کرنے والے کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

تذکرہ اوّل سے آخر تک تمام ہی آیات قرآنیہ کو بے محل اور خلاف مراد استعمال کرنے سے بھرا ہوا ہے اس وقت جو دو تین آیتیں بطور نمونہ کے عقیدہ نمبر ۱۰ میں بحوالہ عباراتِ تذکرہ نقل کی گئی ہیں اُن میں پہلی آیت ''فالسابقون السابقون اولئک المقربون'' اور آیت ومنھم سابق بالخیرات (واقعہ پ ۲۳) تذکرہ میں اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ سابقین وہ لوگ ہیں جو زمین میں سعی بلیغ انعامات الٰہیہ حاصل کرنے کے لئے کریں۔

یہ تفسیر قطعاً اس تفسیر کے خلاف ہے جو صحابہ و تابعین اور علماء اُمت سے منقول ہے، امام ابن کثیر نے اس کی تفسیر حسبِ عادت خود قرآن کریم اور روایاتِ حدیث و آثار صحابہ سے یہ کی ہے

ومنھم سابق بالخیرات وھو الفاعل للواجبات والمستحبات والتارک للمحرمات والمکروھات وبعض المباحات۔

(ابن کثیر صفحہ ۵۵۵ جلد ۳)

کہ اُمت میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو نیک کاموں میں سبقت کرنے والے ہیں اور وہ لوگ ہیں جو واجبات اور مستحبات کو ادا کرنے والے ہیں اور محرمات و مکروہات کو اور بعض مباحات کو (جن سے کسی گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو) ترک کرتے ہیں۔

اور اگر انعاماتِ الٰہیہ سے مصنفِ تذکرہ کی مراد صرف دنیوی انعامات ہیں (جیسا کہ اُن کی دوسری تصریحات سے مستفاد ہے) تو یہ دوسری تحریف ہے۔

اسی طرح لکل امۃ جعلنا منسکاھم ناسکوہ فلا ینازعنک فی الامر (الآیۃ) اس آیت کی خودساختہ تفسیر کے ذریعہ صاحبِ تذکرہ نے یہ بات ثابت کرنا چاہا ہے کہ جتنے فرقے کفار کے آج کل موجود ہیں سب اپنی اپنی شریعت و مذہب پر رہتے

ہوئے نجات پا سکتے ہیں اور ان کا باہمی اختلاف محض فروعی اختلاف ہے جیسا کہ عبارت بست و پنجم و عبارت نوزدہم میں بصراحت مذکور ہے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ کھلا ہوا الحاد اور آیت کی تحریف ہے جو اُن تمام آیات و روایات کے خلاف ہے جن کی تفصیل عقیدہ نمبر ۷ کے تحت میں گذر چکی ہے جن میں اسلام اور آنحضرت ﷺ کے ہر امر وارشاد کی تصدیق کو مدارِ نجات بتلایا گیا ہے آیت کی صحیح تفسیر جو صحابہ و تابعین سے منقول ہے، یہ ہے کہ ہم نے ہر قوم کے لئے ایک شریعت بنائی ہے جب تک وہ شریعت منسوخ نہ ہو اُس پر عمل لازمی ہے، اسی قاعدہ کے ماتحت اُمت محمدیہ کے لئے بھی ایک شریعت دی گئی ہے اس لئے اب یہود و نصاریٰ یا مشرکین کو یہ حق نہیں کہ آپ سے اس شریعت کے بارہ میں منازعت کریں، بلکہ واجب ہے کہ آپ کی شریعت کا اتباع کریں اور پہلی شریعت کو منسوخ سمجھیں۔ (کذا فی روح المعانی صفحہ ۱۷۷ جلد ۱۷)

صاحب تذکرہ نے اس آیت کے مفہوم کو بالکل بدل کر مقصود آیت کی صریح نقیض کو اُس کی تفسیر بنا دیا۔ (نعوذ باللہ منہ)

اسی طرح آیت **الذین انعمت علیهم** میں نعمت سے دنیوی غلبہ و سلطنت مراد لینا بھی آیت کی کھلی تحریف اور اُس تفسیر کے مخالف ہے جو خود قرآن نے دوسری جگہ فرمائی ہے یعنی **الذین انعمت علیهم من النبیین و الصدیقین و الشهداء** کیونکہ اس آیت سے صاف واضح ہے کہ اس آیت میں نعمت سے نعماء آخرت مراد ہیں جو تمام انبیاء وصدیقین و شہداء کو یقیناً حاصل ہیں ورنہ اگر دنیوی سلطنت و غلبہ مراد لیا جائے تو تمام انبیاء وصدیقین و شہداء کو دنیوی غلبہ کہاں حاصل ہوا، بہت سے انبیاء خود اپنی قوم کے ہاتھوں شہید کئے گئے، لوط علیہ السلام کو اپنے گھر کی حفاظت کی بھی ظاہری طاقت حاصل نہ تھی اسی لئے فرماتے تھے "**لو کان لی بکم قوة اوٰوی الیٰ رُکن شدید**" یہ ایک مختصر نمونہ ہے اُن تحریفاتِ قرآن کا جس سے تذکرہ بھرا ہوا ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ تذکرہ میں قرآن کی تحریف صریح ہے اور تحریف قرآن الحاد و زندقہ

ہے جیسا کہ عقائد نسفی اور اُس کی شرح کے حوالہ سے گذر چکا ہے۔ واللہ اعلم

مشرقی کی قرآن دانی کا ایک نمونہ

مشرقی کا علم وفضل، عربی دانی اور قرآن دانی کو پوری طرح تو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو علوم عربیت اور قرآن وحدیث کے عالم ہیں مگر بعض چیزیں تو ایسی ہیں کہ معمولی لکھا پڑھا آدمی بھی اُس کو دیکھ کر مشرقی کی علمی قابلیت معلوم کر سکتا ہے اُس کی صرف ایک نظیر اس جگہ لکھی جاتی ہے۔

آیت قرآن مجید و کفی اللّٰہ المؤمنین القتال کا ترجمہ آپ لکھتے ہیں

مؤمن کے لئے صرف ایک عمل کفایت کرتا ہے وہ سپاہی بن کر لڑتا ہے

یہ ترجمہ ومطلب قطع نظر اس سے کہ تفسیر ماثور اور مراد خدا کے خلاف ہے۔ ادنیٰ صرف نحو پڑھنے والا طالب علم سمجھ سکتا ہے کہ اس عبارت کا یہ ترجمہ کسی طرح ہو ہی نہیں سکتا۔

خلاصۂ کلام دربارۂ عقائد مشرقی

مشرقی کی عبارات تذکرہ وغیرہ میں مندرجہ ذیل اُمور بصراحت موجود ہیں:

۱)...... عقائد کا سرے سے انکار۔

۲)...... تمام اقوال واقرار اور کلمۂ شہادت کا انکار۔

۳)...... تمام موجودہ مسلمانوں کو مشرک وکافر جہنمی قرار دینا۔

۴)...... یہود ونصاریٰ اور مشرکین کو مؤمن متقی، صلحاء، ابرار کہنا۔

۵)...... ارکانِ اسلام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کو محض اوزار کی طرح غیر مقصود اور ان سب کا مقصود اصلی دنیوی غلبہ وسلطنت قرار دینا۔

۶)...... یہ کہ آخرت کی نعمت صرف اُس شخص کو ملے گی جس کو دنیا میں نعمت وسلطنت وغلبہ حاصل ہو۔

۷)......اسلام اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات کی تصدیق مدار نجات نہیں بلکہ ہر مذہب والے اپنے مذہب باطل پر رہ کر جنت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

۸)...... بہت سی ضروریات دین اور قطعیاتِ اسلام کا انکار۔

۹)......احکامِ شرعیہ کا استہزاء اور استخفاف۔

۱۰)......افتراء علی اللہ تعالیٰ اور تحریف قرآن۔

اور یہ کُل اُمور حسب تفصیل مذکور بلا شبہ خلافِ اسلام اور الحاد و زندقہ ہیں اور ملحد وزندیق اصطلاحِ شرع میں اُسی شخص کو کہا جاتا ہے جو اسلام کا مدعی ہونے کے باوجود عقائدِ کفریہ رکھتا ہو اور آیاتِ قرآنیہ کے ایسے معنی بتاتا ہو جو دوسری نصوص اور اجماعِ اُمت کے خلاف ہیں، ایسا شخص شرعاً بحکم مرتد ہے، مجمع البحار میں ہے:

أُتِيَ عليَّ بزنادقة هي جمع زنديق (الى قوله)ثم استعمل في كل ملحد في الدين والمراد ههنا قوم ارتدوا عن الاسلام۔
(مجمع البحار صفحہ ۴۹۵)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس چند زندیق لائے گئے، اس حدیث کی شرح میں صاحب مجمع البحار لکھتے ہیں کہ لفظ زنادقہ زندیق کی جمع ہے یہ لفظ ہر ایسے شخص کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو دین میں الحاد کرنے والا ہو اور اس حدیث میں وہ لوگ مراد ہیں جو اسلام سے مرتد ہو گئے تھے۔

اور علامہ شامی لکھتے ہیں:

فان الزنديق يموّه كفره ويروّج عقيدته الفاسدة ويخرجها في صورة الصحيح وهذا معنى ابطان الكفر فلا ينافي اظهاره الدعوىٰ۔ (شامی باب المرتد صفحہ ۴۵۸ جلد ۳)

کیونکہ زندیق اپنے کفر پر پردہ ڈالتا ہے اور اپنے عقیدہ فاسدہ کی ترویج واشاعت کرتا ہے اور اُس کو صحیح عقیدہ کی صورت میں پیش کرتا ہے، یہی معنی ہیں کفر پر پردہ

ڈالنے کے، اس لئے زندیق کا اپنے دعوے کو ظاہر کرنا اور شائع کرنا اس کے منافی نہیں۔

اور زندیق وملحد کی یہی تعریف اور یہی حکم شرح مقاصد صفحہ ٢٦٨ و ٢٦٩ جلد ٢ اور کلیات ابوالبقاء صفحہ ٤٥٣ و ٤٥٤ میں بھی بتفصیل ہے۔

تنبیہ ضروری

کسی مدعی اسلام کو کافر قرار دینا ایک نہایت خطرناک اور نازک معاملہ ہے اسی لئے ہم نے اس میں امکانی احتیاط سے کام لیا اور جب یہ دیکھ لیا کہ ان عبارات میں کوئی صحیح تاویل بھی نہیں ہوسکتی اُس وقت مسلمانوں کی حفاظت اور خود مشرقی کی خیر خواہی کے نظر سے یہ لکھا کہ ایسے خیالات وعقائد رکھنے والا ملحد اور مخالفِ اسلام ہے۔

ہم نے محض اس نظر سے کہ مقصود نصیحت وخیر خواہی ہے بد زبانی کا انتقام لینا نہیں مناظرانہ طرز کو یکسر چھوڑ کر قرآن کی تعلیم کردہ طرزِ احسن کو اختیار کیا ہے تا کہ خود مشرقی اور اُن کے متبعین بھی اس کو دیکھیں تو دل آزاری نہ ہو اور وہ سمجھیں کہ ہم کس طرف جارہے ہیں اور مسلمانوں کو لے جانا چاہتے ہیں۔

واللّٰہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم بما فی صدور العباد وبیدہ الاضلال والارشاد نسألہ الصواب والسداد فی المبدأ والمعاد.

☆☆☆☆

ضمیمہ عقائدِ مشرقی

مشرقی کے عقائد خود اُن کے قلم سے

اور بعض اعتراضات کے جواب کی کوشش

مشرقی کی تصانیف تذکرہ، اشارات، قول فیصل کا غور اور انصاف سے مطالعہ کر کے جو کچھ اُن کے خیالات وعقائد سمجھے گئے اُن کی تفصیل مع حوالجات اور اُن کا شرعی حکم لکھا جا چکا تھا کہ بعض حضرات نے مشرقی کے دوسرے رسائل واشتہارات بغرض مطالعہ بھیج دیئے جن میں مولوی کا غلط مذہب نمبر اوّل تا نہم ویاز دہم وشانز دہم اور رسالہ میری سخت گیریاں اور جھوٹ کا پول وغیرہ تھے۔

مجھے چونکہ خود اس کی تلاش تھی کہ مصنف تذکرہ اپنے ان عقائد واقوال کے بارے میں اب کیا خیال رکھتے ہیں اور کچھ تاویل کرتے ہیں یا نہیں اور یہ اقوال وعقائد جن قرآنی نصوص واحادیث اور اجماع کے خلاف ہیں اُن کا کوئی جواب دیتے ہیں یا نہیں، اس لئے ان میں سے اکثر کو باستیعاب اور بعض کا اکثر حصہ غور وانصاف سے مطالعہ کیا، ان میں چند چیزیں ایسی نظر پڑیں جن کا تعلق اُن عقائد وخیالات سے ہے جن کے متعلق یہ رسالہ لکھا گیا ہے اس لئے ضروری ہوا کہ اُن پر مزید غور کر کے اُس کو قبول یا رَدّ (جو کچھ حق معلوم ہو) اُس کا اسی رسالہ کے ساتھ اظہار کیا جائے نیز ان رسالوں کی قابل مواخذہ عبارتیں بھی مذکورہ تین کتابوں کی عبارتوں کے ساتھ شامل کی جائیں تا کہ اُن کے حوالہ سے کلام لیا جائے۔ چنانچہ حسبِ ضرورت چند عبارتیں مواضع ضرورت میں ملحق کر دی گئی۔

اب ان امور کے متعلق لکھا جاتا ہے جو رسائل مذکورہ میں مشرقی نے بیان کئے ہیں:

(۱)...... مشرقی نے کہا ہے ''مجھ پر الزام ہے کہ تذکرہ میں بُرے عقیدوں کا ذکر کیا گیا ہے''۔

(جواب) تذکرہ میں کسی عقیدہ کی تعلیم کے متعلق ایک لفظ موجود نہیں نہ وہ عقائد کی کتاب ہے نہ اُس میں خاکسار تحریک کی تشریح ہے نہ کم علم کو چاہئے کہ اسے پڑھے وہ اس کو ہرگز نہ سمجھ سکے گا اور کم علمی کے باعث اس کا غلط مطلب لے گا۔

جواب:...... یہ مانا کہ تذکرہ فنِ عقائد کی کتاب نہیں لیکن جو کچھ مشرقی نے اُس میں لکھا ہے وہ دو (۲) حال سے خالی نہیں یا وہ اُس کو حق اور یقینی سمجھتا ہے تو وہ ہی اُس کا عقیدہ ہے اُس کے مسلمانوں کے مطالعہ کے لئے شائع کرنا اس عقیدہ کی تعلیم ہے کیونکہ عقیدہ کا مفہوم اس سے زائد کچھ نہیں اور یا وہ اُس کو حق نہیں سمجھتا تو اُس کی اشاعت کیوں کی اور اگر غلطی سے ہوگئی تھی تو اب اُس کی اشاعت بند کریں اور اُس کے غلط ہونے کا اعلان کریں۔

اور جب تک یہ نہ ہو، مشرقی کا یہ کہنا بے معنی ہے کہ اُس میں کسی عقیدہ کی تعلیم نہیں یا وہ عقائد کی کتاب نہیں۔ آیا یہ کہنا کم علم اس کتاب کو نہ سمجھیں گے، اگر اپنے سوا ہر انسان کو کم علم کہہ دیں تو اور بات ہے ورنہ اُس میں کوئی ایسے دقیق نکات نہیں جن کو معمولی طالب علم نہ سمجھ سکے، تذکرہ کی جو عبارتیں آخر رسالہ میں ملحق ہیں نمونہ کے لئے ہر شخص اُن کو دیکھ سکتا ہے کہ اُن میں کوئی اغلاق واجمال نہیں جس کے سمجھنے میں تکلف ہو بلکہ عقائد کفریہ کو پوری وضاحت سے لکھا گیا ہے۔

(۲)...... لکھا ہے (س) کیا انگریز، جرمن، جاپان حکمراں قومیں مؤمن ہیں اور اسی تہذیب پر موت واقع ہوجانے پر وہ الجنت کے حق دار ہوسکتے ہیں۔

(ج) انگریز جرمن جاپان وغیرہ مسلمانوں کے نزدیک ہرگز مؤمن نہیں، نہ ہوسکتے ہیں، نہ جنت کے حق دار۔ (جھوٹ کا پول ص ۹)

لیکن تذکرہ واشارات کی ایک دو نہیں بارہ تیرہ عبارتیں جو رسالہ ہذا میں عقیدہ نمبر ا

کے تحت میں نقل کی گئی ہیں اس کے خلاف بالکل صراحت ووضاحت سے کفار ومشرکین اور بالخصوص انگریزوں کے مؤمن، متقی، اولیاء، صلحاء، ابرار ہونے کا اعلان کر رہی ہیں۔

رسالہ جھوٹ کا پول چونکہ بعد کی تحریر ہے اس کو پہلی تحریر یعنی تذکرہ سے رجوع سمجھ لیا جاتا، مگر اشارات صفحہ ۱۹ میں مشرقی نے بہت زور سے یہ کہا ہے کہ ''میں تذکرہ کی ایک سطر ایک حرف کو بھی بدلنا نہیں چاہتا۔''

اس لئے اب جب تک مشرقی یہ اعلان نہ کریں کہ تذکرہ میں انگریزوں کے مؤمن متقی ہونے کے بارہ میں جو کچھ میں نے لکھا تھا غلط تھا، اب اس کی تصحیح کرتا ہوں اور آئندہ تذکرہ سے اُن عبارات کو خارج کرتا ہوں یا تذکرہ کی اشاعت بند کرتا ہوں اُس وقت تک جھوٹ کے پول کی اس عبارت سے وہ الزام رفع نہیں ہوسکتا اور ایسی متعارض باتوں کو اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ تہافت ہے کہیں کچھ کہہ دیا کہیں کچھ، جیسا کہ تذکرہ کے اُردو دیباچہ صفحہ ۱۰ تا صفحہ ۱۵ میں انگریزوں کو گمراہ بھی کہا ہوا ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ مشرقی نے اس عبارت میں جو یہ الفاظ بڑھائے ہیں کہ (مسلمانوں کے نزدیک ہرگز مؤمن نہیں) اس سے یہ غرض ہو کہ عام مسلمانوں کا یہ خیال ہے اور اپنا خیال وہ ہے جو تذکرہ میں لکھا ہے اس طرح بے شک دونوں متعارض عبارتیں مطابق ہوسکتی ہیں مگر مشرقی سے اصل الزام نہیں اُٹھتا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۳)...... مشرقی نے اپنے ''غلط مذہب ۱۱ص ۱۱'' میں لکھا ہے:

''مجھ پر سوال ہے کہ میرے عقائد کیا ہیں (جواب) میرا عقیدہ یہ ہے کہ (۱) اللہ تعالیٰ ایک اور لاشریک ہے۔ (۲) حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں۔ (۳) روزِ قیامت برحق ہے۔ (۴) اسلام کے پنج ارکان یعنی کلمۂ شہادت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ پر عمل صحیح ہے اس کے ماسوا جس عقیدے پر تمام دنیا کے مولوی اتفاق ثابت کردیں وہی عقیدہ میرا ہے۔ انتہیٰ''

یہ الفاظ اگر مشرقی کی کوئی خاص اصطلاح نہیں بلکہ اُنہیں معنوں میں مراد ہیں جو ہمیشہ سے اُمت محمدیہ نے آج تک سمجھے ہیں تو یہ عقائد صحیح ہیں، قابلِ اعتراض نہیں، لیکن اُن کی دوسری کتابوں میں عقائد مذکورہ میں سے کئی عقیدوں کے خلاف مکمل جہاد کیا ہوا ہے اور بعض کے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی نے الفاظ تو وہی رکھے ہیں جو مسلمانوں کے عقائد کے الفاظ ہیں مگر اُس کے معنی وہ بتلائے ہیں جو سراسر عقائد اسلامیہ کے اور قرآن وحدیث کے خلاف ہیں، جیسے اب سے سینکڑوں برس پہلے فرقہ باطنیہ نے بعینہ اس طرز پر اسلام کو مٹانے کی کوشش کی تھی کہ عقائد کے الفاظ وہی تھی جو مسلمان کہتے ہیں مگر معنی بالکل برعکس بیان کرتے تھے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے الفاظ کو قائم رکھا تھا مگر اُن کی حقیقت بدل دی تھی مگر اُمت اور علمائے اُمت نے (موجودہ صدی یا اُس سے سو دو سو برس پہلے کے مولوی نہیں) بلکہ علمائے سلف نے اُن کو باتفاق کافر، ملحد، زندیق قرار دیا، جس کی تفصیل اسی رسالہ کے مقدمہ میں آپ کی نظر سے گذری ہوگی، کیونکہ یہ بات ظاہر تھی کہ عقائد اسلامیہ سے محض لفظی اشتراک کافی نہیں۔

الغرض اگر مشرقی کا یہی اعلان ہمارے سامنے ہوتا ان کی دوسری کتابوں میں اس کی صریح مخالفت نہ معلوم ہوتی تو ہمیں بدگمانی کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی اور نہ کسی کو اس تفتیش کرنے کا حق تھا کہ ان الفاظ سے تمہاری مراد کیا ہے، بلکہ الفاظ کے ظاہری مفہوم کا مراد لینا متعین تھا لیکن چونکہ معاملہ یہ ہے کہ تذکرہ، اشارات، غلط مذہب وغیرہ میں صراحۃً ان عقائد کے خلاف پُرزور تقریریں موجود ہیں اور اُن تقریروں کی تردید یا اُن سے رجوع کا کوئی اعلان یا متعارض باتوں میں تطبیق کی کوئی صورت اس میں بیان نہیں کی گئی۔

تو اب اس اعلان کو بجز تلبیس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے اس کی توضیح کے لئے مشرقی کی دوسری کتابوں سے چند عبارتیں بطور نمونہ نقل کی جاتی ہیں، یہ عبارتیں چونکہ آخر رسالہ میں بالفاظہا پوری نقل ہیں اس لئے یہاں صرف اُن کے چند جملوں اور خلاصہ پر اکتفا کیا جاتا ہے تفصیل کے لئے اُن عبارات کے نمبروں کا حوالہ ہے:

(۱) ''عقائد کی بد معاشی کو جڑ سے اُکھیڑ دیا۔ (الی قولہ) بے خوف وخطر یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ اسلام عمل اور صرف عمل ہے جو عامل ہے اُس کا عقیدہ بھی درست ہی نہیں بلکہ اُس کو کسی عقیدے یا زبانی قول کی ضرورت ہی نہیں جو قائل ہے وہ بہرنوع کچھ نہیں آج کچھ نہیں کل کچھ نہیں، ابدالآباد تک کچھ نہیں''۔ (تذکرہ دیباچہ اُردو صفحہ ۸۶ وصفحہ ۸۷ عبارت یکم)

اور دیباچہ اُردو صفحہ ۹۷ تا صفحہ ۹۸ میں ہے:

(۲) کلمۂ شہادت کو بصحت تمام پڑھ لینا میرے نزدیک کوئی عبادت نہیں۔ (عبارت سوم)

(۳) توحید قلوب کے اندر پیہم بُت شکنی کرتے رہنا ہے یہی عبادتِ خدا ہے۔ تذکرہ صفحہ ۹۸ (عبارت سوم)

اور بت شکنی سے مراد مشرقی کے نزدیک صرف خواہشات نفسانی کی مخالفت ہے جیسا کہ خود اشارات صفحہ ۹۲ تا ۹۹ میں تصریح کی ہے۔

نیز اشارات کے انہیں صفحات میں اپنی خیالی اور اصطلاحی توحید کو اس طرح واضح کیا ہے کہ:

''پس جب توحید یہ ہے کہ دل میں کوئی بُت نہ رہے اور جب خدا تعالیٰ کو ماننے کے کوئی دوسرے معنی لینا ناممکن ہے تو مسلمان اس وقت یقیناً ایک خدا کو ماننے والے نہیں (اس کے بعد مشرکین اور بُت پرست اقوام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں) اُن میں تیس کروڑ دیوتاؤں کی پرستش کے باوجود سب کا طریق عمل ایک ہے تو اس لئے اُن کے تیس کروڑ بُت دراصل بت نہیں رہے (الی قولہ) الغرض اُن کی راہ ایک، کام ایک منتہاء ایک ہے، اس لئے اُن کا آقا ایک اور حاکم ایک ہے، خدا ایک ہے، دین ایک ہے، (پھر لکھا ہے) ایسی قوم توحید پر صحیح معنوں میں عامل ہے وہ دین اسلام پر چل رہی ہے، اُن کو مشرک یا بُت پرست کہنا اندھا پن ہے۔''

(اشارات صفحہ ٩٩ (عبارت نہم)

نیز تذکرہ عربی صفحہ ۵۷ کے حوالہ سے عبارت بست و ششم میں ہے **فلا و الله ماهو الاقد بنى الاسلام على عشرة اصول التوحيد فى العمل من دون القول۔**

(۴) ''اسلام [1] کی بنیاد اُن چیزوں پر نہیں جو تم کہتے ہو اور کلمۂ شہادت، صوم وصلوٰۃ، حج وزکوٰۃ جن کو تم ارکانِ اسلام کہتے ہو وہ ارکانِ اسلام نہیں، بلکہ محض اُمت محمدیہ کی علامت اور عبادت کا طریق خاص ہے جس کے ذریعہ تمہاری اُمت دوسری اُمتوں سے ممتاز ہوتی ہے، لیکن اسلام کی بنیاد ان چیزوں پر ہرگز نہیں۔ تذکرہ عربی صفحہ ۵۷ (عبارت بست ششم)

پس کلمۂ شہادت کوئی چیز نہیں بجز اس کے کہ وہ اتحادِ عمل کا مظہر ہے اور انسان کے دلی راز کا مصداق اور روزہ کچھ نہیں بجز اس کے کہ وہ نفس کے ساتھ جہاد اور اُس پر محاسبہ ہے اور نماز کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ قوم کو متحد کرنا اور امام کی اطاعت ہے اور زکوٰۃ کچھ نہیں بجز اس کے کہ وہ جہاد بالمال ہے اور حج کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ اتحادِ قومی کا مظاہرہ ہے اور یہ تمام ارکان اسلام محض تنظیمِ جماعت اور اتحادِ قومی اور تقویتِ قوم کے لئے صرف اس واسطے قائم کئے گئے کہ یہ لوگ زمین پر مستقل اور بادشاہ بن کر رہیں۔'' تذکرہ عربی صفحہ ۵۷ (عبارت بست و ہفتم)

اور یہی مضمون عبارت ٢٨ و ٢٩ و ٤٠ میں مذکور ہے:

عبارت مندرجہ بالا (۱) سے معلوم ہوا کہ مشرقی کے نزدیک عقائد سرے سے کوئی چیز ہی نہیں تو پھر معلوم نہیں کہ یہ اپنے عقائد کا اعلان کیسا ہے اور کیوں ہے؟ کیا فقط مسلمانوں کو یہ سنانے کے لئے کہ میں بھی عقائد رکھتا ہوں۔

عبارت (۲) سے معلوم ہوا کہ اقوال وکلمات اور خود کلمۂ شہادت کوئی عبادت نہیں تو

---

(۱) عربی عبارت مختصر لکھی گئی ہے ترجمہ پوری عبارت کا لکھا گیا ہے ۱۲ منہ

پھر یہ کلمۂ شہادت کو اپنے عقائد وایمان کا جزو بنانا کیا معنی رکھتا ہے؟۔

عبارت (۳) سے معلوم ہوا کہ عقیدہ نمبر ا یعنی اللہ تعالیٰ ایک لاشریک ہے جس کو توحید سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ وہ توحید نہیں جو قرآن وحدیث کی تصریحات کے موافق تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے بلکہ مشرقی کی توحید کوئی ایسی چیز ہے جس کی رُو سے آج کل کے چالیس کروڑ مسلمان تو موحدّ نہیں ہیں اور تیس کروڑ دیوتاؤں کے پوجنے والے موحدّ و مسلمان ہیں۔

عبارت (۴) سے واضح ہوا کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جن کو اس اعلان میں مشرقی نے ارکانِ اسلام مانا ہے، اوّل تو وہ درحقیقت ارکانِ اسلام نہیں اور جو کچھ بھی ہیں اُن کے وہ معنی نہیں جو تیرہ سو برس سے اُمتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے سمجھے تھے، بلکہ کچھ فوجی قواعد اور خالص سیاسی مقاصد کا نام ہے۔ (والعیاذ باللہ تعالیٰ) اس کے علاوہ پھر الفاظ یہ ہیں کہ ان پر عمل صحیح ہے جو بہت ہی مبہم لفظ ہیں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ فرضیت کا انکار ہے محض صحیح اور جائز مانتے ہیں پھر یہ بھی متعیّن نہیں کہ ان پر عمل کے وہی معنی ہیں جو بحوالہ عباراتِ تذکرہ وغیرہ میں بیان کئے گئے ہیں یعنی وحدت قومی اور حصولِ سلطنت کے لئے کوشش کرنا یا ان پر عمل سے مراد وہی صورتِ شرعیہ ہے جو عام مسلمان سمجھتے ہیں۔

اب عقائد مندرجۂ اعلان میں سے صرف دو چیزیں باقی رہیں ایک یہ کہ حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں، دوسرے یہ کہ روزِ قیامت برحق ہے۔

لیکن جب کہ تذکرہ اور مشرقی کی دوسری تصانیف میں آنحضرت ﷺ کے سمجھائے ہوئے قرآنی معنی اور آپ کے بہت سے احکام کی صریح مخالفت آپ کی سنّتوں کا تمسخر واستہزاء بصراحت موجود ہے تو پھر معلوم نہیں کہ آپ کو آخری نبی ماننے کا کیا مطلب ہے ظاہر ہے کہ کسی نبی کو ماننے کے یہ معنی تو ہیں نہیں کہ وہ ایک انسان تھے فلاں شہر میں پیدا ہوئے تھے ایسا حلیہ تھا۔

بلکہ نبی کو ماننے اور اُس کی نبوت کا اعتقاد رکھنے کے معنی جو خود قرآن نے بتلائے ہیں یہ ہیں کہ اُس کے ہر حکم کو بے حیل و حجت ٹھنڈے دل سے تسلیم کرلے اور اُس کے عین ہدایت ہونے میں ذرا تأمل نہ کرے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ فلا وربک لا یؤمنون (الی قولہ) ویسلموا تسلیمًا۔

الغرض رسول کے بتلائے ہوئے معانی، قرآن اور اُس کے لائے ہوئے احکام کی مخالفت اور تمسخر واستہزاء کے ساتھ شرعی اور اسلامی اصطلاح میں تو نبی ہونے کا عقیدہ جمع نہیں ہوسکتا، ہاں ممکن ہے کہ توحید کی طرح مشرقی کے نزدیک اقرار نبوت کی بھی کوئی خاص اصطلاح ہو جس کے ساتھ یہ سب چیزیں کھپ سکیں۔

اسی طرح روزِ قیامت برحق ہونے کے الفاظ کا اگر مطلب یہ ہو کہ اُس روز کے متعلق جس قدر تفصیل احوال واہوال کی قرآن اور احادیث صحیحہ قطعیہ میں مذکور ہے وہ سب حق ہے تو بے شک یہ عقیدہ صحیح ہے ورنہ اُس شخص کے لئے جس کو اہوال قیامت کی تفصیل مندرجۂ قرآن وحدیث معلوم ہو اُس کے لئے صرف یہ عقیدہ کافی نہیں کہ روزِ قیامت برحق ہے، ہاں عوام اور جہلاء جن کو اس کی تفصیل معلوم ہی نہ ہو اُن کے لئے البتہ اتنا ہی اجمال کافی ہے۔

اسی طرح یہ کہنا کہ جس عقیدہ پر تمام دنیا کے مولوی اتفاق ثابت کردیں وہی میرا عقیدہ ہے، بجز اس کے کہ جس طرح مولوی کے ساتھ دوسرے کلمات تمسخر اُن کی کتابوں میں مذکور ہیں یہ بھی ایسا ہی ایک کلمہ ہے اور کیا کہا جاسکتا ہے نہ تو کوئی تمام دنیا میں گشت لگا کر ہر قریہ اور بستی کے مولویوں کی فہرست جمع کرے گا اور نہ اُن سب کی کوئی کانفرنس کہیں منعقد ہوگی اور نہ کوئی عقیدہ ثابت ہوگا، خود ہی انصاف سے کہہ دیں کہ کیا کسی عقیدہ کو ثابت ماننے یا کسی کام کو کرنے کا یہی طریقہ ہے یا محض سر سے بلا ٹالنے کا ایک بہانہ ہے خود مشرقی صاحب نے جو اسلام کے دس ارکان تذکرہ عربی صفحہ ۵۷ میں قرار دے کر بڑے شد ومدّ

سے کہا ہے کہ اسلام صرف یہی ہے اس کے سوا کوئی اسلام اسلام نہیں، کیا اُن دس ارکان کے اعتقاد پر تمام دنیا کے مولویوں کا اتفاق طلب کیا تھا اور اتفاق ثابت ہونے کے بعد یہ عقیدہ قائم کیا ہے یا اب وہ تمام دنیا کے مولویوں کا اُس پر اتفاق ثابت کر سکتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس طرح پر تو نہ دنیا کا کوئی کام ہوسکتا ہے نہ دین کا، مولویوں ہی کی کیا خصوصیت ہے، کوئی شخص کہے کہ میں تو سنکھیا کو اُس وقت قاتل مانوں گا جب ساری دنیا کے طبیب ڈاکٹر اس پر اتفاق ثابت کر دیں، کیا اُس کے کلام کا یہی مطلب نہ سمجھا جائے گا کہ وہ اُس کے قاتل ماننے کا منکر ہے اور اسی انکار کا یہ بہانہ بنایا ہے۔

الغرض اس عقیدہ کے متعلق جو اجمالی کلمات لکھے ہیں اُن میں دونوں احتمال ہیں کہ صحیح و کافی ہوں یا یہ بھی محض تلبیس ہو، حقیقت حال کا علم صرف علیم و خبیر ہی کو ہے وہ ہی اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھتا اور نیتوں کو پہچانتا ہے۔

خلاصہ:...... یہ ہے کہ مشرقی کا یہ اعلانِ عقائد الزامات سے اُس وقت تک بَری نہیں کر سکتا جب تک وہ اپنی سابقہ کتابوں سے تبری کا اعلان نہ کریں اور یہ کہ اُن کے الفاظ مندرجہ اعلان اُنہیں معنوں میں ہیں جن میں تمام اُمتِ محمدیہ کے مسلمان لیتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں۔

واللّٰہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم وحکمہ أتم واحکم ومنہ الھدایہ فی البدایة والنھایة.

دوسرا باب

جماعت خاکساران اور تحریک خاکساری کا شرعی حکم

جماعت خاکساران جو مشرقی کی زیرِ ہدایت عسکری تنظیم میں شریک ہیں ان کا کوئی مشترک حکم نہیں ہوسکتا بلکہ اُن میں سے جو لوگ مشرقی کے ہم خیال وہم عقیدہ ہیں اُن کا وہی حکم ہے جو مشرقی کے متعلق مفصل بیان کیا جاچکا ہے۔

اور جو لوگ اُس کے ہم خیال نہیں بلکہ صرف اُس کی عسکری تنظیم اور خدمتِ خلق کے اُصول کو اچھا سمجھ کر اُس کے ساتھ ہیں وہ مسلمان ہیں اسلام وایمان سے خارج نہیں۔

لیکن بلاشبہ اپنے اسلام وایمان کو خطرہ میں ڈال رہے ہیں اور بہت سے معاصی اور بدعات میں مبتلا ہونے کی وجہ سے فاسق ہیں جس کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے پہلے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ (الف) خاکساری تحریک اور اُس کی عسکری تنظیم کا مقصد کیا ہے۔ (ب) اُس کا طریقِ کار کیا ہے۔ (ج) بظاہر اسباب اُس پر مرتب ہونے والے آثار کیا ہیں۔

یہ تین چیزیں اگر صحیح اور مطابق شرع ہیں تو ایسی جماعت کی شرکت میں مضائقہ نہیں اور اگر یہ چیزیں سب یا بعض خلاف شرع ہیں تو ظاہر ہے کہ اس جماعت کی شرکت بھی خلافِ شرع ہوگی، اس لئے خاکساری تحریک کے مقصد اور طریقِ کار وآثار کو خود مشرقی کی تصریحات اور طرزِ عمل سے اوّل لکھا جاتا ہے پھر اُس کا حکم بیان کیا جائے گا۔

۱)......اپنے غلط مذہب ارصفحہ ۲۱ رمیں لکھتے ہیں:

''آخری بات جو کیمپ میں واضح کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ خاکسار تحریک نیا اور ٹھیٹھ

خالص اور بے داغ مذہب اسلام ہے اس کے سوا کوئی مذہب مذہبِ اسلام نہیں، اگر اس تحریک کو مذہبِ اسلام سمجھ کر اختیار کرو گے تو فتح یقینی ہے''

۲)......غلط مذہب نمبر ا صفحہ ۱۰ میں ہے:

''الغرض خاکسار تحریک کا منتہا اس امر کا پھر کئی قرنوں کے بعد اعلان کرنا ہے کہ مولوی، پیر، ملا، مجدد، میرزا، چندہ خور لیڈر، پیشہ ور رہنما کا پچھلے سو سال کا اسلام غلط ہے۔''

نیز اسی نمبر کے صفحہ ۶ میں ہے کہ خاکسار ہندوستان میں صرف اس لئے اُٹھے ہیں کہ مولوی کا اسلام غلط ہے

۳)......غلط مذہب نمبر ۷ صفحہ ۸ میں ہے:

''میں تمہیں مولوی کے اور حیرت انگیز فریب دکھانا چاہتا ہوں کہ اُس فریب نے اُمت محمدیہ کو کم از کم پچھلے دو سو برس سے یہ عجیب و غریب دھوکہ میں مبتلا کر رکھا ہے''۔

۴)......نفس پرور اور خود غرض مولوی نے اس آیت (۱) کا غلط مفہوم بیان کر کے پچھلے تین سو برس کے مسلمانوں کی جماعت میں جو شرارت (الی قولہ) بے مثال فتنہ پیدا کر دیا ہے۔'' الخ غلط مذہب نمبر ۴ صفحہ ۱۔

۵)......غلط مذہب نمبر ۴ صفحہ ۲۱ خاکسار تحریک کے چودہ نکات کے ذیل میں لکھا ہے:

''مولوی کا آج کل کا بتایا ہوا راستہ غلط ہے خاکسار سپاہی اس غلط مذہب کو صفحۂ زمین سے مٹانے اور اس کی جگہ نبوی اسلام پھر رائج کرنے کے لئے اُٹھا ہے۔''

۶)......غلط مذہب نمبر ۴ صفحہ ۷ میں اطاعت امیر کے متعلق لکھتے ہیں:

''مسلمان کا امیر دراصل رسولِ خدا ﷺ کا جانشین ہے اسی نقطۂ نظر سے اس کا نام

---

(۱) اطیعوا الرسول و اولیٰ الامر منکم ۔ ۱۲

خلیفۃ النبی ہے یہی وجہ ہے کہ جب نبی کے دیئے ہوئے حکموں اور اعمال پر خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی گرفت نہیں تو اسلام کا امیر اور خلیفۃ النبی بھی مسلمانوں کے تمام مواخذے سے باہر ہے''۔

۷)...... اسی رسالہ کے صفحہ ۲ میں ہے:

اسلام میں کامل اور مکمل اطاعت کے سوا ہرگز چارہ نہیں، اسلام سرتاپا اطاعت ہے مطلق اور مجرد اطاعت ہے، بلا قید وشرط اطاعت ہے۔(پھر صفحہ ۳ میں ہے) ''اب رسولوں کے بعد امیر جماعت کی اطاعت بلا قید وشرط ہے، مسلمان کو اختیار نہیں کہ اپنے امیر پر حرف زنی کر سکے۔''

۸)...... خاکسار سالار ناجائز حکم دے سکتا ہے

''وہ بے شک مختار ناطق ہے لیکن اُس کو اپنے محلّہ کی بہبودی اور تحریک کی مدنظر ہے اس لئے وہ ناجائز احکام نافذ کرنے میں اپنے ضمیر، قرآن، اسلام اور خدا تعالیٰ کی آواز کا پابند ہے۔(قول فیصل اخباری نمبر ۴ منقول از اخبار آفتاب لکھنؤ صفحہ ۲۲، ۲۵ ستمبر ۳۹ء)۔

۹)...... ہر خاکسار سے جو عہد نامہ اس جماعت کی شرکت کے وقت لیا جاتا ہے اُس کی نقل قلمی ایک صاحب نے بھیجی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

''میں اقرار صالح کرتا ہوں کہ آج کی تاریخ سے بطور مجاہد/محفوظ/معاون/خاکسار شامل ہوں سالارِ محلّہ کے تمام احکام کا ہر صورت میں پابند رہوں گا۔'' الخ

مشرقی کی عباراتِ مرقومہ سے امور ذیل مستفاد ہوئے

خاکساری تحریک کا مقصد

عقائد مشرقی کی اشاعت اور ترویج ہے

بعض ناواقف مسلمان تنظیم وعسکریت کی ظاہری صورت دیکھ کر بایں خیال اس

تحریک میں شریک ہیں کہ ہمیں مشرقی کے عقائد وخیالات سے کوئی تعلق نہیں صرف تحریک خاکسار میں شریک ہیں، مشرقی کے عقائد علیحدہ چیز ہیں اور یہ تحریک جُدا۔

وہ حضرات ان عبارتوں کو ملاحظہ فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ یہ خاکساری تحریک اور عسکری تنظیم مشرقی کے عقائد سے جُدا کوئی مستقل چیز نہیں بلکہ جن عقائد وخیالات کو تذکرہ میں علمی رنگ کے اندر پیش کیا ہے یہ اُنہی خیالات کا دوسرا عملی قدم ہے تذکرہ میں اُس نے ایمان واسلام، عبادت، توحید سب کا خلاصہ دنیوی غلبہ کے لئے اجتماعی قوت پیدا کرنا قرار دیا ہے اُسی کو اس عملی تحریک میں دہرایا ہے کہ خاکسار تحریک ٹھیٹھ خالص اور بے داغ مذہبِ اسلام ہے اس کو عین اسلام سمجھ کر اختیار کرنا چاہئے جیسا کہ عبارت مذکورہ نمبر ا سے واضح ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاکساری عسکریت تذکرہ کے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کھڑی کی گئی ہے اور جب تذکرہ کے مزعومہ خیالات وعقائد خلافِ اسلام اور خلافِ شرع ہیں جیسا کہ اصل رسالہ میں واضح کیا گیا ہے تو اُن کی عملی ترویج میں حصّہ لینا کیسے جائز ہوسکتا ہے۔

تنبیہ:

دنیوی قوت وغلبہ اور سلطنت کے لئے کوشش کرنا کوئی گناہ نہیں کیونکہ اگر اس قوت وغلبہ کو شرعی جہاد اور اعلاء کلمۃ اللہ اور احیاء شعائر میں کام لیا جائے تو یہ عین طاعت وعبادت ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو بلکہ خود دنیوی راحت وآرام ہی کے لئے یہ کوشش ہو تب بھی اس کے فی نفسہٖ مباح ہونے میں شبہ نہیں لیکن گناہ کی بات اور اس تمام کوشش کو خلافِ شرع بنادینے والی چیز یہ ہے کہ اس کو اس عقیدہ سے کیا جائے کہ یہ عین ایمان، عین اسلام، تمام عبادات کی غرض اصلی ہے، جس پر لازمی طور سے یہ نتیجہ مرتب ہو جو تذکرہ میں بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص اس عسکری تنظیم میں شریک نہ ہو وہ بے دین ہے نہ اُس کی نماز روزہ مقبول ہے، نہ ایمان واسلام اور جو طوائف کفار عسکریت کی کوشش میں ہیں وہ مؤمن قرار پائیں۔

یہ بالکل ایسا ہے کہ بدن کی ورزش فی نفسہ جائز و مباح ہے اور اگر اُس سے دین کا کام لینا مقصود ہو تو ایک نوع سے عبادت ہے، لیکن اگر کوئی شخص یہ سمجھ کر ورزش کرے اور کرائے کہ بس یہی عین ایمان اور عین اسلام اور اصلی فرض اور تمام فرائض اسلام کا مقصود بالذات ہے تو بلاشبہ اس خیالات سے ورزش کرنا بھی گناہِ عظیم ہو جائے گا، کیونکہ یہ قرآنی شریعت کے خلاف ایک نئی شریعت بنانا ہے۔ واللہ اعلم

خاکساری تحریک کا مقصد یہ ہے کہ تین سو برس سے بلکہ تیرہ سو برس سے جس چیز کو اُمت نے اسلام سمجھا ہے اُس کو غلط ثابت کر دیں اور علماء اسلام پر جہاد کریں۔

عبارت نمبر ۲ میں صاف مذکور ہے کہ خاکساری تحریک اس لئے اُٹھی ہے کہ سو سال سے علماء اسلام نے جس چیز کو اسلام اور قرآن سمجھا اور سمجھایا ہے اُسے غلط ثابت کر دیا جائے اور عبارت نمبر ۳ میں آگے بڑھ کر دو سو برس کے علماء کے پیش کئے ہوئے اسلام کو غلط قرار دے کر خاکساری فوج کو اُس کے خلاف جہاد پر اُبھارا گیا ہے اور نمبر ۴ میں اس سے بھی آگے ترقی کر کے تین سو برس کے مولویوں کے بتلائے ہوئے اسلام کے خلاف جہاد کی تلقین ہے۔

ہمیں اس وقت اس سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں کہ اقوال میں تعارض کیوں ہے بحث یہ ہے کہ مشرقی کے نزدیک تین سو برس سے علماء اسلام نے جو کچھ اسلام اور قرآن کو سمجھا اور سمجھایا ہے وہ سب غلط ہے اور خاکساری فوج سے اُس کے خلاف جہاد کرانا منظور ہے۔ یہ تو وہ بیان ہے جس میں براہِ راست خاکساری فوج مخاطب ہیں اور اگر اس کے ساتھ تذکرہ دیباچہ اُردو کی عبارت صفحہ ۹ کو ملا لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تدریجی رفتار کسی مصلحت کی بناء پر اختیار کی گئی ہے ورنہ مشرقی کے نزدیک تیرہ سو برس کے کُل علماء کا

اسلام ہی سرے سے غلط ہے عبارت تذکرہ یہ ہے:

وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ عرب کی اُمت اسلام کے الٰہی اور نبوی تخیل پر تیس برس سے زیادہ قائم نہ رہ سکی خلفائے راشدین کے بعد جو عروج مسلمانوں کو نصیب ہوا وہ صرف اُس الٰہی درس کو جستہ جستہ یاد رکھنے کا نتیجہ تھا لیکن قرآنی سبق کا ایک اہم حصہ اُس وقت تک ذہنوں سے قطعاً نکل چکا تھا۔ (دیباچہ تذکرہ اُردو صفحہ ۱۹)

اب غور طلب یہ امر ہے کہ اسلام اور قرآن مشرقی نظریہ کے موافق جب (معاذ اللہ) ایک ایسی چیستان اور معمّٰی ہے کہ جس کو تیرہ سو برس کے اربوں پدموں مسلمان اور اُن کے علماء، جن میں صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین سب ہی داخل ہیں، حل نہ کر سکے سب کے سب غلط سمجھتے سمجھاتے آئے تو آج اس اطمینان کا کیا ذریعہ ہے کہ تیرہ سو برس کے بعد جو مشرقی نے اسلام اور قرآن کو سمجھا ہے وہ صحیح ہے، درحقیقت یہ تو اسلام اور قرآن کو ایک مضحکہ بنانا ہے۔ نعوذ باللہ منہ

الغرض وہ اسلام اور قرآن جو تیرہ سو برس سے علمائے اُمت سمجھتے سمجھاتے چلے آئے ہیں وہ غلط ہے یا صحیح، مگر اس میں تو شبہ نہیں ہوسکتا کہ مسلمان قوم کا مذہب و دین تو وہی اسلام اور وہی قرآن ہے، مشرقی اسی اسلام اور قرآن کو غلط ثابت کر کے خاکساری فوج کو اُس کے خلاف جہاد کے لئے تیار کر رہا ہے اور مولوی کا غلط مذہب کے نام سے جو اُن کی بہت سے سلسلہ وار نمبر شائع ہوئے ہیں وہ اس جہاد کی تعلیم و تلقین سے بھرے ہوئے ہیں۔

اس لئے خاکساری جماعت کے وہ حضرات جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو مشرقی کے عقیدوں سے کوئی واسطہ نہیں، ہم تو محض عسکری تنظیم میں اُس کے شریک ہیں (اور خود مشرقی کی بھی چند عبارتیں ایسی ہیں جن سے ان لوگوں کو یہ دھوکہ ہوا ہے) وہ دیکھ لیں کہ مشرقی کی عسکری تنظیم کا مقصد اور مُنتہا کیا چیز ہے۔ وہ یہ بھی اعلان کرتے جاتے ہیں کہ ہمیں کسی فرقہ کے عقائد سے کچھ واسطہ نہیں اور بڑے شد و مد سے خاکسار فوج کو مولویوں کے بتلائے ہوئے اسلام کے خلاف جہاد پر آمادہ بھی کرتے جاتے ہیں، پھر معلوم نہیں کہ عقائد سے

واسطہ نہ رکھنے کا کیا مطلب ہے۔

عبارات نمبر ۶ و ۷ و ۸ و ۹ سے واضح ہے کہ مشرقی کے نزدیک امیر کی اطاعت بالکل اُسی شان سے ضروری ہے جس طرح ایک معصوم نبی اور رسول کی کہ اُس کے ہر حکم کو بلا شرط وقید کے مانا جائے اور اُمتی کو اس کا کوئی حق نہیں ہوتا کہ وہ اُس میں کوئی چون و چرا کر سکے اور اسی طاعتِ مطلقہ کا عہد ہر خاکسار سے لیا جاتا ہے۔

اوّل تو ایسی اطاعتِ مطلقہ اور اُس کا عہد کسی غیر نبی سے خواہ وہ کتنا ہی عالم، متقی بلکہ صحابی ہی کیوں نہ ہو شرعاً ہرگز جائز نہیں، صحیح حدیث میں ہے:

لاطاعة فی معصية انما الطاعة فی المعروف۔ (رواہ البخاری ومسلم مشکوٰۃ)

گناہ میں کسی کی اطاعت نہیں، اطاعت صرف جائز کاموں میں ہو سکتی ہے۔

نیز صحیح حدیث میں ہے:

السمع والطاعة علی المرأ المسلم فیما احبّ او کرہ مالم یؤمر بمعصية فاذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة۔ (بخاری، مسلم و مشکوٰۃ، صفحہ ۳۲۱)

مسلمان کے ذمہ تسلیم واطاعت واجب ہے خواہ وہ حکم اپنے خواہش کے موافق ہو یا مخالف جب تک کہ اُس کو کسی گناہ کا حکم نہ کیا جائے اور اگر کسی گناہ کا حکم کیا جائے تو نہ تسلیم کرنا جائز ہے اور نہ اطاعت کرنا۔

خلاصہ یہ ہے کہ امیر کی اطاعت اُسی حد تک واجب ہے جب تک وہ خدا اور رسول کے احکام کے خلاف حکم نہ کرے ورنہ اُس کی اطاعت واجب کیا جائز بھی نہیں۔

رہا مشرقی کا یہ سوال کہ جب ہر شخص کو اس کا اختیار دیا جائے کہ قرآن وحدیث کھول کر امام وامیر کو سبق پڑھائے تو نظم قائم نہیں رہ سکتا، اُس کا حل خود حدیث کے اشارات کے موافق حضرات فقہاء نے یہ کر دیا ہے کہ امیر اگر کوئی ایسا حکم دے جو مجتہدین اُمت میں مختلف فیہ ہے تو اُس کی اطاعت کرنا لازم ہے، اگرچہ اس کے فقہی مذہب کے خلاف ہو، مثلاً

حکم دے کہ آمین بالجہر کیا کرو تو حنفی کو اطاعت کرنا لازم ہوگا

لیکن اگر کوئی ایسا حکم کرے جو باجماع علمائے اُمت معصیت ہے اور اُس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں وہاں اطاعت کرنا اُس کو نبی یا خدا ماننے کا مرادف ہے اس لئے اُس کا تحمل نہیں کیا جا سکتا، اگر چہ نظم میں کچھ خلل بھی پڑے، کیونکہ قومی نظم سے دین مقصود ہے نہ کہ دین سے قومی نظم۔

اور جب بڑے سے بڑے عالم متقی کی اطاعت مطلقہ اور اُس کا عہد بنص حدیث جائز نہیں تو کسی ایسے شخص کی اطاعت مطلقہ کیسے جائز ہوسکتی ہے جس کے عقائد بھی خلاف اسلام اور ملحدانہ ہوں، بلکہ ایسے شخص کو تو امیر (۱) بنانا جائز کاموں میں بھی جائز نہیں، قرآن کریم کا ارشاد ہے **ولا تطع منهم اثمًا او كفورا**

(ترجمہ) اُن میں سے کسی گنہگار یا کافر کی اطاعت نہ کرو، اور حدیث میں ہے کہ ایسے شخص کی تعظیم کرنا اسلام کی بنیاد کو منہدم کرنے پر اعانت کرنا ہے۔ (مشکوٰۃ)

---

(۱) امیر و متبوع بنانا تو ایسے لوگوں کو کسی حال جائز نہیں، باقی رہا یہ مسئلہ کہ اُن سے کسی معاملہ میں استعانت وتعاون کرنا، سو یہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ مسلمانوں کے زیر علم وزیر حکم رہ کر خادموں کی طرح کام کریں برابر کے سہیم وشریک نہ سمجھے جائیں، جیسا کہ شمس الائمہ سرخسی نے سیر کبیر میں فرمایا ہے:

> **ولا بأس بان يستعين المسلمون باهل الشرك على اهل الشرك اذا كان حكم الاسلام هو الظاهر عليهم۔** (شرح سیر صفحہ ۱۸۶ جلد ۳)
>
> اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ مسلمان اہلِ شرک کے مقابلہ میں دوسری مشرک قوم سے مدد لے لیں مگر شرط یہ ہے کہ حکمِ اسلام سب پر غالب ہو۔

تنبیہ: یہ حکم اصلی کفار سے استعانت کا ہے مرتدین کا یہ حکم نہیں مگر دار الحرب میں مرتد کا حکم بھی وہی ہوتا ہے جو کافر اصلی کا ہے، جیسا کہ شامی باب المرتد صفحہ ۴۹۴ جلد ۳ سے مستفاد ہے، نیز شرح سیر کبیر میں ہے **وعلى هذا لو نقض الذمي العهد ولحق بدار الحرب مع بعض اولاده صار حربيا فكان الجواب فيه وفي المسلم الذى ارتدو لحق بدار الحرب سواء** ۔ (شرح سیر صفحہ ۲۳۵ جلد ۴) ترجمہ: اس بناء پر اگر ذمی نے عہد توڑ دیا اور اپنی اولاد کے ساتھ دار الحرب میں چلا گیا تو وہ حربی ہوگیا اور یہی حکم اُس شخص کا ہے جو مرتد ہوکر دار الحرب میں چلا گیا۔ ۱۲ منہ

خلاصہ

یہ ہے کہ تحریکِ خاکساری کا مقصد بھی خلافِ شرع ہے اور طریقِ کار بھی اور اُس پر مرتب ہونے والے آثار بھی، کیونکہ:

مقاصد

تو یہ ہیں کہ (الف) تذکرہ کے عقائد کی عملی ترویج۔ (ب) اور تیرہ سو برس کے اسلام کو غلط ثابت کیا جائے۔

طریق کار

یہ ہے کہ (الف) ایک ملحد وزندیق کو امیر المؤمنین خلیفۃ النبی بنایا جائے۔ (ب) اُس کی اطاعت ہر جائز وناجائز کام میں بے چون وچرا کیا جائے۔ اُس کو غلطی سے عملاً معصوم قرار دیا جائے۔

آثار

یہ ہیں جو مشاہد ہیں کہ جو لوگ ابتداءً محض خدمت خلق اور جہاد کا جذبہ لے کر اس تحریک میں داخل ہوتے ہیں وہ رفتہ رفتہ مشرقی کے مکائد کا شکار ہو کر اُس کے عقائد وخیالات کی بھی حمایت کرنے لگتے ہیں اور اُن کی اشاعت وترویج میں بے تأمل حصہ لیتے ہیں اور اُن کے جہاد کا رُخ بجائے کفار کے مسلمانوں کی طرف نظر آتا ہے، علمائے اُمت سے نفرت اُن کا شعار ہوجاتا ہے، اُن کے بتلائے ہوئے احکام حلال وحرام کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور مشرقی کی طرح تمسخر کرتے ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ یہ تمام اُمور خود بھی سخت گناہ اور کبائر ہیں اور آئندہ دوسرے معاصی کی طرف کھینچنے والے، بلکہ سرے سے ایمان واسلام کو خطرہ میں ڈالنے والے ہیں، اس لئے

خاکساری تحریک کی موجودہ صورت میں شرکت قطعاً حرام و ناجائز ہے، بلکہ ایمان و اسلام کو خطرہ میں ڈالنا ہے جو لوگ ناواقفیت سے اُس میں شریک ہو گئے ہیں وہ حقیقت کا مطالعہ غور سے کریں اور فوراً اُس سے علیحدہ ہو جائیں اور توبہ کریں۔

البتہ خدمتِ خلق اور تنظیم و اجتماع اور مسلمانوں میں عسکری قوت پیدا کرنے کا جذبہ ایک مبارک اور نہایت اہم جذبہ ہے اس کو فنا نہ ہونے دیں، بلکہ اس وقت ملک میں بہت سی جماعتوں نے بھی عسکری تنظیم اور فوجی پریڈ وغیرہ کا انتظام و اہتمام شروع کر دیا ہے، اُن میں سے کسی جماعت کے ماتحت یہ کام اخلاص کے ساتھ کریں اور خوب سمجھ لیں کہ عمل سے پہلے اُس عمل کی غرض و مقصد کا صحیح ہونا ضروری ہے ورنہ محض عمل سے تو دنیا کی کوئی کافر و گمراہ قوم خالی نہیں، یا اللہ! مسلمانوں کو بصیرت اور حق و باطل میں امتیاز عطا فرما۔

انه لا ملجأ ولا منجأ منک الا الیک و آخر دعوانا ان الحمد لِلّٰه رب العالمین.

حررہ العبد الضعیف

محمد شفیع الدیوبندی عفا اللہ عنہ

جمادی الاولیٰ ۱۳۵۸ھ

ضمیمہ ثانیہ

ابھی رسالہ چھپ کر مکمل نہ ہوا تھا کہ دو چیزیں قابل ذکر اور سامنے آئیں، ایک تو خاکسار جماعت کے متعلق کچھ حالات نئے معلوم ہوئے، دوسرے ایک سوال تفسیر ترجمان القرآن مصنفہ ابوالکلام آزاد کے متعلق اس مضمون کا آیا کہ جن عقائد وخیالات کی وجہ سے مشرقی کو علماء کافر وملحد کہتے ہیں اُن میں بعض میں ابوالکلام آزاد بھی مشرقی کے ہم عقیدہ وہم خیال نظر آتے ہیں جس کو سائل نے تفسیر ابوالکلام کے حوالوں سے ثابت کیا ہے اس لئے ان دونوں چیزوں کے متعلق بھی بمشورہ اکابر علماء رائے ظاہر کی جاتی ہے:

اللّٰھم ارناالحق حقاوارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنا به.

جماعت خاکساران کے حکم میں تفصیل

اصل رسالہ میں خاکساروں کے متعلق یہ تفصیل تو پہلے ہی آچکی ہے کہ ان میں سے جو مشرقی کے ہم عقیدہ ہیں اُن کا وہی حکم ہے جو مشرقی کا ہے اور جو ہم عقیدہ نہیں بلکہ صرف عسکری تنظیم اور خدمت خلق کو اصول اچھا سمجھ کر اُس کے ساتھ اطاعتِ مطلقہ کا عہد کئے ہوئے ہیں وہ فاسق ہیں، مگر حال میں متعدد ومعتبر ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب سے یوپی گورنمنٹ نے خاکساروں کا داخلہ یوپی میں قانونًا بند کیا۔ اور خاکساروں نے اُس کی قانون شکنی شروع کی اور اس سلسلہ میں اُن کے کچھ لوگ مقتول بھی ہوگئے تو ہندوستان کے اطراف اور بالخصوص بلاد سرحد میں خاکساروں کی حمایت محض اس بناء پر شروع ہوگئی کہ اُن کو مظلوم سمجھا گیا اور اُن پر فائر کا حکم دینے کو حکومت کا بیجا تشدد قرار دیا گیا، اس بناء پر بہت سے مسلمان اُن کی حمایت کے لئے جتھے بنا کر قانون شکنی کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور قابلِ

اعتماد روایات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے مجالس عامہ میں یہ تقریریں کیں کہ ہمیں مشرقی کے خیالاتِ وعقائد سے قطعاً کوئی واسطہ نہیں بلکہ ہم اُن خیالات سے متنفر ہیں اور نہ ہم نے اُس سے اطاعتِ مطلقہ کا کوئی عہد کیا ہے بلکہ اگر وہ خلاف اسلام کوئی حکم دے تو ہم ہرگز اُس کے ماننے کے لئے تیار نہیں، ہماری غرض صرف مظلوم کی حمایت اور مسلمانوں کی بمقابلہ ہنود تقویت ہے اور بس۔

اگر یہ واقع صحیح ہے تو اس تیسری قسم کے خاکساروں کا وہ حکم نہیں جو رسالہ میں لکھا گیا ہے یعنی ایسے لوگوں کو مطلقاً فاسق بھی نہیں کہا جاسکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جیسے علی گڑھ کالج کے ہر تعلیم یافتہ کو بانی کالج کا ہم عقیدہ اور اُس کے حکم میں کہنا درست نہیں بلکہ ہر شخص کے عقائد واعمال کے موافق اس کا حکم جُدا ہے، اسی طرح محض تحریک خاکساری میں داخل ہونے کی وجہ سے سب خاکساروں کا کوئی ایک حکم کلی نہیں ہوسکتا بلکہ اُن کا حکم شخصی حالات کے تابع ہوگا جس کی تفصیل اب تک جو حالات معلوم ہوئے اُس کے موافق یہ ہے کہ (۱) اُن میں سے جو لوگ مشرقی کے ہم عقیدہ ہیں اُن کا وہی حکم ہے جو مشرقی کا لکھا گیا ہے کہ وہ ملحد اور مخالفِ اسلام ہیں اور (۲) جو لوگ اُس کے ہم عقیدہ نہیں بلکہ صرف اُس کی عسکری تنظیم میں اطاعتِ مطلقہ کے عہد کے ساتھ شریک ہیں وہ فاسق ہیں۔ (۳) اور جو اُس کے نہ ہم عقیدہ ہیں نہ اُس کے ہم خیال اور نہ اُس کی اطاعت مطلقہ کا عہد اُنہوں نے کیا ہے وہ فاسق بھی نہیں۔

البتہ تجربہ کی بناء پر یہ کہا جائے گا کہ یہ تیسری قسم کے خاکسار بھی اپنے دین وایمان کو خطرہ میں ڈال رہے ہیں کیونکہ کسی تحریک کا قائد جب اپنے خصوصی عقائد وخیالات کی تبلیغ بھی کرتا ہے تو اُس کی زیر قیادت کام کرنے والے بہت آسانی سے اُس کے جال میں آسکتے ہیں اور رشدہ شدہ اُس کے ہم خیال ہو جائیں تو بعید نہیں، علاوہ ازیں جس مقصد کے لئے یہ لوگ اپنی جانوں کی قربانی کے لئے تیار ہوئے ہیں وہ مقصد بھی کسی طرح مشرقی کی قیادت

میں حاصل نہیں ہوسکتا، کیونکہ مشرقی کے مقصد اور ان کے مقصد میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

مشرقی کا مقصد تین سو بلکہ تیرہ سو برس کے اسلام کو مٹا کر ایک جدید اسلام کی تعمیر کرنا ہے جو محض مشرقی کے تخیل نے پیدا کیا ہے اور یہ حضرات اُسی قدیم اسلام کی حمایت و نصرت کا جذبہ لے کر اُٹھے ہیں اس لئے اگر ان لوگوں کا مقصد واقعی اسلام اور مسلمانوں کی نصرت و تقویت ہے تو اُنہیں لازم ہے کہ اپنا قائد بدلیں۔ واللہ یھدی من یشاء الی سواء السبیل۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

تفسیر ترجمان القرآن مصنفہ ابوالکلام آزاد کے متعلق سوال و جواب

تمہید

طبعِ رسالہ ہذا کے بعد اور اشاعتِ عامہ کے قبل بعض خاص اصحاب نے مضامین رسالہ پر مطلع ہو کر ایک سوال پیش کیا جس کا جواب بھی دیا گیا، بمناسبت مقام رسالہ کے ساتھ اُس کا الحاق بھی مفید معلوم ہوا چنانچہ ذیل میں سوال و جواب دونوں منقول ہیں:

سوال

رسالہ ہذا میں مشرقی کے جو اقوال صفحہ ۲، ۱۸، ۲۴، ۲۷ و صفحہ ۲۳ میں نقل کئے گئے ہیں بعض عبارات اُنہیں کی نظیر تفسیر ترجمان القرآن تالیف ابوالکلام آزاد میں بھی پائی جاتی ہیں گو اتنا فرق ہے کہ مشرقی کے کلام میں بہت زیادہ صریح اور قبیح عنوان سے مذکور ہیں اور تفسیر مذکور میں نہایت ہوشیاری سے اُن پر ایک قسم کا پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے مگر پھر

بھی اُن کے مدلولات میں ایسا تبین اور تعین ہے کہ وہ پردہ سے نفوذ کر کے عام نظروں تک پہنچ جاتے ہیں حتیٰ کہ جن کو دین اور علم سے کوئی مس نہیں اُن سے بھی مخفی نہیں رہ سکے، مثلاً گاندھی نے بھی اُس سے یہی سمجھ کر اپنی تقریر میں اُس کو ظاہر کیا، جیسا کہ عنقریب مذکور ہوگا، ایسی عبارتیں تفسیر مذکور میں کثرت سے ہیں اُن میں سے بعض بطور نمونہ کے اس مقام پر نقل کی جاتی ہیں۔وھی ھذہ۔

(۱) تفسیر سورۂ فاتحہ صفحہ ۱۵۴ میں لکھتے ہیں:

''اس نے (یعنی قرآن نے) کسی مذہب کے پیروں سے بھی یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ کوئی نیا عقیدہ، نیا اُصول قبول کرے بلکہ ہر گروہ سے یہی مطالبہ کرتا ہے کہ اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیم پر سچائی کے ساتھ کاربند ہو جائے۔'' وہ کہتا ہے کہ اگر تم نے ایسا کر لیا تو میرا کام پورا ہو گیا، کیونکہ میرا پیام کوئی نیا پیام نہیں ہے، وہ وہی قدیم اور عالمگیر پیام ہے جو تمام بانیان مذاہب دے چکے ہیں۔انتہیٰ

(۲) نیز تفسیر سورۂ فاتحہ صفحہ ۱۶۳ میں لکھتے ہیں۔

''اُس نے (قرآن نے) نہ صرف یہی بتلایا کہ ہر مذہب میں سچائی ہے بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ تمام مذاہب سچے ہیں اُس نے کہا کہ دینِ خدا کی بخشش عام ہے اس لئے ممکن نہیں کہ کسی ایک قوم اور جماعت ہی کو دیا گیا ہو''۔

(۳) عبارت مذکورہ نمبر ۲ ہی کے سلسلۂ کلام میں چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

اُس نے صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ اُس کی دعوت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمام مذاہب اپنی متفقہ سچائی پر جمع ہو جائیں، وہ کہتا ہے کہ تمام مذاہب سچے ہیں لیکن پیروانِ مذاہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی از سرِ نو اختیار کرلیں تو میرا کام پورا ہو گیا اور اُنہوں نے مجھے قبول کرلیا تمام مذہب کی یہی مشترک اور متفقہ سچائی ہے جسے وہ الدین اور الاسلام کے نام سے پکارتا ہے۔'' انتہیٰ

عباراتِ مذکورہ میں کھلے طور پر دو دعوے کئے گئے ہیں:

اوّل: یہ کہ تمام مذہب سچے ہیں اس میں کوئی قید نہیں ہے کہ مذاہب سے مراد مذاہب انبیاء علیہم السلام اور مذاہب ساویہ ہی ہیں بلکہ تمام مذاہب عالم، ہندو، آریہ، آتش پرست اور تمام بُت پرست اقوام کو بھی شامل ہے جیسا کہ گاندھی نے بھی اُس سے یہی سمجھا اور شائع کیا۔

دوسرے: یہ کہ پیروانِ مذاہب جو اپنے اپنے مذہب کی سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں اگر وہ از سرِ نو اپنے مذاہب کی تعلیم کردہ سچائی کو اختیار کر لیں تو اُن کی نجات وسعادت کے لئے کافی ہے۔

جس کے معنی یہ ہیں کہ یہود اگر تورات پر اور نصاریٰ انجیل پر اور ہندو وید پر صحیح صحیح عمل کرنے لگیں تو سب کو نجات حاصل ہے اُن کو کوئی ضرورت نہیں کہ دین اسلام قبول کریں یہ دونوں دعوے عباراتِ مذکورہ میں بالکل واضح ہیں اور خط کشیدہ جملوں سے تو خصوصیت کے ساتھ متبادر ہیں۔

اور اس سے سمجھ کر گاندھی نے جو تقریر کی ہے وہ ماہوار رسالہ ترجمان القرآن مرتبہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی جلد ۱۳ عدد نمبر ۱ میں بالفاظ ذیل مذکور ہے:

۱۹۳۱ء میں جب یہ تفسیر شائع ہوئی تو مسٹر گاندھی نے جامعہ ملیہ دہلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

> ''مجھے ایک عرصہ سے خیال تھا کہ اسلام ایسا تنگ نظر مذہب نہیں ہو سکتا کہ وہ نجات وسعادت کو اپنے پیروؤں تک ہی محدود رکھے اور سچائیاں صرف اپنے اندر ہی بتلائے لیکن مجھے اس کی سند کہیں سے نہیں ملتی تھی اب جو مولانا آزاد نے تفسیر شائع کی ہے تو مجھے اپنے اس خیال کی سند مل گئی ہے کہ اسلام تمام مذاہب میں یکساں سچائی کا مدعی ہے لہٰذا ہم نے اس تفسیر کے متعلقہ ٹکڑوں کا ہندی میں ترجمہ کر کے عام طور سے شائع کرایا ہے۔'' انتہیٰ

اور چونکہ گاندھی کی اس تقریر کے شیوع کے بعد بھی مؤلفِ تفسیر مذکور کی طرف سے نہ کوئی نکیر کیا گیا، نہ اُن عبارتوں میں کوئی تاویل کی گئی نہ عنوانِ موجود کو موہم قرار دے کر اُس کا کوئی عذر کیا گیا اس سے ہر شخص بلزوم عادی یہی سمجھے گا کہ مؤلف کی یہی مراد ہے۔

تو کیا اس صورت حال میں ان اقوال کے قائل کا بھی وہی حکم ہوگا جو رسالہ میں مشرقی پر جاری کیا گیا ہے۔ بینوا تو جروا۔؟

الجواب

جب بناء حکم کی اقوال خاصہ ہیں تو ظاہر ہے کہ اشتراک بناء سے حکم بھی مشترک ہوگا بلکہ دونوں قائلوں میں علم ونظر کے تفاوت سے نیز تلبیس کے قصد اور عدم قصد کے تفاوت سے عجب نہیں کہ حکم مذکور میں شدت بڑھ جائے، مگر فرق اوّل کی بناء پر یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ شاید مؤلف کے ذہن میں اُن عبارات میں کوئی تاویل ہو گو بعید ہی ہو۔

نیز گاندھی کی تقریر پر مؤلف کی طرف سے نکیر کا وقوع اور ہم لوگوں کو اُس کا معلوم نہ ہونا بھی بامکان عقلی محتمل ہے، گو ابعد ہی ہو۔ ان احتمالات پر نظر کر کے ہم مزید احتیاط کے لئے خود ضابطہ کا فتویٰ دینے کی جگہ ایک دوسری صورت تحقیقِ حکم کے لئے تجویز کرتے ہیں اور صورت یہ ہے کہ ہم طالبانِ تحقیق کو مشورہ دیتے ہیں کہ اوّل مؤلف صاحب سے ان عبارات کے متعلق استفسار کرلیں، پھر جو جواب آئے اُس کو مع تمام صورت حال کے علماء اہلِ فتویٰ کی خدمت میں پیش کر کے شرعی حکم حاصل کریں اور اُس کو جلد شائع کر دیں تاکہ اُمت کو غلطی سے نجات ہو بالخصوص آئندہ نسلوں کو۔

واللہ الموفق

العبد الضعیف محمد شفیع الدیوبندی عفا اللہ عنہ

رمضان ۱۳۵۸ھ

تمت بالخیر

فتویٰ متعلقہ

جماعت اسلامی

تاریخ تالیف ______ ۱۲/ربیع الاول ۱۳۹۵ھ (مطابق مارچ ۱۹۷۵ء)

مقامِ تالیف ______ کراچی

مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے بارے میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی محتاط اور معتدل رائے۔

سوال

بگرامی خدمت حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزارش آنکہ جیسا کہ حضرت والا کو معلوم ہے کہ احقر کو دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں افتاء کی خدمت انجام دینی پڑتی ہے، طرح طرح کے سوالات میں اکثر یہ سوال بھی آتا ہے کہ مودودی صاحب اور ان کی جماعت جمہور اہل سنت والجماعت کے طریقہ پر ہے یا نہیں؟ اور مذاہب اربعہ میں سے ان کا کس مذہب سے تعلق ہے، اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اور یہ جو مشہور ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ان کے رجحانات سلف صالحین کے خلاف ہیں۔ اس کی کیا حقیقت ہے؟ بعض لوگ آپ کی کسی سابقہ تحریر کی بناء پر آپ کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ آپ ان کے نظریات سے اتفاق رکھتے ہیں، اس کی کیا اصل ہے؟

والسلام

احقر محمد وجیہ

از

دار العلوم ٹنڈو الہ یار (سندھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

مولانا مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے بارے میں میرے پاس سالہا سال سے سوالات آتے رہے ہیں، جن کے جواب میں اس وقت کے حالات اور ان کے بارے میں اپنی اس وقت کی معلومات کے مطابق لکھتا رہا ہوں، ان میں بعض تحریریں شائع بھی ہوئی ہیں، اور بعض نجی مکاتیب کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔ اس وقت ان تمام تحریروں کو سامنے رکھنا ممکن نہیں، البتہ اس عرصہ میں احقر کو کچھ ان کی مزید تحریرات کے مطالعہ کا موقعہ ملا، کچھ ان کی نئی تالیفات سامنے آئیں، اور کچھ ان کے لٹریچر کے عام اثرات اور ان کی جماعت کے حالات کو مزید دیکھنے کا موقع ملا، اس مجموعہ سے اب ان کے بارے میں جو میری رائے ہے، وہ بے کم وکاست ذیل میں لکھ رہا ہوں:

میری سابقہ تحریرات اگر اس تازہ تحریر کے موافق ہوں تو فبہا، اور اگر سابقہ تحریرات میں کوئی چیز اس کے خلاف محسوس ہو، تو اسے منسوخ سمجھا جائے، اور اب میری رائے کے حوالہ کے لئے صرف ذیل کی تحریر پر اعتماد کیا جائے۔

احقر کے نزدیک مولانا مودودی صاحب کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ عقائد اور احکام میں ذاتی اجتہاد کی پیروی کرتے ہیں، خواہ ان کا اجتہاد جمہور علمائے سلف کے خلاف ہو، حالاں کہ احقر کے نزدیک منصب اجتہاد کے شرائط ان میں موجود نہیں۔ اس بنیادی غلطی کی بناء پر ان کے لٹریچر میں بہت سی باتیں غلط اور جمہور علمائے اہل سنت کے خلاف ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنی تحریروں میں علمائے سلف یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کا جو انداز اختیار کیا ہے، وہ انتہائی غلط ہے خاص طور سے

''خلافت وملوکیت''، میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جس طرح صرف تنقید ہی نہیں، بلکہ ملامت کا ہدف بھی بنایا گیا ہے، اور اس پر مختلف حلقوں کی طرف سے توجہ دلانے کے باوجود اصرار کی جو روش اختیار کی گئی ہے، وہ جمہور علمائے اہل سنت والجماعت کے طرز کے بالکل خلاف ہے۔

نیز ان کے عام لٹریچر کا مجموعی اثر بھی اس کے پڑھنے والوں پر بکثرت یہ محسوس ہوتا ہے کہ سلف صالحین پر مطلوب اعتماد نہیں رہتا، اور ہمارے نزدیک یہ اعتماد ہی دین کی حفاظت کا بڑا حصار ہے۔ اس سے نکل جانے کے بعد پوری نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ بھی انسان نہایت غلط اور گمراہ کن راستوں پر پڑ سکتا ہے۔ ہاں! یہ صحیح ہے کہ ان کو منکرین حدیث، قادیانیوں یا اباحیت پسند لوگوں کی صف میں کھڑا کرنا بھی میرے نزدیک درست نہیں۔ جنہوں نے سود، شراب، قمار اور اسلام کے کھلے محرمات کو حلال کرنے کے لئے قرآن وسنت میں تحریفات کی ہیں.......... بلکہ ایسے لوگوں کی تردید میں ان کی تحریریں ایک خاص سطح تک کے نوتعلیم یافتہ حلقوں میں مؤثر اور مفید بھی ثابت ہوئی ہیں۔ یہ بات میں ہمیشہ سے کہتا آیا ہوں، لیکن اگر کوئی شخص میری اس بات کو بنیاد بنا کر یہ کہے کہ میں مودودی صاحب کے ان نظریات سے متفق ہوں، جو انہوں نے جمہور علماء کے خلاف اختیار کئے ہیں، تو یہ بالکل غلط اور خلاف واقعہ بات ہے۔

اگرچہ جماعت کے قانون میں مولانا مودودی صاحب اور جماعت اسلامی الگ الگ حیثیت رکھتے ہیں۔ اور اصولاً جو بات مولانا مودودی صاحب کے بارے میں درست ہو، ضروری نہیں کہ وہ جماعت اسلامی کے بارے میں بھی درست ہو، لیکن عملی طور سے جماعت اسلامی نے مولانا مودودی صاحب کے لٹریچر کو نہ صرف جماعت کا علمی سرمایہ اور اپنے عمل کا محور بنایا ہوا ہے، بلکہ اس کی طرف سے زبانی اور تحریری مدافعت کا عام طرز عمل ہر جگہ مشاہدہ میں آتا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ جماعت کے افراد بھی ان نظریات اور تحریر سے متفق ہیں۔ البتہ اگر کچھ مستثنیٰ حضرات ایسے ہوں، جو مذکورہ بالا

امور میں مولانا مودودی سے اختلاف رکھتے ہوں۔ اور جمہور علمائے اہل سنت کے مسلک کو اس کے مقابلے میں درست سمجھتے ہوں، تو ان پر اس رائے کا اطلاق نہیں ہوگا۔

نماز کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ امام اس شخص کو بنانا چاہئے، جو جمہور اہل سنت کے مسلک کا پابند ہوں۔ لہٰذا جو لوگ مودودی صاحب سے مذکورہ بالا امور میں متفق ہوں، انہیں باختیار خود امام بنانا درست نہیں۔ البتہ اگر کوئی نماز ان کے پیچھے پڑھ لی گئی، تو نماز ہوگئی۔

☆☆

یہ میری ذاتی رائے ہے، جو اپنی حد تک غور و فکر کے بعد فیما بینی و بین اللہ قائم کی ہے، میں کسی مسلمان کے بارے میں بدگمانی اور بے احتیاطی سے بھی اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، اور دین کے معاملہ میں مداہنت سے بھی۔ جن حضرات کو میری اس رائے سے اتفاق نہ ہو، وہ اپنے عمل کے مختار ہیں، مجھے ان سے کوئی مباحثہ کرنا نہیں، نہ میرے قویٰ اور مصروفیات اس کے متحمل ہیں۔ اگر کوئی صاحب ....اس کو شائع کرنا چاہیں، تو ان سے میری درخواست ہے کہ اس کو پورا شائع کریں، ادھورا یا کوئی ٹکڑا شائع کر کے خیانت کے مرتکب نہ ہوں۔

واللہ المستعان و علیہ التکلان

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ

وحدت اُمّت

تاریخ تالیف ______ ۱۲؍ربیع الاول ۱۳۸۵ھ (مطابق ۱۹۶۵ء)

مقامِ تالیف ______ کراچی

یہ مقالہ ایک خطاب کا مضمون ہے جو ذی القعدہ ۱۳۸۵ھ میں جامعہ تعلیمات اسلامیہ لائل پور کے ایک جلسہ کے سامنے کیا گیا اس وقت ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ اس کو محفوظ کرلیا گیا تھا ریکارڈ کی بعینہ نقل اخبار المنبر لائل پور میں شائع ہوئی اور اس کے اقتباسات پاک و ہند کے مختلف رسائل واخبارات میں شائع ہوئے بعض احباب نے اس کو مفید سمجھ کر کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ کیا تو نظر ثانی اور کچھ حذف واز دیاد کے ساتھ مندرجہ ذیل صورت میں پیش کیا گیا۔

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ و کفٰی وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی

میرے بزرگوار اور دوستو، یہ امر ایک حقیقت ہے اس میں کسی تواضع کا دخل نہیں کہ میں ابتداء عمر سے نہ کبھی کوئی خطیب رہا نہ واعظ، نہ بڑے مجمعوں کو خطاب کرنے کا عادی، میری پوری عمر پڑھنے پڑھانے میں گذری یا پھر کچھ کاغذ کالے کرنے میں، عام مسلمانوں کی ضرورت کے مطابق مختلف رسائل پر تصنیف کا سلسلہ رہا اور میرے بزرگوں نے اپنے حسنِ ظن سے خدمتِ فتوی میرے سپرد فرمادی، عمر کا ایک بہت بڑا حصہ اس میں صرف ہوا،

ہمارے محترم حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب نے اپنے حسن ظن اور کرم فرمائی سے مجھے یہاں لا بٹھایا اور جو عنوان مجھے کلام کرنے کے لیے حوالہ فرمایا وہ جس طرح اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایسا یقینی اور واضح ہے کہ اس میں دو رائے ہونے کی گنجائش نہیں، اسی طرح ہما رے معاشرے میں اس کا وجود ایسا کمیاب ہے کہ اپنے معاشرے کو سامنے رکھتے ہوئے اس موضوع پر زبان کھولنے کی ہمت نہیں ہوتی، مجھے عنوان یہ دیا گیا ہے کہ امت اسلامیہ ایک نا قابل تقسیم وحدت ہے یہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح اور نا قابل انکار حقیقت ضرور ہے مگر ہمارے حالات و واقعات دنیا کو اس کے خلاف یہ دکھلا رہے ہیں کہ یہ اُمت ایک نا قابلِ اجتماع تشتت ہے اپنے حالات وخصوصیات وقت سے صرف نظر کر کے مسئلہ کے دلائل پر بحث ایک نرا فلسفہ ہے جس سے ہماری کوئی ضرورت پوری نہیں ہوتی اس لئے مجھے اس مسئلہ کے مثبت پہلو پر کچھ کلام کرنے سے زیادہ اس کے منفی پہلو افتراق وتشتت اور اس کے اسباب پر غور اور اس کے علاج کی فکر کرنا ہے۔

جہاں تک اسلام کی دعوت اتحاد اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو بلکہ کل انسانوں کو ایک

قوم ایک خاندان ایک برادری قرار دینے کا معاملہ ہے وہ کوئی ایسی چیز نہیں جو کسی مسلمان پر مخفی ہو، قرآن کریم کے واضح الفاظ خلقکم من نفس واحدة میں تمام بنی نوع اور بنی آدم انسان کو، انّما المومنون اخوة میں مسلمانوں کو ایک برادری قرار دیا گیا۔

حجۃ الوداع کے آخری خطبہ میں رسول کریم ﷺ نے جو اس وقت کے مسلمانوں کے سب سے بڑے اجتماع میں ہدایتی اصول ارشاد فرمائے ان میں اس بات کو بڑی اہمیت سے ذکر فرمایا کہ:

> ''اسلام میں کالے گورے، عربی عجمی وغیرہ کا کوئی امتیاز نہیں سب ایک ماں باپ سے پیدا ہونے والے افراد ہیں''

اس ارشاد کے ذریعہ جاہلانہ وحدتیں جو نسب اور خاندان کی بنیاد پر یا وطن اور رنگ اور زبان کی بنیاد پر لوگوں نے قائم کر لی تھیں، ان سب کے بتوں کو توڑ کر صرف خدا پرستی اور دین کی وحدت کو قائم فرمایا۔

یہی وہ حقیقی وحدت ہے جو مشرق و مغرب کے تمام بنی آدم اور نوع انسان کے تمام افراد کو متحد کر کے ایک قوم، ایک برادری بنا سکتی ہے اور سعی و عمل کے ذریعہ حاصل کی جا سکتی ہے، نسب اور وطن یا رنگ اور زبان کی بنیاد پر جو وحدتیں اہل جاہلیت نے قائم کر لی تھیں اور آج کی مزعومہ روشن خیالی کے دور میں پھر اُنہی کی پرستش کی جا رہی ہے، ان وحدتوں کی بنیاد پر ہی انسانوں کے طبقات میں تفرقہ ہے اور تفرقہ بھی ایسا جس کو کسی عمل اور کوشش سے مٹایا نہیں جا سکتا جو کالا ہے وہ گورا نہیں بن سکتا، جو نسب میں سیّد یا شیخ نہیں۔ وہ کسی سعی و عمل سے شیخ یا سیّد نہیں بن سکتا۔

اسلام نے ایک ایسی وحدت کی طرف دعوت دی جس میں تمام انسانی افراد بلا کسی مشقت کے شریک ہو سکتے ہیں اور یہ وحدت چونکہ ایک مالک حقیقی وحدہٗ لاشریک لہٗ کے تعلق اور اس کی اطاعت سے وابستہ ہے اس لئے بلاشبہ ناقابل تقسیم ہے۔

جو عنوان اس مجلس میں مجھے دیا گیا ہے اس کے مثبت پہلو پر تو اتنی گزارش ہی کافی سمجھتا ہوں، مگر اب یہ دیکھتا ہوں کہ یہ ایک عقیدہ اور نظریہ ہے جو زبانوں پر جاری اور کتابوں میں لکھا ہوا ہے، لیکن جب اپنے گرد و پیش ہی نہیں بلکہ مشرق و مغرب کے انسانوں کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو اس کے برعکس یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ ملت ایک تفرقہ ہے جس میں اجتماع کا امکان دور دور نہیں، وہ ملت جس نے دنیا کے تمام انسانوں کو ایک خدا کی اطاعت پر جمع کر کے ایک برادری بنانے کی دعوت دی تھی:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔

''اے ایمان والو! تم ڈرتے رہو اپنے رب سے، وہ ذات پاک جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے۔ (سورۂ نساء)

اور پھر مسلسل دعوت اور افہام و تفہیم کے باوجود جو لوگ اس برادری سے کٹ گئے، ان کو ایک جداگانہ قوم قرار دے کر خدا تعالیٰ کے ماننے والوں کو حسب دستور ایک قوم ایک ملت، ایک برادری بنا کر بنیان مرصوص سیسہ پلائی ہوئی ناقابل شکست دیوار بنایا تھا، آج وہ ملت ہی طرح طرح کے تفرقوں میں مبتلا ایک دوسرے سے بیزار اور برسر پیکار نظر آتی ہے، اس میں سیاسی پارٹیوں کے جھگڑے، نسبتی برادریوں کی تفریق، پیشوں اور کاروبار کی تقسیم، امیر غریب کا تفرقہ تو بنیاد منافرت تھی ہی، زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ دین اور خدا پرستی غیروں کو اپنا بنانے اور نسبی، نسلی، وطنی اور لسانی تفرقوں کو مٹانے ہی کا نسخہ اکسیر تھا آج وہ بھی ہمارے لئے جنگ و جدل اور عداوتوں اور جھگڑوں کا ذریعہ بن گیا جس نے پوری ملت کو دینی و دنیوی ہر اعتبار سے ہلاکت کے غار میں دھکیل دیا اور اس سے بچنے کا کوئی علاج نظر نہیں آرہا، ہماری ہر تنظیم تفریق اور ہر اجتماع افتراق کا سامان بہم پہنچاتا ہے اور یہی وہ روگ ہے جس نے ملت اسلامیہ کو اس عظیم الشان عددی اکثریت کے باوجود پسماندہ بنایا ہوا ہے ہر قوم ہمیں اپنے میں جذب کرنے کی طمع رکھتی ہے، مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ پر عقائد سے لے کر اعمال و اخلاق تک ثقافت و معاشرت سے لے کر معاملات و اقتصادیات تک ہر

قوم کی یلغار ہے، ایک طرف حکومت و اقتدار اور اقتصادیات وتجارت میں ان پر عرصہِ حیات تنگ کیا جارہا ہے تو دوسری طرف ملحدانہ تلبیسات کے ذریعہ ان کے عقائد ونظریات کو متزلزل اور ان کی خدا پرستی کے اصول کو نئی تعلیم وتہذیب اور خیر خواہی اور ہمدردی کے عنوان سے ہوا پرستی میں تبدیل کیا جارہا ہے ہمارے عوام انگریز کے ڈیڑھ سو سالہ اقتدار میں مختلف تدبیروں کے ذریعہ علم دین سے محروم اور حقائق سے ناآشنا کردیئے گئے، اب گھر کی دولت علم وفکر گنوا کر جو کچھ دوسروں کی طرف سے آتا ہے اسی کو سرمایہءسعادت سمجھنے لگے، خصوصاً جبکہ اس تعلیم وتہذیب کے سایہ میں نفس کی بے لگام خواہشات اور عیش وعشرت کا میدان بھی کھلا نظر آتا ہے اور ہمارے علماء اہل فکر ونظر اپنے جزوی اور فروعی اختلافات اور بہت سے غیر ضروری مسائل میں ایسے اُلجھ گئے کہ ان کو اسلام کی سرحدوں پر ہونے والی یلغار کی گویا خبر ہی نہیں۔

اسبابِ مرض اور علاج

آج کی اس مجلس میں ملت کا درد رکھنے والے علماء، فضلاء اور مفکرین کا اجتماع نظر آتا ہے، دل چاہتا ہے کہ ملت کے اس مرض کے اسباب اور اس کے علاج پر کچھ غور کیا جائے۔

امیر ! جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

سب سے پہلے میں یہ واضح کردینا چاہتا ہوں کہ نظری مسائل میں آراء کا اختلاف نہ مضر ہے نہ اس کے مٹانے کی ضرورت ہے، نہ مٹایا جاسکتا ہے، اختلاف رائے نہ وحدت اسلامی کے منافی ہے نہ کسی کے لئے مضر، اختلاف رائے ایک فطری اور طبعی امر ہے جس سے نہ کبھی انسانوں کا کوئی گروہ خالی رہا نہ رہ سکتا ہے، کسی جماعت میں ہر کام اور ہر بات میں مکمل اتفاق رائے صرف دو صورتوں میں ہوسکتا ہے، ایک یہ کہ ان میں کوئی سوجھ بوجھ

والا انسان نہ ہو جو معاملہ پر غور کر کے کوئی رائے قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اس لئے ایسے مجمع میں ایک شخص کوئی بات کہہ دے تو دوسرے سب اس پر اس لئے اتفاق کر سکتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی رائے اور بصیرت ہی نہیں، دوسرے اس صورت میں مکمل اتفاق رائے ہو سکتا ہے کہ مجمع کے لوگ ضمیر فروش اور خائن ہوں کہ ایک بات کو غلط اور مضر جانتے ہوئے محض دوسروں کی رعایت سے اختلاف کا اظہار نہ کریں۔

اور جہاں عقل بھی ہو اور دیانت بھی یہ ممکن نہیں کہ ان میں اختلاف رائے نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف رائے عقل و دیانت سے پیدا ہوتا ہے اس لئے اس کو اپنی ذات کے اعتبار سے مذموم نہیں کہا جا سکتا اور اگر حالات و معاملات کا صحیح جائزہ لیا جائے تو اختلاف رائے اگر اپنی حدود کے اندر رہے وہ کبھی کسی قوم و جماعت کے لئے مضر نہیں ہوتا بلکہ بہت سے مفید نتائج پیدا کرتا ہے، اسلام میں مشورہ کی تکریم اور تاکید فرمانے کا یہی منشا ہے کہ معاملہ کے متعلق مختلف پہلو اور مختلف آراء سامنے آ جائیں تو فیصلہ بصیرت کے ساتھ کیا جا سکے اگر اختلاف رائے مذموم سمجھا جائے تو مشورہ کا فائدہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔

صحابہؓ و تابعینؒ میں اختلافِ رائے اور اس کا درجہ

انتظامی اور تجرباتی امور میں تو اختلاف رائے خود رسول کریم ﷺ کے عہد مبارک میں آپ کی مجلس میں بھی ہوتا رہا اور خلفاء راشدین اور عام صحابۂ کرامؓ کے عہد میں امور انتظامیہ کے علاوہ جب نئے نئے حوادث اور شرعی مسائل پیش آئے جن کا قرآن و حدیث میں صراحۃً ذکر نہ تھا یا قرآن کی ایک آیت کا دوسری آیت سے یا ایک حدیث کا دوسری حدیث سے بظاہر تعارض نظر آیا اور ان کو قرآن و سنت کی نصوص میں غور کر کے تعارض کو رفع کرنے اور شرعی مسائل کے استخراج میں اپنی رائے اور قیاس سے کام لینا پڑا تو ان میں اختلاف رائے ہوا جس کا ہونا عقل و دیانت کی بناء پر ناگزیر تھا۔

اذان اور نماز جیسی عبادتیں جو دن میں پانچ مرتبہ میناروں اور مسجدوں میں ادا کی

جاتی ہیں۔ان کی بھی جزوی کیفیات میں اس مقدس گروہ کے افراد کا خاصا اختلاف نظر آتا ہے اور اس کے اختلاف رائے پر باہمی بحث ومباحثہ میں بھی کوئی کمی نظر نہیں آتی۔

ایسے ہی غیر منصوص یا مبہم معاملات حلال وحرام جائز و ناجائز میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آراء کا اختلاف کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں، پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگرد حضرات تابعین کا یہ عمل بھی ہر اہلِ علم کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی جماعت کسی صحابی کی رائے کو اختیار کر لیتی تھی اور کوئی ان کے بالمقابل دوسری جماعت دوسرے صحابی کی رائے پر عمل کرتی تھی لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعینؒ کے اس پورے خیر القرون میں اس کے بعد ائمہ مجتہدین اور ان کے پیروؤں میں کہیں ایک واقعہ بھی اس کا سننے میں نہیں آیا کہ ایک دوسرے کو گمراہ یا فاسق کہتے ہوں یا کوئی مخالف فرقہ اور گروہ سمجھ کر ایک دوسرے کے پیچھے اقتداء کرنے سے روکتے ہوں یا کوئی مسجد میں آنے والا لوگوں سے یہ پوچھ رہا ہو کہ یہاں کے امام اور مقتدیوں کا اذان واقامت کے صیغوں میں قرأت فاتحہ، رفع یدین وغیرہ میں کیا مسلک ہے، ان اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے کے خلاف جنگ وجدل یا سبّ وشتم توہین، استہزاء اور فقرہ بازی کا تو ان مقدس زمانوں میں کوئی تصور ہی نہ تھا۔

امام ابن عبد البر قرطبی نے اپنی کتاب جامع بیان العلم میں سلف کے باہمی اختلافات کا حال الفاظ ذیل میں بیان کیا ہے:

عن یحییٰ بن سعید قال مابرح اهل الفتویٰ یفتون فیحل هٰذا و یحرم هـٰذا فلا یریٰ المحرم المحل هلك لتحلیله ولا یری المحل ان المحرم هلك لتحریمه۔ (جامع العلم ص)

یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ ہمیشہ اہل فتویٰ فتوے دیتے رہے، ایک شخص غیر منصوص احکام میں، ایک چیز کو حلال قرار دیتا ہے دوسرا حرام کہتا ہے مگر نہ حرام کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس نے حلال ہونے کا فتویٰ دیا وہ ہلاک اور گمراہ ہو گیا اور نہ حلال کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس نے

حرام ہونے کا فتویٰ دیا وہ ہلاک ہوگیا۔ اسی کتاب میں نقل کیا ہے کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے فقیہ مدینہ حضرت قاسم بن محمدؒ سے ایک مختلف فیہ مسئلہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ان دونوں آراء میں سے آپ جس پر عمل کرلیں کافی ہے کیونکہ دونوں طرف صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت کا اسوہ موجود ہے۔ (جامع بیان العلم)

ایک شبہ اور جواب

یہاں اصولِ دین اور اسبابِ اختلاف سے ناواقف لوگوں کو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ شریعتِ اسلام میں ایک چیز حلال بھی ہو اور حرام بھی ہو اور جائز بھی ہو، ناجائز بھی ہو؟ ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے ایک غلط اور ایک صحیح ہوگی پھر دونوں جانب کا یکساں احترام کیسے باقی رہ سکتا ہے جس کو ایک آدمی غلط سمجھتا ہے اس کو غلط کہنا عین دیانت ہے۔

جواب یہ ہے کہ کلام مطلق حلال وحرام اور جائز وناجائز میں نہیں، کیونکہ قرآن سنت کے منصوصات اور تصریحات کے اعتبار سے کچھ چیزیں واضح طور پر حرام ہیں جیسے سود، شراب، جوا، رشوت وغیرہ، ان میں دورائیں نہیں ہوسکتی اور نہ سلف صالحین کا ان میں کہیں اختلاف ہوسکتا تھا اور ان میں اختلاف کرنا تو دین کے بیّنات اور واضح نصوص کا انکار کرنا ہے جو باتفاق اُمت گمراہی اور الحاد ہے اور جو ایسا کرے اس سے بیزاری اور برأت کا اعلان کرنا عین تقاضائے ایمان ہے، اس میں رواداری ممنوع ہے۔

یہ رواداری کی تلقین اور اختلاف رائے کے باوجود اپنے مخالف رائے کا احترام صرف ایسے مسائل میں ہے جو یا تو قرآن وسنت میں صراحۃً مذکور نہیں یا مذکور ہیں مگر ایسے اجمال وابہام کے ساتھ کہ ان کی تشریح وتفسیر کے بغیر ان پر عمل نہیں ہوسکتا یا دو آیتوں یا دو روایتوں میں بظاہر کچھ تعارض نظر آتا ہے ان سب صورتوں میں مجتہد عالم کو قرآن وسنت کے نصوص میں مقدور بھر غور وفکر کر کے یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ اس کا منشا اور مفہوم کیا ہے اور

اس سے کیا احکام نکلتے ہیں، اس صورت میں ممکن ہے کہ ایک عالم مجتہد اصولِ اجتہاد کے مطابق قرآن وسنت اور تعامل صحابہ وغیرہ میں غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کے فلاں کام جائز ہے اور دوسرا عالم مجتہد ان ہی اصولوں میں پورا غور وفکر کر کے اس کے ناجائز ہونے کو صحیح سمجھے، ایسی صورت میں یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجر وثواب کے مستحق ہیں کسی پر کوئی عتاب نہیں، جس کی رائے اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح ہے اس کو دوہرا اجر وثواب اور جس کی صحیح نہیں اس کو ایک اجر ملے گا۔ اسی سے بعض اہل علم کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اجتہادی اختلافات میں دونوں متضاد قول حق وصحیح ہوتے ہیں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں، تمام احکام عبادات ومعاملات سے اللہ تعالیٰ کا مقصود کوئی خاص کام نہیں بلکہ بندوں کی اطاعت شعاری کا امتحان ہے، جب دونوں نے اپنی اپنی غور وفکر اور قوتِ اجتہاد شرائط کے ساتھ خرچ کر لی تو دونوں اپنا فرض ادا کر چکے دونوں صحیح جواب ہیں، مگر جمہور امت اور ائمہ مجتہدین کی تحقیق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ان دونوں میں سے کوئی ایک حق وصحیح ہوتا ہے، تو جو لوگ اپنے اجتہاد سے اس حق کو پالیں وہ ہر حیثیت سے کامیاب اور دوہرے اجر کے مستحق ہیں اور جو مقدور بھر کوشش کے اس حد تک نہ پہنچے تو معذور ہیں ان پر کوئی ملامت نہیں بلکہ ان کے سعی وعمل کا ایک اجر ان کو بھی ملتا ہے۔

ایک اہم واقعہ، اہم نکتہ

ایک اہم واقعہ بھی آپ کے گوش گذار کروں جو اہم بھی ہے اور عبرت خیز بھی، قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوا کرتا تھا اور سیدی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے، ایک سال اسی جلسہ پر تشریف لائے، میں بھی آپ کے ساتھ تھا، ایک صبح نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت سر پکڑے ہوئے بہت مغموم بیٹھے ہیں، میں نے پوچھا حضرت کیسا مزاج ہے؟ کہا ہاں! ٹھیک ہی ہے میاں مزاج کیا پوچھتے ہو، عمر ضائع کر دی۔

میں نے عرض کیا حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں، دین کی اشاعت میں گذری ہے، ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں، مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں، آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی؟

فرمایا: ’’ میں تمہیں صحیح کہتا ہوں، عمر ضائع کردی۔‘‘

میں نے عرض کیا: ’’حضرت بات کیا ہے‘‘ ؟

فرمایا: ’’ہماری عمر کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کدو کاوش کا خلاصہ یہ رہا کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کردیں امام ابوحنیفہؒ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں، اور دوسرے ائمہ کے مسائل پر آپ کے مسلک کی ترجیح ثابت کریں۔ یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔‘‘

اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی؟ ابوحنیفہؒ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں، ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے وہ مقام لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائیگا، وہ تو ہمارے محتاج نہیں۔

اور امام شافعیؒ، مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ اور دوسرے مسلک کے فقہاء جن کے مقابلے میں ہم یہ ترجیح قائم کرتے آئے ہیں کیا حاصل ہے اس کا؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنے مسلک کو صواب محتمل الخطاء (درست مسلک جس میں خطاء کا احتمال موجود ہے) ثابت کردیں اور دوسرے کے مسلک کو ’’ خطاء محتمل الصواب، (غلط مسلک جس کے حق ہونے کا احتمال موجود ہے) کہیں اس سے آگے کوئی نتیجہ نہیں ان تمام بحثوں، تدقیقات اور تحقیقات کا جن میں ہم مصروف ہیں۔ پھر فرمایا:

’’ ارے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کونسا مسلک صواب تھا اور کون سا خطاء، اجتہادی مسائل صرف یہی نہیں کہ دنیا میں ان کا فیصلہ نہیں ہوسکتا، دنیا میں بھی ہم تمام تر تحقیق و کاوش کے بعد یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح ہے اور وہ بھی صحیح، یا یہ کہ یہ

صحیح ہے لیکن احتمال موجود ہے کہ یہ خطا ہو، اور وہ خطا ہے اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو دنیا میں تو یہ ہے ہی قبر میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترک رفع یدین حق تھا؟ آمین بالجہر حق تھی یا بالسر حق تھی؟ برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور قبر میں بھی یہ سوال نہیں ہوگا۔''

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ تھے:

''اللہ تعالیٰ شافعیؒ کو رسوا کرے گا نہ ابوحنیفہؒ کو، نہ مالکؒ کو، نہ احمد بن حنبلؒ کو، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیا ہے، جنہوں نے نور ہدایت چار سو پھیلایا ہے جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گزریں، اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا کہ وہاں میدان محشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے کہ ابوحنیفہ نے صحیح کہا تھا یا شافعی نے غلط کہا تھا یا اس کے برعکس یہ نہیں ہوگا۔''

تو جس چیز کو نہ دنیا میں کہیں نکھرنا ہے نہ برزخ میں نہ محشر میں، اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی اپنی قوت صرف کر دی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی، مجمع علیہ اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں جن کی دعوت انبیائے کرام لے کر آئے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا اور وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی، آج یہ دعوت تو نہیں دی جا رہی یہ ضروریات دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہیں اور اپنے واغیار ان کے چہرے کو مسخ کر رہے ہیں اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہئے تھا وہ پھیل رہے ہیں اور گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آ رہا ہے، شرک و بت پرستی چل رہی ہے، حرام و حلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے لیکن ہم لگے ہوتے ہیں ان فرعی وفروعی بحثوں میں۔

حضرت شاہ نے فرمایا:

یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کر دی۔

سلفِ صالحین میں اختلاف ہو تو لوگوں کو کیا کرنا چاہئے

ایسے ہی اختلاف کے متعلق جس میں صحابہ کرام ﷺ کی دو رائیں ہوں، امام اعظم ابو حنیفہؒ نے فرمایا۔

احدالقولين خطاء و المأثم فيه موضوع

(جامع بيان العلم لابن عبد البرؒ ص ۸۳ ج ۲)

متضاد اقوال میں سے ایک خطا ہے مگر اس خطا کا گناہ معاف کر دیا گیا ہے

اور امام مالکؒ سے صحابۂ کرام ﷺ کے باہمی اختلافات کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا۔

خطاء و صواب فانظر فی ذٰلك۔ (جامع بیان العلم)

ان میں بعض خطا ہیں بعض صواب وصحیح تو عمل کرنے والے اہل اجتہاد کو غور کر کے کوئی جانب متعین کرنا چاہئے۔

امام مالکؒ نے اپنے اس ارشاد میں جس طرح یہ واضح کر دیا کہ اختلاف اجتہادی میں ایک جانب صواب وصحیح اور دوسری جانب خطا ہوتی ہے دونوں متضاد چیزیں صواب نہیں ہوتیں اسی طرح یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس اختلاف خطاء دونوں میں باہم جھگڑا اور جدل جائز نہیں۔ صرف اتنا کافی ہے کہ جس کو خطاء پر سمجھتا ہے اس کو نرمی اور خیر خواہی سے خطاء پر متنبہ کر دے۔ پھر وہ قبول کرے تو بہتر ورنہ سکوت کرے جدال اور جھگڑا یا بدگوئی نہ کرے۔ حضرت امام کے ارشاد کا پورا متن یہ ہے

كان مالك يقول المراء و الجدال فی العلم يذهب بنو ر العلم من قلب العبد .وقيل له رجل له علم بالسنة فهو يجادل عنها قال ولكن ليخبر با لسنة فان قبل منه و الاّسكت(اوجز المسالك شرح موطأ

مالك ص ١٥ ج ١)

حضرت امام نے فرمایا کہ علم میں جھگڑا اور جدال نورِ علم کو انسان کے قلب سے نکال دیتا ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ ایک شخص جس کو سنت کا علم حاصل ہے کیا وہ حفاظت سنت کے لئے جدال کر سکتا ہے؟ فرمایا کہ نہیں بلکہ اس کو چاہئے کہ مخاطب کو صحیح بات سے آگاہ کر دے پھر وہ قبول کرے تو بہتر ہے ورنہ سکوت اختیار کرے نزاع وجدال سے پرہیز کرے۔

محمد بن عبد الرحمٰن صیرفیؒ نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا کہ جب کسی مسئلہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم باہم مختلف ہوں تو کیا ہمارے لئے یہ جائز ہے کہ ان میں غور وفکر کر کے یہ فیصلہ کریں کہ ان میں صحیح صواب کس کا قول ہے؟ تو فرمایا:

لا یجوز النظر بین اصحاب رسول اللہ ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کے اختلاف میں لوگوں کو غور وفکر ہی نہ کرنا چاہیے
صیرفیؒ نے کہا کہ پھر عمل کس کے قول پر اور کس طرح کریں؟

تقلد ایهم شئت۔ (جامع بیان العلم ص ج)

ان میں سے جس کا جی چاہے اتباع کر لیجئے، (یہی کافی ہے۔)

ائمہ مجتہدین کے ان اقوال میں ابوحنیفہ اور مالک رحمہم اللہ کا مسلک تو یہ ہوا کہ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے باہم کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو بعد کے فقہاء کو چاہئے کہ دلائل میں غور کر کے جس کا قول سنت سے زیادہ قریب تر سمجھیں اس کو اختیار کر لیں اور امام احمدؒ کے نزدیک اس کی بھی ضرورت نہیں دونوں طرف جب صحابہ ہیں تو جس کا قول چاہے اختیار کر سکتے ہیں۔

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں ایک مسئلہ میں باہمی اختلاف ہو رہا تھا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سنا تو غضبناک ہو کر باہر تشریف لائے اور

فرمایا کہ افسوس رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں ایسے دو شخص باہم جھگڑ رہے ہیں جن کی طرف لوگوں کی نظریں ہیں اور جن سے لوگ دین کا استفادہ کرتے ہیں پھر ان دونوں کے اختلاف کا فیصلہ اس طرح فرمایا کہ:

صدق ابی ولم یأل ابن مسعود

یعنی صحیح بات تو ابی ابن کعب کی ہے مگر اجتہاد میں کوتاہی ابن مسعود نے بھی نہیں کی۔

پھر فرمایا کہ مگر میں آئندہ ایسے مسائل میں جھگڑا کرتا ہوا کسی کو نہ دیکھوں، ورنہ اتنی سزا دوں گا۔ (جامع العلم ص ۸۴ ج ۲)

حضرت فاروق اعظم ؓ کے اس ارشاد سے ایک تو یہ بات ثابت ہوئی کہ اجتہادی مسائل و اختلافات میں ایک قول صواب و صحیح ہوتا ہے اور دوسرا اگرچہ صواب نہیں مگر ملامت اس پر بھی نہیں کی جا سکتی۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایسے اجتہادی مسائل میں خلاف و اختلاف پر زیادہ زور دینا مقتدیانِ اہل علم کے لئے مناسب نہیں جس سے ایک دوسرے پر ملامت یا نزاع و جدال کے خطرات پیدا ہو جائیں۔

امام شافعیؒ کے ایک مفصل کلام کو نقل کر کے ابن عبد البرؒ نے فرمایا کہ امام شافعیؒ کے اس کلام میں اس کی دلیل موجود ہے کہ مجتہدین کو آپس میں ایک دوسرے کا تخطیہ نہ کرنا چاہیے یعنی ان میں کوئی دوسرے کو یہ نہ کہے کہ آپ غلطی اور خطا پر ہیں۔ (جامع بیان العلم ص ۷۳ ج ۲) وجہ یہ ہے کہ ایسے اجتہادی مسائل میں کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے قول کو یقینی طور پر صواب و صحیح اور دوسرے کے قول کو یقینی طور پر خطأ و غلط کہہ سکے۔ اجتہاد اور پورے غور و فکر کے بعد بھی جو رائے قائم کی ہے اس کے متعلق اس سے زیادہ کہنے کا کسی کو حق نہیں کہ رائے صحیح و صواب ہے مگر احتمال خطا اور غلطی کا بھی ہے اور ہو سکتا ہے کہ دوسرے کا قول صحیح و صواب ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ اجتہادی اختلافات میں جمہور علماء کے نزدیک علم الٰہی کے اعتبار سے دو مختلف آراء میں سے حق تو کوئی ایک ہی ہوتی ہے مگر اس کا متعین کرنا کہ ان میں سے حق کیا ہے، اس کا یقینی ذریعہ کسی کے پاس نہیں۔ دونوں طرف خطأ وصواب کا احتمال دائر ہے مجتہد اپنے غور وفکر سے کسی ایک جانب کو راجح قرار دے کر عمل کے لئے اختیار کر لیتا ہے۔

ایک اہم ارشاد

استاذ الاساتذہ سیّدی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ سابق صدر مدرس دار العلوم دیوبند نے ایک مرتبہ فرمایا کہ: اجتہادی مسائل اور ان کے اختلاف جن میں ہم اور عام اہل علم الجھتے رہتے ہیں اور علم کا پورا زور اس پر خرچ کرتے ہیں، ان میں صحیح وغلط کا فیصلہ دنیا میں تو کیا ہوتا میرا گمان تو یہ ہے کہ محشر میں بھی اس کا اعلان نہیں ہوگا کیونکہ رب کریم نے جب دنیا میں کسی امام مجتہد کو باوجود خطا ہونے کے ایک اجر وثواب سے نوازا ہے اور ان کی خطأ پر پردہ ڈالا ہے تو اس کریم الکرماء کی رحمت سے بہت بعید ہے کہ وہ محشر میں اپنے ان مقبولانِ بارگاہ میں سے کسی کی خطا کا اعلان کر کے اس کو رسوا کریں۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جن مسائل میں صحابہؓ وتابعین اور ائمہ مجتہدینؒ کا نظری اختلاف ہوا ہے ان کا قطعی فیصلہ نہ یہاں ہوگا نہ آخرت میں، کیونکہ عمل کرنے والوں کے لئے ان میں سے ہر ایک کی رائے پر اپنی ترجیح کے مطابق عمل کر لینا جائز قرار دیدیا گیا ہے اور جس نے اس کے مطابق عمل کر لیا وہ فرض سے سبکدوش ہوگیا اس کو باجماع امت تارک فرض نہیں کہا جا سکتا۔ ان مسائل میں کوئی عالم کتنی ہی تحقیقات کرے یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کی تحقیق کو یقینی حق وصواب کہا جائے اور اس کے مقابل کو باطل قرار دیا جائے، امام حدیث حافظ شمس الدینؒ ذہبی نے فرمایا ہے کہ جس مسئلہ میں صحابہ وتابعین کا اختلاف ہوگیا وہ اختلاف قیامت تک مٹایا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ اس اختلاف کے مٹانے کی ایک ہی صورت ہے کہ ان میں سے ایک گروہ کو قطعی طور پر حق پر اور دوسرے کو یقینی باطل قرار دیا جائے اور یہ

ممکن نہیں ہے۔

ائمہ مجتہدین کے اختلاف میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی

مذکورۃ الصدر تصریحات سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جس مسئلہ میں صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہو اس کی کوئی جانب شرعی حیثیت سے منکر نہیں کہلائے گی کیونکہ دونوں آراء کی بنیاد قرآن و سنت اور ان کے مسلمہ اصول پر ہے اس لئے دونوں جانبیں داخل معروف ہیں، زیادہ سے زیادہ ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح کہا جاسکتا ہے اس لئے ان مسائل مجتہد فیہا میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی کسی پر عائد نہیں ہوتا بلکہ غیر منکر پر نکیر کرنا خود ایک منکر ہے یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کا بے شمار مسائل میں جواز وعدم جواز اور حرمت وحلت کا اختلاف ہونے کے باوجود کہیں منقول نہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے پر اس طرح نکیر کرتا ہو جیسے منکرات پر کی جاتی ہے یا ایک دوسرے کو یا اس کے متبعین کو گمراہی یا فسق وفجور کی طرف منسوب کرتا ہو یا اس کو ترک وظیفہ یا ارتکاب حرام کا مجرم قرار دیتا ہو، حافظ ابن عبد البرؒ نے امام شافعیؒ کا جو قول نقل کیا ہے وہ بھی اس پر شاہد ہے جس میں فرمایا ہے کہ ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد کا تخطیہ یعنی اس کو خطاوار مجرم کہنا جائز نہیں۔

شرائطِ اجتہاد

حضرت امام شافعیؒ نے جہاں مجتہدین کے آپس میں ایک دوسرے کے تخطیہ کو نادرست قرار دیا ہے وہیں اس کی معقول وجہ اور ایک شرط کا بھی ذکر کیا ہے ان کی عبارت کا متن یہ ہے:

وفی ھٰذا من قول الشافعیؒ دلیل علیٰ ترك تخطئة المجتھدین بعضھم لبعض اذ کل واحد منھم قد ادی ما کلف باجتھادہ اِذا کان ممن اجتمعت فیہ آلة القیاس وکان ممن لہٗ ان یجتھد

ویقیس (جامع العلم ص□□ ج□)

امام شافعیؒ کے کلام میں اس کی دلیل موجود ہے کہ کوئی مجتہد دوسرے مجتہد کو خطا وار نہ قرار دے کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے وہ فرض ادا کر دیا جو اس کے ذمہ تھا یعنی اس کے اجتہاد اور قیاس کے شرائط موجود ہوں اور اہل اجتہاد کے نزدیک اس کو اجتہاد و قیاس کا حق حاصل ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ دو مختلف آراء کا یہ احترام کہ ان میں سے کسی کو منکر نہ کہا جائے اور اس کے کہنے ماننے والوں کو خطا وار نہ کہا جائے، یہ صرف اس صورت میں ہے کہ اجتہاد صحیح اس کی شرائط کے مطابق ہو، آج کل کا سا جاہلانہ اجتہاد نہ ہو کہ جس کو عربی زبان بھی پوری نہیں آتی اور قرآن و حدیث سے اس کا رابطہ کبھی نہیں رہا، اردو، انگریزی ترجموں کے سہارے قرآن و حدیث پر مشق شروع کر دی، ایسا اجتہاد خود ایک گناہ عظیم ہے اور اس سے پیدا ہونے والی رائے دوسرا گناہ اور گمراہی اور خلاف و شقاق ہے جس پر نکیر واجب ہے۔

سُنّت و بدعت کی کشمکش میں صحیح طرزِ عمل

ہمارے معاشرہ میں مذہب کے نام پر ایک اختلاف وہ بھی ہے جو بدعت و سنت کے عنوان سے پیدا ہوا کہ بہت سے لوگوں نے قرآن و سنت کی تعبیر میں اصول صحیح کو چھوڑ کر ذاتی آراء کو امام بنا لیا اور نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے اس قسم کے اختلافات بلاشبہ وہ تفرق و افتراق ہیں، جن سے قرآن و سنت میں مسلمانوں کو ڈرایا گیا ہے، ان کے ختم یا کم کرنے کی کوشش بلاشبہ مفید ہے لیکن قرآن کریم نے اس کا بھی ایک خاص طریق بتلایا ہے جس کے ذریعہ تفرق کی خلیج کم ہوتی چلی جائے، بڑھنے نہ پائے یہ وہی اصول دعوت الی الخیر ہیں جن میں سب سے پہلے حکمت و تدبیر پھر خیر خواہی و ہمدردی اور نرم قابل قبول عنوان سے قرآن کریم کے صحیح مفہوم کی طرف بلایا ہے اور آخر میں مجادلہ بالتی ھی احسن یعنی حجت و دلیل کے ساتھ افہام و تفہیم کی کوشش ہے مگر افسوس کہ آج کل عام اہلِ علم اور

مصلحین نے ان اصولوں کو نظر انداز کر دیا۔ صرف جدال میں اور وہ بھی غیر مشروط انداز سے مشغول ہوگئے کہ اپنے حریف کا استہزاء اور تمسخر و اس کو زیر کرنے کے لئے جھوٹے، سچے، جائز و ناجائز حربے استعمال کرنا اختیار کر لیا جس کے نتیجے میں جنگ و جدال کا بازار تو گرم ہو گیا مگر اصلاحِ خلق کا کوئی پہلو نہ نکلا۔

افتراق اُمّت کے اسباب

میں نے اس تمہیدی گزارش کو اتنا طول دینا اور اتنی تفصیل سے بیان کرنا اس لئے گوارا کیا کہ مسلمانوں کے طبقات اہل دین واصلاح اور دینی خدمات انجام دینے والوں کے مابین جو تفرقہ آج پایا جاتا ہے وہ عموماً انہیں حقائق کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہے۔

اب میں ان اسباب وعوامل کو پیش کرتا ہوں جو میرے غور وفکر کی حد تک مسلمانوں میں باہمی آویزش اور شقاق وجدال کا سبب بنے ہوئے ہیں اور افسوس اس کا ہے کہ اس کو خدمت دین سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے۔

غلو

میرے نزدیک اس جنگ وجدل کا ایک بہت بڑا سبب فروعی اور اجتہادی مسائل میں تحزب وتعصب اور اپنی اختیار کردہ راہ عمل کے خلاف کو عملاً باطل اور گناہ قرار دینا اور اس پر عمل کرنے والوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا ہے جو اہل باطل اور گمراہوں کے ساتھ کرنا چاہیے تھا، اس پر تمام امت کا اتفاق بھی ہے اور عقلاً اس کے سوا کوئی صورت بھی دین پر عمل کرنے کی نہیں ہے کہ جو لوگ خود درجہ اجتہاد کا نہیں رکھتے وہ اجتہادی مسائل میں کسی امام مجتہد کا اتباع کریں اور جن لوگوں نے اپنے نفس کو آزادی اور ہوا پرستی سے روکنے کے لئے دینی مصلحت سمجھ کر کسی ایک امام مجتہد کا اتباع اختیار کر لیا ہے وہ قدرتی طور پر ایک جماعت بن جاتی ہے، اسی طرح دوسرے مجتہد کا اتباع کرنے والے ایک دوسری جماعت

کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اگر جماعت بندی مثبت انداز میں صرف اجتہادی مسائل کی حد تک اپنی تعلیمی اور عملی آسانیوں کے لئے ہو تو نہ اس میں کوئی مضائقہ ہے نہ کوئی تفرقہ اور نہ ملت کے لئے اس میں مضرت۔

مضرت رساں اور تباہ کن ایک تو اس کا منفی پہلو یہ ہے کہ اپنی رائے اور اختیار سے اختلاف رکھنے والوں کے ساتھ جنگ وجدل اور دوسرے ان فروعی مسائل کی بحثوں میں غلو کہ سارا علم وتحقیق کا زور اور بحث وتمحیص کی طاقت اور عمر کے اوقات عزیز انہی بحثوں کی نذر ہو جائیں۔ اگرچہ ایمان واسلام کے بنیادی اور قطعی اجماعی مسائل مجروح ہو رہے ہیں کفر والحاد دنیا میں پھیل رہا ہو، سب سے صرف نظر کر کے ہمارا علمی مشغلہ یہی فروعی بحثیں بنی رہیں جن کے متعلق مذکورۃ الصدر تفصیل میں ابھی آپ معلوم کر چکے ہیں کہ ان میں ہزار تحقیقات کے بعد بھی بات اس سے آگے نہیں بڑھتی کہ یہ راجح ہے اور اس کے خلاف مرجوح اور اس راجح مرجوح کا بھی یقینی فیصلہ نہ دنیا میں ہوسکتا ہے، نہ برزخ میں ان کا سوال ہوگا، نہ محشر میں اس راجح مرجوح کا اعلان ہوگا۔

اسی طرح نہ ان مسائل میں اختلاف رکھنے والوں پر نکیر کرنا درست ہے نہ ان کو خطا کار مجرم ٹھہرانا صحیح ہے، اس وقت ہماری قوم کا برگزیدہ ترین طبقہ علماء فقہاء کا خصوصاً جو تعلیم وتصنیف میں مشغول ہیں، ان کی شبانہ روز مشغولیت کا جائزہ لیا جائے تو بیشتر حضرات کی علمی تحقیقات اور سعی وعمل کی ساری توانائی انہی فروعی بحثوں میں محدود نظر آئے گی۔

لمحۂ فکریہ

ان میں بعض حضرات کا غلو تو یہاں تک بڑھا ہوا ہے کہ اپنے سے مختلف رائے رکھنے والوں کی نماز کو فاسد اور ان کو تارکِ قرآن سمجھ کر اپنے مخصوص مسلک کی اس طرح دعوت دیتے ہیں جیسے کسی منکر اسلام کو اسلام کی دعوت دی جا رہی ہو اور اسی کو دین کی سب سے بڑی خدمت سمجھے ہوئے ہیں۔

معلوم نہیں کہ یہ حضرات اسلام کی بنیادوں پر چاروں طرف سے حملہ آور طوفانوں سے باخبر نہیں یا جان بوجھ کر اغماض کرتے ہیں۔ اس وقت جبکہ ایک طرف تو کھلے ہوئے کفر، عیسائیت اور کمیونزم نے پورے اسلامی ممالک اور اسلامی حلقوں پر گھیراڈالا ہوا ہے، اور یہ دونوں کفر طوفانی رفتار کے ساتھ اسلامی ممالک میں پھیل رہے ہیں صرف پاکستان میں ہزاروں کی تعداد ہر سال مرتد ہو جاتی ہے دوسری طرف کفر، نفاق اور الحاد خود اسلام کا نام لینے والوں میں کہیں قادیانیت اور مرزائیت کے لباس میں، کہیں پرویزیت اور انکار حدیث کے عنوان سے کہیں مغرب سے لائی ہوئی اباحیت اور تمام محرمات شرعیہ کو حلال کرنے کے طریقوں سے ہمارے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں اور یہ الحاد، کفر و نفاق پہلے کفر سے اس لئے زیادہ خطرناک ہے کہ اسلام اور قرآن کے عنوان کے ساتھ آتا ہے جن کے دام میں سیدھے سادھے جاہل عوام کا تو ذکر ہی کیا ہے ہمارے نوتعلیم یافتہ نوجوان بہ کثرت اس لئے آجاتے ہیں کہ نئی تعلیم اور نئی معاشرت نے ان کو دینی تعلیم اور اسلامی اصول سے اتنا دور پھینک دیا ہے کہ وہ مادی علوم وفنون کے ماہر کہلانے کے باوجود مذہب اور دین کی ابتدائی معلومات سے بھی محروم کر دیئے گئے ہیں اور کھلے اور چھپے کفر کی ان ساری اقسام سے بھی اگر کچھ خوش نصیب مسلمان بچ جائیں تو فحاشی، عریانی، ننگے ناچ، رقص و سرور کی محفلوں اور گھر گھر ریڈیو کے ذریعہ فلمی گانوں اور سینماؤں کی زہریلی فضاؤں سے کون ہے جو بچ نکلے۔

اسلام اور قرآن کا نام لینے والے مسلمان آج سارے جرائم اور بداخلاقیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، ہمارے بازار جھوٹ، فریب، سود، قمار سے بھرے ہوئے ہیں اور ان کے چلانے والے کوئی یہودی نہیں، ہندو بنئے نہیں، اسلام کے نام لیوا ہیں، ہمارے سرکاری محکمے رشوت، ظلم و جور، کام چوری، بے رحمی اور سخت دلی کی تربیت گاہیں بنے ہوئے ہیں اور ان کے کارفرما بھی نہ انگریز ہیں نہ ہندو، محمد مصطفیٰ ﷺ کے نام لینے والے روزِ آخر پر ایمان کا دعویٰ رکھنے والے ہیں ہمارے عوام علمِ دین سے کورے، جہالتوں میں ڈوبے ہوئے دین کے فرائض و واجبات سے بیگانہ، مشرکانہ رسموں اور کھیل تماشوں کے دلدادہ ہیں۔

اے بسر اپردہ یثرب بخواب خیزد(۱) کہ شد مشرق ومغرب خراب

ان حالات میں کیا ہم پر یہ واجب نہیں کہ ہم غور و فکر سے کام لیں اور سوچیں کہ اس وقت ہمارے آقا رسول کریم ﷺ کا مطالبہ اور توقع اہل علم سے کیا ہوگی؟ اور اگر محشر میں آپ نے ہم سے سوال کر لیا کہ میرے دین اور شریعت پر اس طرح کے حملے ہو رہے تھے، میری امت اس بدحالی میں مبتلا تھی، تم وراثت نبوت کے دعویدار کہاں تھے؟ تم نے اس وراثت کا کیا حق ادا کیا؟ تو کیا ہمارا یہ جواب کافی ہو جائے گا کہ ہم نے رفع یدین کے مسئلہ پر ایک کتاب لکھی تھی یا کچھ طلباء کو شرح جامی کی بحث حاصل ومحصول خوب سمجھائی تھی، یا حدیث میں آنے والے اجتہادی مسائل پر بڑی دلچسپ تقریریں کی تھیں یا صحافیانہ زورِ قلم اور فقرہ بازی کے ذریعہ دوسرے علماء وفضلاء کو خوب ذلیل کیا تھا۔

فروعی اور اجتہادی مسائل میں بحث وتمحیص گو مذموم چیز نہیں، اگر وہ اپنی حد کے اندر اخلاص سے اللہ کے لئے ہوتی لیکن جہاں ہم یہ دیکھ رہے ہوں کہ اسلام وایمان کی بنیادیں متزلزل کر دینے والے فتنوں کی خبر ہم سنتے ہیں، اللہ ورسول کے احکام کی خلاف ورزی بلکہ استہزاء وتمسخر اپنے آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں مگر ہمارے کان پر جُوں نہیں رینگتی تو اس کی کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ فروعی بحثیں ہم اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے کر رہے ہیں، اگر ان میں کچھ للّٰہیت اور اخلاص ہوتا تو ہم ان حالات کے تحت اسلام اور دین کے تقاضوں کو پہچانتے اور فروع سے زیادہ اصولِ اسلام کی حفاظت میں لگے ہوتے، ہم نے تو گویا علمی اور دینی خدمات کو انہیں فروعی مباحث میں منحصر سمجھ رکھا ہے اور سعی وعمل کی پوری توانائی اسی پر لگا رکھی ہے، اسلام کے اصولی اور بنیادی مسائل اور ایمان کی سرحدوں کو دشمنوں کی یلغار کے لئے خالی چھوڑ دیا ہے لڑنا کس محاذ پر چاہیے تھا اور ہم نے

---

(۱) حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ اروا حنا وانفسنا) سے اس انداز سے خطاب تاویلاً ہی جائز ہوسکتا ہے اور جب ایک موحد اپنے الفاظ استعمال کرے گا تو اس سے مراد استعانت واستغاثہ نہیں ہوگی۔

طاقت کس محاذ پر لگادی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ تو تحزب وتعصب کے غلو کا نتیجہ ہے۔

اسی کے ساتھ دوسری بھاری غلطی ان اجتہادی مسائل میں اختلاف کے حدود کو توڑ کر تفرق وتشتت اور جنگ وجدل اور ایک دوسرے کے ساتھ تمسخر واستہزاء تک پہنچ جانا ہے جو کسی شریعت وملت میں روا نہیں اور افسوس ہے کہ یہ سب کچھ خدمتِ علم دین کے نام پر کیا جاتا ہے اور جب یہ معاملہ ان علماء کے متبعین عوام تک پہنچتا ہے تو وہ اس لڑائی کو ایک جہاد قرار دے کر لڑتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جس قوم کا جہاد خود اپنے ہی دست وبازو سے ہونے لگے اس کو کسی غنیم کی مدافعت اور کفر والحاد کے ساتھ جنگ کی فرصت کہاں۔

قرآن وحدیث میں اسی تجاوز عن الحدود کا نام تفرق ہے جو جائز اختلاف رائے سے الگ ایک چیز ہے قرآن میں ایک جگہ ارشاد ہے۔

واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا

''اور تم اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو سارے کے سارے، اور نہ تم تفرقہ ڈالو۔''

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وصیت کا ذکر ہے جو تمام انبیاء سابقین کو کی گئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

ان اقیموا الدین و لا تتفرقوا فیہ

امام تفسیر ابو العالیہؒ نے فرمایا کہ اقامت دین سے مراد اخلاص ہے ،اور **لاتتفرقوا** کا مطلب یہ ہے کہ آپس میں عداوت نہ کرو، بھائی بھائی بن کر رہو۔

اس وصیّت کے بعد قرآن میں بنی اسرائیل کے تفرق کا بیاں کر کے اہل اسلام کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ان کے طریقہ پر نہ جائیں، اس میں ارشاد ہے:

و ما تفرقوا الا من بعد ماجاء ھم العلم بغیا بینھم۔

حضرت ابو العالیہؒ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ لفظ **بغیا بینھم** میں ارشارہ ہے کہ

ایسے اختلاف کا عداوت اور جنگ و جدل تک پہنچنا کبھی دین کے سبب سے نہیں ہوتا بلکہ بغیا علی الدنیا و ملکھا وزخرفھا وزینتھا و سلطانھا (جامع العلم ص ۸۴ ج ۲) یعنی یہ عداوت جب بھی غور کرو تو اس کا سبب دنیا، حبِ مال یا حبِ جاہ ہوتا ہے جس کو نفس و شیطان خدمت دین کا عنوان دے کر مزین کر دیتا ہے ورنہ اس طرح کے مسائل میں اختلاف رائے کی حد وہی ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے، کہ مثبت طور اپنے عمل کے لئے ایک جانب کو اصلح سمجھ کر اختیار کر لیں اور اس سے مختلف مسلک رکھنے والوں سے لڑتے نہ پھریں جس طرح دنیا میں انسان جب بیمار ہوتا ہے اپنے معالجہ کے لئے کسی ایک حکیم یا ڈاکٹر کا انتخاب کر کے صرف اسی کے قول پر بھروسہ کرتا ہے اور اسی کی ہدایات پر عمل کرتا ہے مگر دوسرے ڈاکٹروں کو برا بھلا کہتا نہیں پھرتا، ایک مقدمہ میں آپ کسی ایک شخص کو وکیل بنا کر اپنا مقدمہ اس کے سپرد کر دیتے ہیں مگر دوسرے وکلاء سے لڑتے نہیں پھرتے، اجتہادی مختلف فیہ مسائل میں بھی ٹھیک یہی آپ کا طرز عمل ہونا چاہیے۔

جماعتوں کا غلو

ہماری دینی جماعتیں جو تعلیمِ دین یا ارشاد و تلقین یا دعوت و تبلیغ اور اصلاحِ معاشرہ کے لئے قائم ہیں اور اپنی اپنی جگہ مفید خدمات بھی انجام دے رہی ہیں ان میں بہت سے علماء و صلحاء اور مخلصین کام کر رہے ہیں اگر یہی متحد ہو کر تقسیم کار کے ذریعہ دین میں پیدا ہونے والے تمام رخنوں کے انسداد کی فکر اور امکانی حد تک باہم تعاون کرنے لگیں اور اقامتِ دین کے مشترک مقصد کی خاطر ہر جماعت دوسری کو اپنا دست و بازو سمجھے اور دوسروں کے کام کی ایسی ہی قدر کریں جیسی اپنے کام کی کرتے ہیں تو یہ مختلف جماعتیں اپنے اپنے نظام میں الگ رہتے ہوئے بھی اسلام کی ایک عظیم الشان طاقت بن سکتی ہیں اور تقسیم عمل کے ذریعہ اکثر دینی ضرورتوں کو پورا کر سکتی ہیں۔

مگر عموماً یہ ہو رہا ہے کہ ہر جماعت نے جو اپنے سعی و عمل کا ایک دائرہ اور نظام عمل

بنایا ہے عملی طور پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدمت دین کو اسی میں منحصر سمجھ رہے ہیں، گو زبان سے نہ کہیں، دوسری جماعتوں سے اگر جنگ و جدل بھی نہیں تو بے قدری ضرور دیکھی جاتی ہے اس کے نتیجہ میں ان جماعتوں میں بھی ایک قسم کا تشتت پایا جاتا ہے، غور کرنے سے اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقصد سب کا اگر چہ دین کی اشاعت، حفاظت اور مسلمانوں کی علمی، عملی، اخلاقی اصلاح ہی ہے لیکن اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے کسی نے ایک دار العلوم قائم کر کے تعلیمِ دین کی اہم خدمت انجام دی، کسی نے ایک تبلیغی جماعت بنا کر رشد و ہدایت کا فرض ادا کیا، کسی نے کوئی انجمن بنا کر احکام دین کی نشر و اشاعت کا تحریری انتظام کیا، کسی نے فتویٰ کے ذریعہ خلق خدا کو ضروری احکام بتانے کے لئے دار الافتاء قائم کیا کسی نے اسلام کے خلاف ملحدانہ تلبیسات کے جواب کے لئے تصنیفات کا یا ہفتہ واری ، ماہواری رسالہ اخبار کا سلسلہ جاری کیا، یہ سب کام اگر چہ صورت میں مختلف ہیں، مگر در حقیقت ایک مقصد کے اجزاء ہیں، ان مختلف محاذوں پر جو مختلف جماعتیں کام کریں گی یہ ضرور ہے کہ ہر ایک کا نظام عمل مختلف ہوگا اس لئے ہر جماعت نے بجا طور پر سہولت کے لئے اپنے اپنے مذاق اور ماحول کے مطابق ایک نظامِ عمل اور اس کے اصول و قواعد بنا رکھے ہیں اور ہر جماعت ان کی پابند ہے، یہ ظاہر ہے کہ اصل مقصد تو منصوص اور قطعی اور قرآن وسنت سے ثابت ہے اس سے انحراف کرنا قرآن وسنت کی حدود سے نکلنا ہے لیکن یہ اپنا بنایا ہوا نظام عمل اور اس کے تنظیمی اصول و قواعد نہ منصوص ہیں، نہ ان کا اتباع از روئے شرع ہر ایک کے لئے ضروری ہے بلکہ جماعت کے ذمہ داروں نے سہولت عمل کے لئے ان کو اختیار کر لیا ہے ان میں حسب ضرورت تبدیلیاں وہ خود بھی کرتے رہتے ہیں اور حالات اور ماحول بدلنے پر اس کو چھوڑ کر کوئی دوسرا نظام عمل بنا لینا بھی کسی کے نزدیک ناجائز یا مکروہ نہیں ہوتا۔ مگر اس میں علمی غلو تقریباً ہر جماعت میں یہ پایا جاتا ہے کہ اپنے مجوزہ نظام عمل کو مقصد منصوص کا درجہ دیدیا گیا، جو شخص اس نظامِ عمل میں شریک نہیں اگر چہ مقصد کا کتنا ہی

عظیم کام کر رہا ہو اس کو اپنا بھائی اپنا شریک کار نہیں سمجھا جاتا، اور اگر کوئی شخص اس نظام عمل میں شریک تھا پھر کسی وجہ سے اس میں شریک نہ رہا تو عملاً اسے اصل مقصد اور دین سے منحرف سمجھ لیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو دین سے انحراف کرنے والوں کے ساتھ ہونا چاہیے اگرچہ وہ اصل مقصد یعنی اقامت دین کی خدمت پہلے سے بھی زیادہ کرنے لگے اس غلو کے نتیجہ میں وہ ہی تحزب وتعصب اور گروہ بندی کی آفتیں اچھے خاصے دیندار لوگوں میں پیدا ہو جاتی ہیں جو جاہلی عصبتیوں میں مبتلا لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔

پیغمبرانہ دعوت کو نظر انداز کرنا

ہماری تبلیغ ودعوت اور اصلاحی کوششوں کو بے کار کرنے اور تفرقہ اور جنگ وجدل کی خلیج کو وسیع کرنے میں سب سے زیادہ دخل اس کو ہے کہ آج کل کے اہلِ زبان اور اہلِ قلم علماء نے عموماً دعوت واصلاح کے پیغمبرانہ طریقوں کو نظر انداز کر کے صحافیانہ زبان اور فقرے چست کرنے ہی کو بات میں وزن پیدا کرنے اور مؤثر بنانے کا ذریعہ سمجھ لیا ہے اور تجربے و مشاہدے سے واضح ہے کہ یہ ایک ایسا منحوس طریقہ ہے کہ اس سے خطا کار یا گمراہ کی اصلاح کی کبھی توقع نہیں رکھی جا سکتی یہ طریقہ کار ان کو ضد اور ہٹ دھرمی پر اور زیادہ مضبوط کر دیتا ہے اور اصلاح کے بجائے دلوں میں دشمنی کے بیج بوتا ہے اور عداوت کی آگ بھڑکاتا ہے۔

ہاں اپنے ہوا خواہوں اور معتقدین کے لئے کچھ دیر کا سامان تفریح ضرور ہو جاتا ہے اور ان کی دادِ سخن دینے سے لکھنے والے بھی کچھ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم نے دین کی بڑی اچھی خدمت کی ہے۔

لیکن جو لوگ اس مضمون کے مخاطب ہوتے ہیں ان کے دلوں سے پوچھئے کہ اگر کسی وقت ان کو اس بات کے حق ہونے کا یقین بھی ہو جائے تو یہ فقرہ بازی اور تمسخر واستہزاء کا طریق اس کو حق کی طرف آنے سے مانع نہیں بن جاتا؟ اور انہیں ہمیشہ کے لئے اس داعی

کا دشمن نہیں بنا دیتا ہے؟۔

پیغمبرانہ دعوت کے عناصرِ اربعہ

اس کے بالمقابل اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور پیغمبروں کی دعوت کا طریقہ ملاحظہ فرمایا جائے تو اس کے الفاظ سادہ مگر عام انسانی ہمدردی سے لبریز اور نرم ہوتے ہیں وہ مخالفین کی سخت ترین بدکلامی سن کر بھی جواب سادہ اور نرم دیتے ہیں فقرے نہیں کستے دل میں ہمدردی کا جذبہ ہوتا ہے کہ کسی طرح یہ حق بات قبول کرلے اس کے لئے حکمت کے ساتھ تدبیریں کرتے ہیں۔

پیغمبرانہ دعوت کی روح قرآن کے ایک لفظ نـذیـر سے سمجھی جاسکتی ہے جو ہر پیغمبر کے لئے قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔

قرآن کریم میں جا بجا ان کو بشیر و نذیر کہا گیا ہے۔ لفظ نـــذیـــر کا ترجمہ اردو میں ڈرانے والے کا کیا جاتا ہے مگر ڈرانے کا لفظ نذیر کا پورا مفہوم ادا نہیں کرتا، اردو زبان کی تنگی کی وجہ سے اس ترجمہ کو اختیار کرلیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈرانے کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں چور، ڈاکو کا بھی ڈرانا ہوتا ہے درندہ اور دشمن کا بھی ڈرانا ہے اور ایک شفیق باپ بھی اپنے بچہ کو بچھو، سانپ، زہر اور آگ سے ڈراتا ہے پہلی قسم نری تخویف ہے نذارت و انذار نہیں، چور، ڈاکو یا دشمن اور درندہ کو نذیر نہیں کہا جائے گا اور دوسری قسم جو مہربان باپ کی طرف سے ہے وہ ڈرانا شفقت و ہمدردی کی بناء پر ہے، مضر اور تکلیف دہ چیزوں سے ڈرانے والے کو نذیر کہا جاتا ہے، انبیاء علیہم السلام کے لئے نذیر کا لفظ استعمال فرما کر ان کی تبلیغ و تعلیم کی روح کی طرف اشارہ کردیا گیا وہ صرف کوئی پیغام ہی نہیں پہنچاتے بلکہ حکمت اور ہمدردی اور خیر خواہی سے اس پیغام کو مؤثر بنانے اور مخاطب کو ہلاکت سے بچانے کی پوری تدبیر اور کوشش بھی کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں دعوتِ پیغمبرانہ کے جو اصول ایک آیت میں بیان کئے گئے ہیں، وہ

گویا اس لفظ نذیر کی شرح ہیں، ارشادِ ربّانی ہے:-

ادع الی سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن۔

اس میں دعوت الی اللہ کے آداب میں سب سے پہلے بالحکمۃ کو رکھا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ داعی کا کام صرف ایک پیغام وکلام کو لوگوں کے کانوں میں ڈال دینا نہیں بلکہ حکمت وتدبیر سے مناسب وقت مناسب ماحول دیکھ کر ایسے عنوان سے پہنچانا ہے کہ مخاطب کے لئے قبول کرنا آسان ہو جائے۔

دوسری چیز موعظہ ہے جس کے معنی کسی ہمدردی وخیر خواہی کے ساتھ نیک کام کی طرف بلانے کے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ داعی کے لئے ضروری ہے کہ جو کلام کرے ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ سے کرے۔

تیسری چیز موعظت کے ساتھ حسنہ کی قید ہے اس میں اشارہ عنوان کو نرم اور دلنشیں بنانا ہے کیونکہ بعض اوقات خالص ہمدردی اور خیر خواہی سے کسی کو اس کی بھلائی کی طرف بلایا جاتا ہے مگر عنوان اور لب ولہجہ دلخراش ہوتا ہے تو وہ دعوت بھی مؤثر نہیں ہوتی۔ اس لئے موعظۃ کے ساتھ حسنۃ کی قید لگائی گئی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اس آیت نے دعوتِ پیغمبرانہ کے آداب میں تین چیزوں کو ضروری قرار دیا۔ اول حکمت وتدبّر اس کام کے لئے دعوت بیکار نہ ہو جائے مؤثر ہو، دوسرے ہمدردی وخیر خواہی سے نیک کام کی دعوت، تیسرے اس دعوت کا عنوان اور لب ولہجہ نرم وقابل قبول ہو۔

آخر میں ایک چوتھی چیز یہ بتائی گئی کہ اگر دعوت کو ان آداب کے ساتھ پیش کرنے پر بھی قبول نہ کیا جائے اور نوبت مجادلہ ہی کی آجائے تو پھر عامیانہ انداز کا مجادلہ نہ ہونا چاہیے بلکہ بالّتی ھی احسن یعنی اچھے طریقے پر ہونا چاہیے۔ ابن کثیرؒ نے اس کی تفسیر میں فرمایا: ”برفق ولین و حسن خطاب“ یعنی مجادلہ بھی نرمی، خیر خواہی اور حسن خطاب

کے ساتھ ہونا چاہیے اور تفسیر مظہری میں فرمایا کہ **مجادلة بالّتی هی احسن** یہ ہے کہ اس میں اپنا غصہ اتارنا یا اپنے نفس کی بڑائی پیش نظر نہ ہو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کلمہء حق بلند کرنے کے لئے ہو، اور مجادلہ **بالّتی هی احسن** صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ غیر مسلموں سے مجادلہ کی نوبت آئے تو اس میں بھی انبیاء علیہم السلام کو اسی کی ہدایت کی گئی ہے، ایک آیت میں ارشاد ہے:

ولا تجادلوا اهل الکتاب الا بالّتی هی احسن

یعنی کفار اہل کتاب سے مجادلہ کی نوبت آئے تو وہ بھی **بالّتی هی احسن** یعنی نرمی، خیر خواہی اور حسن خطاب کے ساتھ ہونا چاہئے۔

انبیاء علیہم السّلام کا اسوۂ حسنہ

انبیاء علیہم السلام کے دعوت واصلاح کے واقعات جو قرآن وحدیث میں بے شمار آئے ہوئے ہیں ان میں سے ایک ایک کو دیکھئے تو پوری عمر کی کوششوں کو اسی انداز پر پائیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام سو پچاس نہیں بلکہ نو سو برس تک جس قوم کو دعوت دیتے رہے اور ہمدردی اور خیر خواہی سے سمجھاتے رہے اس کے باوجود جب ان کی قوم نے سختی اور بے تہذیبی کا معاملہ کیا ان کو بے وقوف بتایا تو آپ کو معلوم ہے کہ اس رسول مقبول علیہ السلام نے کیا جواب دیا؟۔

یقوم لیس بی سفاهة ولکنی رسول من رب العلمین۔

میرے بھائیو مجھ میں کوئی بیوقوفی نہیں بلکہ میں رب العٰلمین کی طرف سے رسول بنا کر تمہاری بھلائی کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

سرورِ کائنات ہمارے رسول اکرم ﷺ کی پوری زندگی کے واقعات اسی طرز کے شاہد ہیں ہر طرح کی ایذائیں سہنے کے بعد بھی ظالموں سے انتقام لینے کا تو ذکر ہی کیا ہے ان کے لئے بھی دعائے خیر کی جاتی۔

اهـدقـومـي انهـم لايعلمون جن حضرات علماء کووراثت انبیاء کا کچھ حصہ ملا ہے۔ ان سب کا بھی دعوت وتبلیغ میں یہی حال رہا ہے۔ آخری دور میں حضرت سیّد اسماعیل شہیدؒ کا واقعہ ہے کہ دہلی کی جامع مسجد سے وعظ کر کے باہر آرہے تھے مسجد کی سیڑھیوں پر چند غنڈوں نے راستہ روکا اور کہا ہم نے سنا ہے کہ آپ حرامی ہیں، مولانا نے نہایت طمانیت سے فرمایا کہ بھائی! آپ کو غلط خبر ملی ہے میری والدہ کے نکاح کے گواہ اب تک زندہ موجود ہیں۔

وہ جانتے تھے کہ ان کا مقصد صرف گالی دینا اور ایذا پہنچانا ہے، مگر وارث انبیاء کا جو کام ہونا چاہیے وہ کیا کہ ان کی گالی کو ایک مسئلہ بنا کر بات ختم کر دی۔

طریقِ نبوّت اور ہم

حقیقت یہ ہے کہ دعوت واصلاح کا کام انبیاء یا ان کے وارث ہی کر سکتے ہیں جو قدم قدم پر اپنا خون پیتے ہیں اور دشمن کی خیر خواہی اور ہمدردی میں لگے رہتے ہیں، ان کی رفتار و گفتار میں کسی مخالف پر طعن وتشنیع کا شائبہ نہیں ہوتا، وہ مخالف کے جواب میں فقرے چست کرنے کی فکر نہیں کرتے، وہ ان پر الزام تراشی کا پہلو اختیار نہیں کرتے، اسی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ چند روز کی مخالفتوں کے بعد بڑے بڑے سرکشوں کو ان کے سامنے جھکنا پڑتا ہے، ان کی بات کو ماننا پڑتا ہے، آج افسوس یہ ہے کہ ہم اسوۂ انبیاء سے اتنی دور جا پڑے کہ ہمارے کلام و تحریر میں ان کی کسی بات کا رنگ نہ رہا۔

آج کل کے مبلّغ ومصلح کا کمال یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ مخالف پر طرح طرح کے الزام لگا کر اس کو رسوا کرے اور فقرے ایسے چست کرے کہ سننے والا دل کو پکڑ کر رہ جائے، اسی کا نام آج کی زبان میں زبان دانی اور اردو ادب ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ط۔

اللہ تعالیٰ تو اپنے انبیاء کو جب مقام دعوت پر کھڑا کرتے ہیں تو موسیٰ و ہارون علیہما السلام جیسے اولوالعزم پیغمبروں کو فرعون جیسے سرکش کافر کی طرف بھیجنے کے وقت یہ ہدایت

نامہ دے کر بھیجتے ہیں۔

قُوْلَا لَه قولًا لينًا لعلّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْيَخْشٰى

''فرعون سے بات نرم کرو، شاید وہ راستہ پر آجائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے''۔

آج ہمارے علماء اور مصلحین و مبلغین میں کوئی حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے زیادہ ہادی اور رہبر نہیں ہوسکتا اور ان کے مخاطب فرعون سے زیادہ گمراہ نہیں ہوسکتے تو ان کے لئے کیسے روا ہوگیا کہ جس سے ان کا کسی رائے میں اختلاف ہوجائے تو اس کی پگڑی اچھالیں اور ٹانگ کھینچنے کی فکر میں لگ جائیں اور استہزاء و تمسخر کے ساتھ اس پر فقرے چست کریں اور پھر دل میں خوش ہوں کہ ہم نے دین کی بڑی خدمت انجام دی ہے اور لوگوں سے اس کے متوقع رہیں کہ ہماری خدمات کو سراہیں اور قبول کریں۔

میری نظر میں اس وقت یہ تین اسباب ہیں جو مسلمانوں کا شیرازہ بندھنے نہیں دیتے۔ ہر اجتماع کے نتیجہ میں افتراق اور ہر تنظیم کے نتیجہ میں تفریق، ہر اصلاح کے نتیجہ میں فساد اور ہر دعوت کے نتیجہ میں نفرت ہمارے سامنے آتی ہے۔ کاش ہم ملکر سوچیں اور دوسروں کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح کی فکر کریں، کیونکہ اصل مرض یہی ہے کہ حبِّ مال و جاہ، حسد و بغض کی نجاستوں سے اپنے قلوب پاک نہیں ہمیں اس پر بڑا ناز ہے کہ ہم چوری، رشوت، سود، شراب، رقص و سرور اور سینما سے پرہیز کرتے ہیں اور نماز روزے کے پابند ہیں لیکن خطرہ یہ ہے کہ کہیں ہماری یہ نماز، روزہ کی پابندی اور سود، شراب، رقص و سرور سے پرہیز کہیں ایسا تو نہیں کہ صرف اپنی مولوی گری کے پیشہ کی خاطر ہو کیونکہ اس پیشہ میں ان چیزوں کی کھپت نہیں ورنہ اگر ہم ان چیزوں سے خالص خوف خُدا کی بنا پر بچے ہوتے تو حبِّ مال و جاہ، حسد و بغض، کبر و ریا سے بھی بچے ہوتے کیونکہ ان کی نجاست کچھ سود و شراب سے کم نہیں، مگر یہ باطنی گناہ ہمارے جبّے اور عمامے کے ساتھ جمع ہوسکتے ہیں اس لئے ان کی پرواہ نہیں ہوتی، اور یہی وہ چیزیں ہیں جو دراصل سارے تفرقوں کی بنیاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ

ہمیں ان سب آفتوں سے بچنے کی توفیق کامل عطا فرمائے تاکہ یک دل ہوکر دعوت واصلاح کا کام پیغمبرانہ جذبہ اور پیغمبرانہ آداب کے ساتھ لے کر کھڑے ہوجائیں۔

خلاصۂ کلام

اہلِ نظر وفکر سے یہ بات مخفی نہیں کہ اس وقت دنیا کے ہر خطہ اور ہر ملک میں مسلمان جن مصائب اور آفات میں مبتلا ہیں ان کا سب سے بڑا سبب آپس کا تفرقہ اور خانہ جنگی ہے ورنہ عددی اکثریت اور مادی اسباب کے اعتبار سے پوری تاریخ اسلام میں کسی وقت بھی مسلمانوں کو اتنی عظیم طاقت حاصل نہیں تھی جتنی آج ہے۔

اور اس تفرقہ کے اسباب پر جب غور کیا جاتا ہے تو اس کا سبب خدا اور آخرت سے غفلت اور دوسری قوموں کی طرح صرف دنیا کی چند روزہ مال و دولت اور عزت و جاہ کی ہوس بے لگام ہے، جو ہمارے معاشرہ میں کبھی سیاسی اقتدار کے لئے کشمکش، تجارتی اور صنعتی ریس، عہدوں اور منصوبوں کی خاطر باہمی تصادم کی صورت میں ہمارے معاشرہ کو پارہ پارہ کرتی ہے اور کبھی مذہبی اور دینی نظریات کی آڑ اور مختلف نظاموں کے روپ میں ہمیں ایک دوسرے کے خلاف اہانت واستہزاء کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ وگرنہ اگر اجتہادی نظریات کے باہمی اختلاف کے باوجود صحابہ وتابعین کی طرح ہماری جنگ کا رُخ صرف کفر اور الحاد اور بے دینی کی طرف ہوجائے اور اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مختلف جماعتیں ایک صف اور ایک بنیانِ مرصوص نظر آئیں۔

ذمہ دار علماء سے دردمندانہ گذارش

سیاسی اور اقتصادی میدان اور اعزاز ومنصب کی دوڑ میں بے اعتدالیوں کی روک تھام تو سردست ہمارے بس میں نہیں لیکن خود دین و مذہب کے لئے کام کرنے والی جماعتوں کے نظریاتی اور نظامی اختلافات اشتراکِ مقصد کی خاطر معتدل کئے جاسکتے ہیں اگر ہم اسلام کے بنیادی اصول کی حفاظت اور الحاد و بے دینی کے سیلاب کی مدافعت کے

اہم مقصد کو صحیح معنی میں مقصد اصلی سمجھ لیں تو یہ وہ نقطہء وحدت ہے کہ جس پر مسلمانوں کے سارے فرقے ساری جماعتیں جمع ہوکر کام کرسکتی ہیں اور اسی وقت اس سیلاب کے مقابلہ میں کوئی مؤثر اقدام انجام پاسکتا ہے۔

لیکن حالات کا جائزہ یہ بتاتا ہے کہ یہ مقصد اصلی ہی ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا ہے اسلئے ہماری ساری توانائی اور علم وتحقیق کا زور آپس کے اختلافی مسائل پر صرف ہوتا ہے ،وہی ہمارے وعظوں، جلسوں، رسالوں اور اخباروں کا موضوع بحث بنتے ہیں، ہمارے اس عمل سے عوام یہ سمجھنے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ دین اسلام صرف ان دو چیزوں کا نام ہے اور جس رخ کو انہوں نے اختیار کرلیا ہے اس کے خلاف کو گمراہی اور اسلام دشمنی سے تعبیر کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں ہماری وہ طاقت جو کفر والحاد اور بے دینی اور معاشرہ میں بڑھتی ہوئی بے حیائی کے مقابلہ پر خرچ ہوتی آپس کی جنگ وجدل میں خرچ ہونے لگتی ہے اسلام وایمان ہمیں جس محاذ پر لڑنے اور قربانی دینے کے لئے پکارتا ہے وہ محاذ دشمنوں کی یلغار کے لئے خالی پڑا نظر آتا ہے، ہمارا معاشرہ سماجی برائیوں سے پُر ہے، اعمال واخلاق برباد ہیں معاملات ومعاہدات میں فریب ہے۔سود قمار بازی، شراب خنزیر، بے حیائی، بدکاری ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر چھاگئے ہیں ،سوال یہ ہے کہ انبیاء کے جائز وارث اور ملک وملت کے نگہبانوں کو آج بھی اپنے سے نظریاتی اختلاف رکھنے والوں پر جتنا غصہ آتا ہے اس سے آدھا بھی ان خدا کے باغیوں پر کیوں نہیں آتا؟، اور آپس کے نظریاتی اختلاف کے وقت جس جوشِ ایمانی کا اظہار ہوتا ہے وہ ایمان کے اس اہم محاذ پر کیوں ظاہر نہیں ہوتا؟، ہمارا زورِ زبان اور زورِ قلم جس شان سے اپنے اختلافی مسائل میں جہاد کرتا ہے اس کا کوئی حصہ سرحدات اور اصول ایمانی پر ہونے والی یلغار کے مقابلہ میں کیوں صرف نہیں ہوتا؟ مسلمانوں کو مرتد بنانے والی کوششوں کے بالمقابل ہم سب بنیانِ مرصوص کیوں نہیں بن جاتے۔

آخر ہم اس پر غور کیوں نہیں کرتے کہ بعثتِ انبیاء اور نزولِ قرآن کا وہ مقصدِ عظیم

جس نے دنیا میں انقلاب برپا کیا اور جس نے غیروں کو اپنا بنالیا جس نے اولادآدم کو بہیمیت سے نکال کر انسانیت سے سرفراز کیا اور جس نے ساری دنیا کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا، کیا وہ صرف یہی مسائل تھے جن میں ہم الجھ کر رہ گئے ہیں اور کیا دوسروں کو ہدایت پر لانے کا طریق اور پیغمبرانہ دعوت کا یہی عنوان تھا جو آج ہم نے اختیار کر رکھا ہے؟۔

أَلَمۡ يَأۡنِ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِكۡرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ ۔

کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل اللہ کے ذکر اور اس کے نازل کئے ہوئے حق کی طرف جھک جائیں۔

آخر وہ کونسا وقت آئے گا جب ہم اپنے نظریاتی اور نظامی مسائل سے ذرا آگے بڑھ کر اصول اسلام کی حفاظت اور بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح کو اپنا اصلی فرض سمجھیں گے ملک میں عیسائیت اور کمیونزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی خبر لیں گے۔قادیانیت کا انکارِ حدیث اور تحریفِ دین کے لئے قائم شدہ اداروں کا پیغمبرانہ دعوت و اصلاح کے ذریعے مقابلہ کریں۔

اور اگر ہم نے یہ نہ کیا اور محشر میں ہمارے ماویٰ اور ملجا رسول کریم ﷺ نے ہم سے یہ سوال فرمالیا کہ میری شریعت اور میرے دین پر یہ حملے ہو رہے تھے۔ اسلام کے نام پر کفر پھیلایا جارہا تھا۔ میری امت کو میرے دشمنوں کی امت بنانے کی کوشش مسلسل جاری تھی ۔قرآن وسنت کی کھلے طور پر تحریف کی جارہی تھی، خُدا اور رسول کی نافرمانی اعلانیہ کی جارہی تھی تم مدعیان علم کہاں تھے؟ تم نے اس کے مقابلہ پر کتنی محنت اور قربانی پیش کی؟ کتنے بھٹکے ہوئے لوگوں کو راستے پر لگایا؟ تو آج ہمیں سوچ لینا چاہیے کہ ہمارا کیا جواب ہوگا۔

راہِ عمل

اس لئے ملت کا درد اور اسلام و ایمان کے اصول و مقاصد پر نظر رکھنے والے

حضرات علماء سے میری دردمندانہ گذارش یہ ہے کہ مقصد کی اہمیت اور نزاکت کو سامنے رکھ کر سب سے پہلے تو اپنے دلوں میں اس کا عہد کریں کہ اپنی علمی و عملی صلاحیت اور زبان وقلم کے زور کو زیادہ سے زیادہ اس محاذ پر لگائیں گے جس کی حفاظت کے لئے قرآن وحدیث آپ کو بُلا رہے ہیں۔

(۱) علماء کرام! اس بات کا عہد بھی کیجئے اور فیصلہ بھی کہ اس کام کے لئے اپنے موجودہ مشاغل میں سے زیادہ سے زیادہ وقت نکالیں گے۔

(۲) دوسرے یہ کہ آپس کے نظریاتی اور اجتہادی اختلاف کو صرف اپنے اپنے حلقۂ درس اور تصنیف و تالیف اور فتویٰ تک محدود رکھیں گے۔ عوامی جلسوں، اخباروں اشتہاروں، باہمی مناظروں اور جھگڑوں کے ذریعہ ان کو نہ اچھالیں گے، ان حلقوں میں بھی پیغمبرانہ اصول دعوت واصلاح کے تابع دلخراش عنوان اور طعن وتشنیع استہزاء وتمسخر اور صحافیانہ فقرہ بازی سے گریز کریں گے۔

(۳) تیسرے یہ کہ معاشرہ میں پھیلی ہوئی بیماریوں کی اصلاح کے لئے دلنشین عنوان اور مشفقانہ لب ولہجہ کے ساتھ کام شروع کردیں گے۔

(۴) چوتھے یہ کہ الحاد و بے دینی اور تحریف قرآن وسنت کے مقابلہ کے لئے پیغمبرانہ اصول دعوت کے تحت حکیمانہ تدبیروں، مشفقانہ وناصحانہ بیانوں اور دلنشیں دلائل کے ذریعہ مجادلہ **بالتی ھی احسن** کے ساتھ اپنے زورِ زبان اور زورِ قلم کو وقف کردیں گے۔

میں جو کچھ کہہ گیا ہوں افسوس کہ نہ میرا منصب تھا نہ علماء کرام کے سامنے مجھے ایسی جرأت کرنا چاہیے تھی مگر دکھے دل کے کچھ کلمات ہیں جو زبان پر آ گئے۔ میرے محترم بزرگ مجھے معاف فرمائیں اور اگر ان باتوں میں کوئی مفید پہلو ہے تو وہ خود ان کا اپنا کام ہے اس کو اختیار فرمائیں۔ مجھے امید ہے کہ اگر حضرات علماء اس طرف متوجہ ہو گئے اور کام شروع کیا تو

اللہ تعالیٰ کا وعدہ:

ان تنصرو اللّٰہ ینصر کم۔

یعنی اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا، آنکھوں سے پورا ہوتا ہوا مشاہدہ کریں گے۔

ان اُرید الا الاصلاح مااستطعت وما توفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت والیہ انیب

بندۂ ناکارہ

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۸۳ھ

اختلافِ اُمّت پر ایک نظر

اور مسلمانوں کے لئے راہِ عمل

تاریخ تالیف ــــــــــ جمادی الثانی ۱۳۸۲ھ (مطابق اکتوبر ۱۹۶۳ء)

مقامِ تالیف ــــــــــ کراچی

حکیم محمد سعید صاحب مرحوم نے لاہور میں ''ایک شام عالم دین کے ساتھ'' کے نام سے ایک مجلس منعقد کی جس میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو مذکورہ موضوع پر بیان کی دعوت دی، حضرت مفتی صاحبؒ نے اختلاف امت کے اسباب اور اس کا علاج سہل انداز میں بیان فرمایا۔

ایک شام ایک عالمِ دین کے ساتھ

حکیم محمد سعید دہلوی

حضراتِ کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مفتیٔ اعظم پاکستان، حضرت مولانا محمد شفیع صاحب محترم کی ذاتِ گرامی سے کون واقف نہیں۔ قیامِ پاکستان کی جدوجہد اور تعمیر پاکستان کی کوششوں میں ان کا شمار صف اول میں ہوتا ہے۔ مذہبیات اور اسلامیات میں حضرت کے مقام بلند سے سب واقف ہیں۔ بلاشبہ یہ ہماری انتہائی خوش بختی ہے کہ حضرت مفتی صاحب آج اس وقت ہمارے درمیان ہیں اور ہمیں آپ کے خیالاتِ عالیہ سے مستفیض ہونے کا موقع مل رہا ہے۔ شدید مصروفیات اور بہ کثرت مشاغلِ دینی کے علی الرغم حضرت مفتی صاحب نے ہماری درخواست کو شرف قبول عطا فرمایا اور ''ایک شام ایک عالم دین کے ساتھ''، کی اس مجلس کو رونق بخشی۔ اس کے لیے میں اپنی طرف سے اور آپ سب کی طرف سے بہ صمیم قلب ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

حضرات! اِس موقع پر آپ کی اجازت سے اور حضرت مفتی صاحب کی اجازت کے بغیر ان کی شخصیت کے بارے میں چند کلمات عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ گو اس سے حقیقی تعارف کا حق ادا نہ ہوگا، تاہم ایسی چیزوں کا اعادہ اکثر حالات میں سبق آموز ہوتا ہے اور شخصیت کو سمجھ لینے سے اس کی بات کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے!

حضرت مفتی صاحب شعبان ۱۳۱۴ہجری مطابق جنوری ۱۸۹۷ء کو مرکز علوم اسلامیہ دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے، گویا دار العلوم ہی میں آنکھ کھولی، یہیں عام علوم وفنون کی تعلیم وتربیت پائی، طب یونانی کی تعلیم بھی پوری حاصل کی، یہیں درس وفتویٰ

وتصنیف وتالیف کی خدمات بچپن سے بڑھاپے تک انجام دیں۔ ۱۳۳۷ھجری (۱۹۱۹ء) میں تحصیل علوم سے فارغ ہوکر دارالعلوم کے منصب درس پر فائز ہوئے اور ادنیٰ سے اعلیٰ تک تمام علوم وفنون کی کتابیں بڑی کامیابی کے ساتھ زیر درس رہیں۔ اس کے ساتھ تصنیف وتالیف، تقریر وتحریر، نظم ونثر کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ بہت سی مفید کتابیں شائع بھی ہوئیں۔ ۱۳۴۹ھجری (۱۹۳۱ء) میں ارکان دارالعلوم نے صدر مفتی کا منصب آپ کے سپرد کیا۔ دارالعلوم کو جو مرکزیت پورے عالم اسلام میں حاصل ہے، اس کی اہمیت کے ساتھ یہاں فتوی کی خدمت کوئی معمولی کام نہ تھا۔ بڑے بڑے علماء کے سوالات آتے اور اختلافی مسائل میں فیصلے کے طالب ہوتے تھے، مگر تائید ربانی سے یہ کام بھی بڑی کام یابی کے ساتھ انجام دیا۔

اس کام میں بڑی کامیابی آپ کے شیخ مرشد حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم کی مخصوص اعانت وتوجہ سے ہوئی۔ مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع فرماتے، یہاں تک کہ حضرت قدس سرہٗ بھی آپ کے فتاویٰ پر اعتماد فرماتے اور اہم مسائل میں ان کو شریک مشورہ فرماتے تھے۔ عائلی مسائل کے متعلق اہم کتاب ''حیلہ ناجزہ'' کی تصنیف میں حضرتؒ نے مفتی صاحب کو برابر شریک رکھا اور آخر کتاب میں اس کا ذکر بھی فرمایا۔ دوسرے اہم مسائل میں بھی حضرت مفتی صاحب کی تحریریں حضرتؒ نے امداد الفتاویٰ میں شامل فرمائیں۔

آخر عمر میں احکام القرآن کی تصنیف کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کام کا بھی ایک بڑا حصہ حضرت مفتی صاحب کے سپرد فرمایا، جو حضرت مفتی صاحب کی ایک اہم تصنیف (عربی زبان میں) ہے، مگر ابھی تک اس کی اشاعت کا انتظام نہیں ہوسکا۔

(بحمد اللہ! اب حضرت کی یہ کتاب ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی سے شائع ہوچکی ہے)

یہاں یہ بات خصوصیت سے قابل ذکر ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے شروع میں

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت استرشاد کی تھی۔ ان کی وفات کے بعد ۱۳۴۶ ہجری سے حضرت حکیم الامۃ تھانوی قدس سرہٗ سے رجوع اور ان کی خدمت وصحبت سے استفادے کا سلسلہ جاری ہوا اور ۱۳۴۹ ہجری میں حکیم الامۃ قدس سرہٗ نے آپ کو اجازتِ بیعت عطا فرمائی۔ اس طرح علومِ ظاہرہ کی تکمیل دار العلوم دیوبند میں اور تزکیۂ اخلاق وتصوّف کی تعلیم خانقاہ تھانہ بھون میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

دار العلوم کراچی میں فتویٰ کے ساتھ حدیث کی اعلیٰ کتابوں کا درس بھی جاری رہا۔ تقریباً چالیس ہزار فتاویٰ موصوف کے قلم سے نکل کر عالمِ اسلام میں پھیلے جس کا ایک چھوٹا سا حصّہ کتابی صورت میں فتاویٰ دار العلوم دیوبند کے نام سے آٹھ جلدوں میں شائع بھی ہو چکا ہے۔

۱۳۶۲ ہجری (۱۹۴۴ء) میں جب کہ مشترکہ ہندوستان میں تحریکِ پاکستان قوت سے اٹھی، اس وقت اپنے استاذ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ دار العلوم سے استعفیٰ دے کر پوری توجہ بناءِ پاکستان کی تحریک میں صرف کی۔ مستقل رسائل اور اخباری بیانات اور فتاویٰ کے علاوہ پورے ملک کا دورۂ تحریکِ پاکستان کے لیے مسلمانوں کو آمادہ کرنے کے واسطے کیا۔ سابق صوبہ سرحد کے ریفرنڈم اور پاکستان کی کامیابی میں بڑا دخل حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ اور مفتی صاحب کی کوششوں کا ہے، ورنہ اس صوبے کے بیشتر علما کانگریس کے حامی اور تقسیم ملک کے مخالف تھے۔ پاکستان بن جانے کے بعد کراچی کے علما اور معززین شہر نے اس کی ضرورت محسوس کی کہ دستور پاکستان کا ایک خاکہ خالص اسلامی بنیادوں پر مرتب ہو جائے، تو اس کے لیے بہ مشورہ شیخ الاسلام مولانا عثمانی صاحبؒ، حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ ڈاکٹر حمید اللہ، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے اسمائے گرامی تجویز ہوئے کہ ان کو اس کام کے لیے پاکستان بلایا جائے۔ اسی تحریک پر مئی ۱۹۴۸ء میں مفتی صاحب کراچی پہنچے اور پھر یہیں مستقل کام کا ارادہ کیا، یہ دستوری خاکہ سب نے مل کر تیار کیا، پھر اسی سال دستور اسمبلی نے کام شروع کیا

تو اس میں ایک مشاورتی بورڈ علماء کا مقرر کیا۔ اس بورڈ میں بھی حضرت مفتی صاحب ایک اہم رکن کی حیثیت سے آخر تک شامل رہے۔ حکومت کی طرف سے پہلا لاء کمیشن بنا اور زکوۃ کمیٹی بنی، ان سب میں مفتی صاحب کی شرکت خاص اہمیت سے رہی۔

۱۳۷۰ ہجری (۱۹۵۱ء) میں شہر کراچی میں ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی، جو اب تک مستقل ادارے کی صورت میں چل رہا ہے۔ ایک وسط شہر محلّہ نانک واڑہ میں، دوسرا شہر سے باہر کورنگی ٹاؤن میں۔ حضرت مفتی صاحب اس دارالعلوم کے بانی بھی ہیں اور مجلسِ انتظامیہ کے صدر بھی۔ اس کے ساتھ فتاویٰ کی بھاری ذمہ داری اور کچھ سلسلۂ درس بھی جاری ہے۔ دارالعلوم کراچی میں جو فتاوی اب تک درج رجسٹر ہو چکے ہیں، ان کی تعداد ستر ہزار سے زائد ہے۔ مستقل تصانیف اور مقالات اور زبانی تبلیغ و دعوت کا سلسلہ اس کے علاوہ ہے۔ دعا ہے کہ مسلمان ان کے علمی و عملی افادات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔

حضرات! جناب محترم مفتی صاحب کی آج کی تقریر کا موضوع ہے ''اختلافِ اُمّت پر ایک نظر اور مسلمانوں کے لیے راہِ عمل''، اِختلاف رائے انسان کی افتادِ طبع کے تابع ہوتا ہے، جس طرح انسانوں کے چہرے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اسی طرح ان کے طبائع میں بھی اختلاف ہے، گویا اختلاف رائے ایک فطری بات ہے اور فطرت نے کسی چیز کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا ہے۔ داعیٔ اسلام ﷺ نے اپنی امت کے اختلاف کو باعثِ رحمت قرار دیا۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے سارے فتنے اسی اختلاف کے جگائے ہوئے ہیں۔ یہی اختلاف جس کو رحمت کہا گیا ہے، اگر بر بنائے مخالفت ہو تو اتنی بڑی مصیبت اور زحمت بن جاتا ہے کہ بنی نوع انسان کے لیے اس سے بڑی مصیبت اور کوئی نہیں ہو سکتی، لہٰذا معلوم ہوا کہ اختلاف اور مخالفت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

خدا تعالے نے اس عالم کو اختلاف ہی سے زینت دی ہے، اس عالم کا سارا حسن و جمال اختلاف کا رہینِ منت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زیبائش اختلاف کا دوسرا نام ہے،

یہی نہیں بلکہ غور کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالم کی تخلیق اور کون وفساد کے سارے نظام کی بنا ہی اختلاف پر ہے۔ کائنات سرد وگرم تر وخشک اور جذب ودفع کا ایک کھیل ہے اور یہ ایک دوسرے سے مختلف ہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اگر اس اختلاف کی بنا توحید وتکوین پر ہو تو موجب تعمیر ہے، ورنہ موجب تخریب۔

مذہب اسلام توحید کا سب سے بڑا داعی ہے۔ اسلام کے ہر فکر وفعل میں خدا اقدرِ مشترک یا قدرِ مطلق کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ کثرت میں وحدت کے مشاہدے کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ ساری کثرت، وحدت کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ اگر ہمارا اختلاف اس ہم آہنگی کا مظہر نہ ہو بلکہ اس سے منحرف ہو تو وہ اختلاف نہیں بلکہ نفاق ہے، وہ اختلاف محمود ہے، جس کا مقصد ومنشا یک جہتی کو قائم رکھنا اور انحراف سے بچنا ہو، ورنہ مذموم، وہ اختلاف یقیناً باعث برکت ورحمت ہے جو انسانوں کو حق پر جمع کرے اور ناحق سے روکے، ایسا اختلاف درحقیقت اتفاق کا موجب ہے۔

جو شخص اس لیے اختلاف کرتا ہے کہ اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کرے وہ دراصل اختلاف نہیں کرتا، مخالفت وانحراف کرتا ہے۔

اسلام نے باطل سے اختلاف کو بڑی اہمیت دی ہے اور خطرے کے وقت باطل سے اختلاف کو افضل الجہاد قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ:

''جابر حاکم کے سامنے سچ بات کہہ دینا سب سے بڑا جہاد ہے''۔

اسلام نے دوسروں سے اختلاف پر ہی زور نہیں دیا ہے بلکہ خود اپنے نفس کو بری باتوں سے، یعنی ایسی باتوں سے کہ جو خدا سے ہم آہنگی واتحاد میں حائل ہوں روکنے کو جہادِ اکبر کہا ہے۔

اس قسم کے مسائل پر سیر حاصل گفتگو کرنا حضرت مفتی صاحب کا منصب ہے۔ حضرت ہی اپنے آج کے دلچسپ اور وقت کے لحاظ سے نہایت ضروری موضوع پر عالمانہ

تبصرہ فرمانے کے اہل ہیں اور خصوصیت کے ساتھ اسلام کے داخلی اختلاف پر گفتگو کرنے کا حق قطعی طور پر حضرت مفتی صاحب قبلہ جیسے متبحر عالم ہی کو پہنچتا ہے۔

اب میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قبلہ کی خدمت میں بڑے اَدب سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ حاضرین کو اپنے خیالاتِ عالیہ سے مستفیض فرمائیں۔

اختلافِ اُمت پر ایک نظر اور مسلمانوں کے لیے راہِ عمل

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله و كفى و سلام على عباده الذين اصطفى

اس وقت میرے مقالے کا موضوع ''اختلافِ اُمت'' پر ایک نظر ہے، میں اس کو سیّدی حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہٗ کے ایک ارشاد سے شروع کرتا ہوں، جو آپ نے مالٹا کی چار سالہ جیل سے رہائی کے بعد دارالعلوم دیوبند میں علماء کے ایک مجمع کے سامنے فرمایا تھا۔

جو لوگ حضرتؒ سے واقف ہیں وہ اس سے بھی بے خبر نہیں ہیں کہ ان کی یہ قید و بند عام سیاسی لیڈروں کی قید نہ تھی۔ جنگ آزادی میں اس درویش کی ساری تحریکات صرف رضائے حق سبحانہ وتعالیٰ کے لیے امت کی صلاح وفلاح کے گرد گھومتی تھیں۔ مسافرت اور انتہائی بے کسی کے عالم میں گرفتاری کے وقت جملہ جو ان کی زبان مبارک پر آیا تھا، ان کے عزم اور مقصد کا پتہ دیتا ہے۔ فرمایا۔

الحمدللہ بمصیبتے گرفتارم نہ بمعصیتے

جیل کی تنہائیوں میں ایک روز بہت مغموم دیکھ کر بعض رفقاء نے کچھ تسلی کے الفاظ کہنا چاہے تو فرمایا:

''اس تکلیف کا کیا غم ہے جو ایک دن ختم ہو جانے والی ہے، غم اس کا ہے کہ یہ تکلیف و محنت اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول ہے یا نہیں''۔

مالٹا کی قید سے واپس آنے کے بعد ایک رات بعد عشاء دار العلوم میں تشریف فرما تھے، علما کا بڑا مجمع سامنے تھا اس وقت فرمایا کہ ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں، یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا کہ اس استاذ العلماء، درویش نے اسّی سال علماء کو درس دینے کے بعد آخر عمر میں جو سبق سیکھے ہیں وہ کیا ہیں۔ فرمایا کہ:

''میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی، اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے۔ بچوں کے لیے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی بستی میں قائم کیے جائیں، بڑوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے، اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے''۔

نباضِ امت نے ملّت مرحومہ کے مرض کی جو تشخیص اور تجویز فرمائی تھی، باقی ایامِ زندگی میں ضعف و علالت اور ہجومِ مشاغل کے باوجود اس کیلئے سعی پیہم فرمائی۔ بذاتِ خود درس قرآن شروع کرادیا، جس میں تمام علمائے شہر اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جیسے علماء بھی شریک ہوتے تھے، عوام بھی۔ اس ناکارہ کو اس درس میں شرکت کا شرف حاصل رہا ہے۔ مگر اس واقعے کے بعد حضرتؒ کی عمر ہی گنتی کے

چند ایام تھے۔

آن قدح بہ شکست وآں ساقی نماند

آج بھی مسلمان جن بلاؤں میں مبتلا اور جن حوادث وآفات سے دوچار ہیں اگر بصیرت سے کام لیا جائے تو ان سب سے بڑے سبب یہی دو ثابت ہوں گے۔قرآن کریم کو چھوڑنا اور آپس میں لڑنا۔غور کیا جائے تو یہ آپس کی لڑائی بھی قرآن کو چھوڑنے ہی کا لازمی نتیجہ ہیں۔قرآن پر کسی درجے میں بھی عمل ہوتا تو خانہ جنگی یہاں تک نہ پہنچتی۔

اختلاف رائے کچھ مذموم نہیں اگر اپنی حدود کے اندر ہو انسان کی فطرت میں اس کے پیدا کرنے والے نے عین حکمت کے مطابق ایک مادہ غصہ اور مدافعت کا بھی رکھا ہے اور وہ انسان کی بقاء وارتقاء کیلئے ضروری ہے ،مگر یہ مادہ دشمن کی مدافعت کیلئے رکھا گیا ہے۔اگر اس کا رخ دوسری طرف ہو جائے ،خواہ اس لیے کہ دشمن کے پہچاننے اور متعین کرنے میں غلطی ہوگئی ہو یا کسی دوسری وجہ سے۔بہر حال جب اس کا رخ بدلے گا تو یہ خود اپنی تباہی کا ذریعہ بنے گا۔اسی لیے قرآن کریم نے مومن کیلئے پوری وضاحت کے ساتھ اس کا رخ متعین فرما دیا ہے:

"إن الشيطان لكم عدو فاتخذوه عدوا"

"شیطان تمہارا دشمن ہے،اس کو ہمیشہ دشمن سمجھتے رہو"۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ مومن کے غصے اور لڑائی کا مصرفِ صحیح صرف شیطان اور شیطانی طاقتیں ہیں۔جب اس کی جنگ کا رخ اس طرف ہوتا ہے تو وہ جنگ قرآن کی اصطلاح میں جہاد کہلاتی ہے،جو عظیم عبادات میں سے ہے۔

حدیث میں فرمایا ہے:

"ذروة سنامه الجهاد"

یعنی اسلام میں سب سے اعلیٰ جہاد ہے۔

لیکن اگر اس جنگ کا رخ ذرا اس طرف سے ہٹا تو یہ جہاد کے بجائے فساد کہلاتی ہے، جس سے بچانے ہی کیلئے اللہ کے سارے رسول اور کتابیں آئی ہیں۔ شکل وصورت کے اعتبار سے جہاد اور فساد میں کوئی فرق نہیں ہوتا، وہ کانٹا جہاں سے یہ لائنیں بدلتی ہیں صرف یہ ہے کہ اس کا رخ شیطان اور شیطانی طاقتوں کی طرف ہے تو جہاد ہے ورنہ فساد۔ دوقومی نظریہ، جس نے پاکستان بنوایا اسی اجمال کی عملی تفصیل تھی کہ کلمہ اور اسلام کے ماننے والے ایک متحد قوم ہیں اور نہ ماننے والے دوسری قوم۔ ان کے جہاد کا رخ اس طرف ہونا چاہیے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے جہاد کے فرض ہونے کی ایک حکمت یہ بھی بیان فرمائی کہ جب قہر وغضب اور مدافعت کا مادہ، جو انسانی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے، جب جہاد کے ذریعے اپنا صحیح مصرف پالیتا ہے تو آپس کی خانہ جنگی اور فساد سے خود بخود نجات ہو جاتی ہے، ورنہ اس کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ جس چھت میں بارش کا پانی نکلنے کا راستہ پرنالوں کے ذریعے نہ بنایا جائے تو پھر یہ پانی چھت کو توڑ کر اندر آتا ہے۔

آج اگر غور کیا جائے تو پورے عالم اسلام پر یہی مثال صادق آرہی ہے۔ شیطان اور شیطانی تعلیم، کفر والحاد، خدا اور رسول سے بغاوت، فحاشی وعیاشی سے طبیعتیں مانوس ہو رہی ہیں۔ ان کی نفرت دلوں سے نکل چکی ہے، اس پر کسی کو غصہ نہیں آتا۔ انسانی رواداری، اخلاق، مروّت کا سارا زور کفر والحاد اور ظلم کی حمایت میں صرف ہوتا ہے۔ نفرت، بغاوت، عداوت کا میدان خود اپنے اعضاء وجوارح کی طرف ہے۔ آپس میں ذرا ذرا سی بات پر جھگڑا لڑائی ہے۔ چھوٹا سا نقطہ اختلاف ہو تو اسے بڑھا کر پہاڑ بنا دیا جاتا ہے۔ اخبارات ورسائل کی غذا یہی بن کر رہ گئی ہے۔ دونوں طرف سے اپنی پوری توانائی اس طرح صرف کی جاتی ہے کہ گویا جہاد ہو رہا ہے، دو متحارب طاقتیں لڑ رہی ہیں اور کوئی خدا کا بندہ ذرا اپنی طرف نظر کر کے نہیں دیکھتا کہ ؎

ظالم جو بہہ رہا ہے وہ تیرا ہی گھر نہ ہو

سیاستِ ممالک سے لیکر خاندانی اور گھریلو معاملات تک سب میں اسی کا مظاہرہ ہے۔ جہاں دیکھو "إنما المؤمنون إخوة" کا سبق پڑھنے والے آپس میں گتھم گتھا ہیں۔ قرآن حکیم نے جہاں عفوودرگزر، حلم وبردباری کی تعلیم کی تھی وہاں جنگ ہورہی ہے اور جس محاذ پر جہاد کی دعوت دی تھی وہ محاذ دشمنوں کی یلغار کے لیے خالی پڑا ہے۔ فإلى الله المشتكى وإنا لله وإنا إليه راجعون.

اسمبلیوں، کونسلوں، میونسپل بورڈوں کی نشست، حکومت کے عہدوں اور ملازمتوں کی دوڑ، صنعت وتجارت میں مقابلہ اور کمپٹیشن، جائدادوں اور زمینداریوں کی کش مکش جہاں خالص اپنے حقوق کی جنگ ہے، جس کو چھوڑ بیٹھنا سب کے نزدیک ایثار اور اعلیٰ خلاق کا ثبوت ہے۔ وہاں کوئی ایک انچ اپنی جگہ سے سرکنے کو تیار نہیں۔ دین ومذہب کے نام پر کام کرنے ولوں کی اول تو تعداد ہی کم ہے اور جو ہے وہ عموماً قرآن وسنت کی بنیادی تعلیمات سے اغماض کرکے جزوی اور فروعی مسائل میں الجھ کر رہ گئی ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ معرکہ جدال بنا ہوا ہے، جس کے پیچھے غیبت، جھوٹ، ایذائے مسلم، افتراء وبہتان، تمسخر واستہزا جیسے متفق علیہ کبیرہ گناہوں کی بھی پروانہیں کی جاتی۔ دین کے نام پر خدا کے گھروں میں جدال وقتال اور لڑائیاں ہیں۔ نوبت پولیس اور عدالتوں تک پہنچی ہوئی ہے۔

ان دینداروں کو خدا اور رسول پر استہزا کرنے والوں، شراب پینے والوں، سود اور رشوت کھانے والوں سے وہ نفرت نہیں، جو ان مسائل میں اختلاف رکھنے والوں سے ہے۔

کوئی خدا کا بندہ اس پر نظر نہیں کرتا کہ اس کے مثبت ومنفی دونوں پہلوؤں میں کوئی بھی کسی کے نزدیک ایسا نہیں جس کے لیے مسلمانوں سے جنگ کرنا جائز ہو، جس کے لیے دوسروں کی غیبت وبہتان، تذلیل وتحقیر روا ہو۔

اصلاحِ حال کی ایک غلط کوشش

ہمارے نوتعلیم یافتہ روشن خیال مصلحین کی توجہ جب اس باہمی اختلاف کے مہلک نتائج کی طرف جاتی ہے اور اس کے علاج کی فکر ہوتی ہے تو ان کے خیال میں ساری خرابیاں صرف ان اختلافات میں نظر آتی ہیں جو دین ومذہب کے نام پر سامنے آتے ہیں اور وہ صرف اسی اختلاف کو مٹانے کیلئے علاج سوچتے ہیں۔ وہ اس وقت ان سب لڑائیوں کو بھول جاتے ہیں جو خالص نفسانی اور ذاتی اغراض کیلئے لڑی جارہی ہیں جن کے لئے ایک دوسرے کی جان، آبرو اور مال سب کچھ حلال سمجھ لیا جاتا ہے، جس کے پیچھے پورے ملک میں باہمی منافرت کے سیلاب امنڈتے ہیں، مگر ان کو چونکہ نئی تعلیم نے تہذیب وشرافت کا نام دے دیا ہے، اس لیے نہ وہ قوم کیلئے کوئی مرض رہا، نہ اس کا علاج سوچنے کی ضرورت رہی۔ اختلاف ولڑائی میں صرف ملاّ بدنام ہے، اسی کا علاج زیرِغور رہتا ہے، حالانکہ دین ومذہب کے نام پر جو اختلافات ہیں، اگر غور کیا جائے تو ان کی خرابی صرف حدود سے تجاوز کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، ورنہ وہ کوئی برادری کا نوتہ نہیں بن سکتے۔ وہ اپنے ذاتی حقوق نہیں جنھیں ایثار کیا جاسکے بلکہ قرآن وسنت کی تعبیر کے اختلافات ہیں، جن کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔

ہمارے بعض روشن خیال مصلحین نے سارا فساد انہیں اختلافات میں منحصر سمجھ کر اس کا یہ علاج تجویز کیا کہ فرقہ وارانہ اختلافات کو ہٹا کر سب کا ایک نیا اور مشترکہ مذہب بنالیا جائے۔ پوری قوم کا وہی ایک مذہب ہو، تاکہ اختلاف کی بنیاد ہی ختم ہوجائے۔

مگر یہ بات مذہبی مسائل میں عقلاً صحیح ہے نہ عملاً ممکن، ہاں! خالص دنیوی معاملات جن میں جھگڑا ذاتی حقوق ہی کا ہو، وہاں اپنے اپنے مطالبات کو نظر انداز کر کے ایسی صلح کی جاسکتی ہے، اِس لیے باہمی جنگ وجدل کا علاج یہ نہیں کہ اختلاف رائے کو مٹا کر سب کو ایک نظریے کا پابند کردیا جائے۔

اختلاف رائے اور جھگڑے فساد میں فرق

اہل عقل وبصیرت پر مخفی نہیں کہ دینی اور دنیوی دونوں قسم کے معاملات میں بہت سے مسائل ایسے آتے ہیں جن میں رائیں مختلف ہوسکتی ہیں۔ان میں اختلاف کرنا عقل ودیانت کا عین مقتضی ہوتا ہے۔ان میں اتفاق صرف دوصورتوں سے ہوسکتا ہے، یا تو مجمع میں کوئی اہل بصیرت واہل رائے نہ ہو۔ایک نے کچھ کہہ دیا سب نے مان لیااور یا پھر جان بوجھ کرکسی کی رعایت ومروت سے اپنے ضمیراوراپنی رائے کے خلاف دوسرے کی بات پر صاد کردیا، ورنہ اگرعقل ودیانت دونوں موجود ہوں تو رائے کا اختلاف ضروری ہے اور یہ اختلاف کبھی کسی حال میں مضر بھی نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کے لیے بصیرت کا سامان مہیا کرتا ہے۔اسمبلیوں میں حزبِ اختلاف کو اِسی بنیاد پر ضروری سمجھا جاتا ہے۔

قرآن وسنت کے مجملات اور مبہمات کی تشریح وتعبیر میں اسی طرح کے اختلافات کو''رحمت'' کہا گیا ہے، جواسلام کے عہداول سے صحابہ وتابعین اور پھر ائمۂ مجتہدین میں چلے آئے ہیں۔ان مسائل مین جو اختلافات صحابہ کرام میں پیش آچکے ہیں ان کو مٹانے کے معنی اس کے سوانہیں ہوسکتے کہ صحابہ کرام کی کسی ایک جماعت کو باطل پر قرار دیا جائے ،جونصوص حدیث اور ارشاداتِ قرآنی کے بالکل خلاف ہے،اسی لیے حافظ شمس الدین ذہبی نے فرمایا ہے کہ جس مسئلے میں اختلاف صحابہ کرام کے درمیان ہو چکا ہے اس کو بالکل ختم کردینا ممکن نہیں۔

اسی کے ساتھ صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے دورکی وہ تاریخ بھی سامنے رکھنا ضروری ہے کہ تعبیر کتاب وسنت کے ماتحت جوان میں اختلاف رائے پیش آیا ہے اس پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسانہیں کہ اس نے جنگ وجدال کی صورت اختیار کی ہو۔باہمی اختلافِ مسائل کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا اور تمام برادرانہ تعلقات قائم رہنا اس پوری تاریخ کا اعلیٰ شاہکار ہے۔

سیاسی مسائل میں مشاجراتِ صحابہ کا فتنہ، تکوینی حکمتوں کے ماتحت پیش آیا، آپس میں تلواریں بھی چل گئیں، مگر عین اسی فتنہ کی ابتدا میں جب امامِ مظلوم حضرت عثمان غنیؓ باغیوں کے نرغے میں محصور تھے اور یہی باغی نمازوں میں امامت کرتے تھے تو امام مظلوم نے مسلمانوں کو ان کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی ہدایت فرمائی اور عام ضابطہ یہ بتا دیا کہ:

"اذا هم أحسنوا فأحسن معهم وإن هم أساوا فاجتنب إساء تهم"

"یعنی جب وہ لوگ کوئی نیک کام کریں اس میں ان کے ساتھ تعاون کرو اور جب کوئی برا اور غلط کام کریں اس سے اجتناب کرو"۔

اس ہدایت کے ذریعے اپنی جان پر کھیل کر مسلمانوں کو قرآنی ارشاد:

"وتعاونوا على البر والتقوى ولاتعاونوا على الاثم والعدوان" کی صحیح تفسیر بتادی اور باہمی انتشار وافتراق کا دروازہ بند کردیا۔

اور اسی فتنے کے آخر میں جب کہ حضرت علی اور معاویہ عنہما کے درمیان میدان جنگ گرم تھا۔ روم کی عیسائی سلطنت کی طرف سے موقع پاکر حضرت معاویہؓ کو اپنے ساتھ ملانے اور ان کی مدد کرنے کا پیغام ملا تو حضرت معاویہؓ کا جواب یہ تھا کہ ہمارے اختلاف سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ اگر تم نے مسلمانوں کی طرف رخ کیا تو علی کے لشکر کا پہلا سپاہی، جو تمہارے مقابلے کیلئے نکلے گا وہ معاویہ ہوگا۔ معلوم یہ ہوا کہ باہمی اختلاف جو منافقین کی گہری سازشوں سے تشدد کا رخ اختیار کر چکا تھا، اس میں بھی اسلام کے بنیادی حقائق کسی کی نظر سے اوجھل نہیں ہوئے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تعبیر کتاب وسنت کے ماتحت اختلاف رائے جو صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین میں رہا ہے تو بلاشبہ رحمت ہی ہے اس کا کوئی پہلو نہ مسلمانوں کیلئے مضر ثابت ہوا اور نہ آج ہوسکتا ہے، بشرطیکہ وہ انہیں حدود کے اندر رہے، جن میں ان حضرات نے رکھا تھا کہ ان کا اثر نماز، جماعت، امامت اور معاشرت کے کسی معاملے پر نہ پڑتا تھا۔

مذہب کے نام پر دوسرے اختلافات قرون اولیٰ کے بعد بدعت وسنت اور دوسرے عنوانات سے پیدا ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے قرآن وسنت کی تعبیر میں اصول صحیحہ کو چھوڑ کر ذاتی رایوں کو امام بنالیا اور نئے نئے مسائل پیدا کردئے۔ اختلافات بلاشبہ وہ تفریق وافتراق تھے، جن سے قرآن وسنت سے مسلمانوں کو ڈرایا گیا ہے، ان کے ختم یا کم کرنے کی کوشش بلاشبہ مفید تھی، مگر قرآن کریم نے اس کا بھی ایک خاص طریق بتادیا ہے، جس کے ذریعے تفریق کی خلیج کم ہوتی چلی جائے، بڑھنے نہ پائے۔ یہ وہ اصول دعوت الی الخیر ہیں، جن میں سب سے پہلے حکمت وتدبیر سے اور پھر خیر خواہی و ہمدردی اور نرم عنوان سے لوگوں کو قرآن وسنت کے صحیح مفہوم کی طرف بلاتا ہے اور آخر میں **مجادلہ باللتی ھی احسن** یعنی حجت ودلیل کے ساتھ افہام وتفہیم کی کوشش ہے۔

افسوس ہے کہ آج کل عام اہل علم اور مصلحین نے ان اصول کو نظر انداز کردیا۔ صرف جدال میں اور وہ بھی غیر مشروع انداز سے مشغول ہو گئے کہ اپنے حریف کا استہزا وتمسخر اس کو زیر کرنے کیلئے جھوٹے سچے، جائز ناجائز ہر طرح کے حربے استعمال کرنا اختیار کرلیا، جس کا لازمی نتیجہ جنگ وجدل اور جھگڑا فساد تھا۔

مذہب کے نام پر اختلافات کی خرابیوں کا وقتی علاج

آج جب کہ مسلمانوں کا تفرّق انتہا کو پہنچا ہوا ہے، اپنی مزعومات کے خلاف کوئی کسی کی بات ماننے، بلکہ سننے کیلئے بھی تیار نہیں اور کوئی ایسی قوت نہیں کہ کسی فریق کو مجبور کرسکے تو اس باہمی جنگ وجدال اور اس کے مہلک اثرات سے اسلام اور مسلمانوں کو بچانے کا صرف ایک راستہ ہے کہ فرقوں اور جماعتوں کے ذمے دار اس پر غور کریں کہ جن مسائل میں ہم جھگڑ رہے ہیں کیا وہی اسلام کے بنیادی مسائل ہیں، جن کیلئے قرآن نازل ہوا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ آپ نے اپنی زندگی ان کیلئے وقف کردی اور ان کے پیچھے ہر طرح کی قربانیاں دیں یا بنیادی مسائل اور قرآن اور اسلام کا اصلی مطالبہ

کچھ اور ہے جس ملک میں ایک طرف عیسائی مشنریاں اپنی پوری قوت اور دنیاوی چمک دمک کے ساتھ اس کو عیسائی ملک بنانے کے خواب دیکھ رہی ہیں۔ ایک طرف کھلے بندوں خدا اور رسول اور ان کی تعلیمات کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، ایک طرف قرآن اور اسلام کے نام پر وہ سب کچھ کیا جا رہا ہے، جس کو دنیا سے مٹانے ہی کیلئے قرآن اور اسلام آیا تھا۔ اس جگہ صرف فروعی مسائل اور ان کی تحقیق وتنقید اور ترویج کی کوششوں میں الجھ کر ان بنیادی مہمات سے غفلت برتنے والوں سے اگر اللہ تعالیٰ ورسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ مطالبہ ہو کہ ہمارے دین پر یہ افتادیں پڑ رہی تھیں، تم نے اس کیلئے کیا کیا؟ تو ہمارا کیا جواب ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی فرقہ، کوئی جماعت جب ذرا اپنے وقتی جھگڑوں سے بلند ہو کر اس کو سوچے گی تو اس کو اپنی موجودہ مصروفیات پر ندامت ہوگی اور اسکی کوشش کا رخ بدلے گا، اس کے نتیجے میں باہمی آمیزش یقیناً کم ہوگی۔ میں اس وقت کسی کو یہ نہیں کہتا کہ وہ اپنے خیالات ومزعومات کو بدلے۔

گزارش صرف اتنی ہے کہ اپنی توانائی صرف کرنے کا صحیح محل تلاش کر کے اس پر لگا دیں اور باہمی اختلافت کو صرف حلقۂ درس یا فتوی یا تحقیقی رسائل تک محدود کر دیں اور ان میں بھی لب ولہجہ قرآنی اصولِ دعوت کے مطابق نرم رکھیں۔ فقرے کسنے اور دوسرے کی توہین کرنے کو زہر سمجھیں۔ ہمارے پبلک جلسے، اخبارات، اشتہار بجائے باہمی آویزش کو ہوا دینے کے اسلام کے بنیادی اور متفق علیہ مسائل پر لگ جائیں تو پھر ہماری جنگ، جو فساد کی صورت اختیار کر چکی ہے، دوبارہ جہاد میں تبدیل ہو جائے گی اور اس کے نتیجے میں عوام کا رخ بھی باہمی جنگ وجدل سے پھر کر دین کی صحیح خدمت کی طرف ہو جائے گا۔

عوام کا ایک مغالطہ اور اس کا حل

بہت سے حضرات مسائل میں علما کے اختلافات سے پریشان ہو کر پوچھا کرتے ہیں کہ ہم کدھر جائیں، جس کی تہہ میں یہ پوشیدہ ہوتا ہے کہ اب ہم کسی کی نہ سنیں۔ سب سے آزاد

ہو کر جو سمجھ میں آئے، کیا کریں اور بظاہر ان کا یہ معصومانہ سوال حق بہ جانب نظر آتا ہے، لیکن ذرا غور فرمائیں تو ان کو اس کا جواب اپنے گردوپیش کے معاملات میں خود ہی مل جائے گا۔

ایک صاحب بیمار ہوئے، ڈاکٹروں یا حکیموں کی رایوں میں تشخیص وتجویز کے بارے میں اختلاف ہو گیا تو وہ کیا کرتے ہیں، یہی نا کہ وہ ان ڈاکٹروں، حکیموں کی تعلیمی ڈگریاں معلوم کر کے یا پھر ان کے مطب میں علاج کرانے والے مریضوں سے یا دوسرے اہل تجربہ سے دریافت کر کے اپنے علاج کیلئے کسی ایک ڈاکٹر کو متعین کر لیتے ہیں۔ اسی کی تشخیص وتجویز پر عمل کرتے ہیں، مگر دوسرے ڈاکٹروں، حکیموں کو برا بھلا کہتے نہیں پھرتے۔ یہاں کسی کا یہ خیال نہیں ہوتا کہ معالجوں میں اختلاف ہے تو سب کو چھوڑو، اپنی آزاد رائے سے جو چاہو کرو۔ کیا یہی طرزِ عمل علما کے اختلاف کے وقت نہیں کر سکتے۔

ایک مثال اور لیجئے!

آپ کو ایک مقدمہ عدالت میں دائر کرنا ہے۔ قانون جاننے والے وکلاء سے مشورہ کیا۔ ان میں اختلاف رائے ہوا کوئی آدمی یہ تجویز نہیں کرتا کہ مقدمہ دائر کرنا ہی چھوڑ بیٹھے یا پھر کسی وکیل کی نہ سنے خود اپنی رائے سے جو سمجھ میں آئے کر لے۔ بلکہ ہوتا یہی ہے مختلف طریقوں سے ہر شخص اتنی تحقیق کر لیتا ہے کہ ان میں کون سا وکیل اچھا جاننے والا اور قابل اعتماد ہے، اس کو اپنا وکیل بنا لیتا ہے اور دوسرے وکلا کو باوجود اختلاف کے دشمن نہیں سمجھتا، برا بھلا نہیں کہتا، اس سے لڑتا نہیں پھرتا۔

یہی فطری اور سہل اصول اختلافِ علماء کے وقت کیوں اختیار نہیں کیا جاتا۔ یہاں ایک بات یہ بھی سن لی جائے کہ بیماری اور مقدمے کے معاملات میں تو اگر آپ نے کسی غلط ڈاکٹر یا غیر معتمد وکیل پر اعتماد کر کے اپنا معاملہ اس کے حوالے کر دیا تو اس کا جو نقصان پہنچنا ہے وہ آپ کو ضرور پہنچے گا، مگر علما کے اختلاف میں اس نقصان کا بھی خطرہ نہیں۔ حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے اگر کسی عالم سے سوال کیا اور اس نے فتویٰ غلط دے دیا تو اس کا گناہ

سوال کرنے والے پرنہیں، بلکہ فتوی دینے والے پر ہے۔شرط یہ ہے کہ سوال اس شخص سے کیا گیا ہوجس کا عالم ہونا آپ نے ایسی ہی تحقیق وجستجو کے ذریعے معلوم کیا ہو جو اچھے معالج اوراچھے وکیل کی تلاش میں آپ کیا کرتے ہیں، اپنی مقدور بھر صحیح عالم کی تلاش وجستجو کرکے آپ نے ان کے قول پرعمل کرلیا تو آپ اللہ کے نزدیک بری ہوگئے۔اگراس نے غلط بھی بتادیا ہےتو آپ پراس کا کوئی نقصان یا الزام نہیں۔ہاں یہ نہ ہونا چاہیے کہ ڈاکٹر کی تلاش میں تو آپ اس کا ایم. بی. ایس ہونا بھی معلوم کریں اور یہ بھی کہ اس کے مطب میں کس طرح کے مریض زیادہ شفایاب ہوتے ہیں،مگر عالم کی تلاش میں صرف عمامے،کرتے اور داڑھی کویا زیادہ سے زیادہ جلسے میں کچھ بول لینے کو معیار بنالیں۔اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ اپنی ذمے داری سے بری نہیں۔اس نے جواب میں کوئی غلطی کی تو آپ بھی اس کے مجرم قرار پائیں گے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آج مذہب کے نام پر جو جنگ وجدال کا بازار گرم ہے،اس کے دورکن ہیں۔ایک ہرفرقہ اور جماعت کے علما دوسرے وہ عوام جو ان کے پیچھے چلنے والے ہیں۔

علماء اگر اپنی تحقیق وتنقید میں قرآنی اصول دعوت کے مطابق دوسروں کی تنقیص وتوہین سے پرہیز کرنے لگیں اوراسلام کے وہ بنیادی مسائل جن میں کسی فرقے کواختلاف نہیں،اور اسلام اور مسلمانوں پر جومصائب آج آرہے ہیں وہ سب انھیں مسائل سے متعلق ہیں،اپنی کوششوں اور محنتوں کا رخ اس طرف پھیر دیں۔اسی طرح عوام اپنی مقدور بھر پوری کوشش کرکے کسی صحیح عالم کا انتخاب کریں اور پھراس کے بتائے ہوئے طریقے پر چلتے رہیں۔دوسرے علمایا ان کے ماننے والوں سے لڑتے نہ پھریں تو بتایئے کہ اس میں کیا اشکال ہے۔سارے فرقے اوران کے اختلافات بدستور رہتے ہوئے بھی یہ باہمی جنگ وجدل ختم ہوسکتا ہے،جس نے آج مسلمانوں کوکسی کام کا نہیں چھوڑا۔صرف ذرا سی توجہ دینے اور دلانے اور طرزعمل بدلنے کی ضرورت ہے۔

کاش! میری یہ آواز ان بزرگوں اور دوستوں تک پہنچے، جو اس راہ میں کچھ کام کرسکتے ہیں اور محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر اس ہمدردانہ دعوت کیلئے کھڑے ہوجائیں تو امت کی بہت سی مشکلات حل ہوجائیں اور ہمارا پورا معاشرہ جن مہلک خرابیوں کے غار میں جاچکا ہے، ان سے نجات مل جائے۔

عام سیاسی اور شخصی جھگڑوں کا علاج

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ مذہبی معاملات میں جس شخص نے کوئی خاص رخ اختیار کررکھا ہے، وہ اسی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتلقین سمجھ کر اختیار کیے ہوئے ہے، خواہ وہ حقیقت کے اعتبار سے بالکل غلط ہی ہو، مگر اس کا نظریہ کم ازکم یہی ہے کہ وہ اللہ کا دین ہے۔

ان حالات میں اس کو ہمدردی اور نرمی سے اپنی جگہ افہام وتفہیم کی کوشش تو بجائے خود جاری رہنا چاہئے لیکن جب تک اس کا نظریہ نہ بدلے اس کو یہ دعوت نہیں دی جاسکتی کہ تم ایثار کرکے اپنا نظریہ چھوڑ دو اور صلح کرلو، ان سے تو صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ اختلافِ رائے کو اپنی حدود کے اندر رکھیں اور افہام وتفہیم، قرآنی اصولِ حکمت، موعظت ،مجادلة بالّتی هی أحسن کو نظرانداز نہ کریں، مگر جن معاملات کا تعلق صرف شخصی اور ذاتی حقوق اور خواہشات سے ہے، وہاں یہ معاملہ سہل ہے کہ جھگڑے سے بچنے کیلئے دوسرے کے واسطے اپنی جگہ چھوڑ دے، اپنے حق سے دست بردار ہوجائے اور جو شخص ایسا کرے دنیا میں بھی اس کی عزت کو چار چاند لگ جاتے ہیں اور جس مقصد کو چھوڑا ہے وہ دوسرے راستے سے حاصل ہوجاتا ہے اور آخرت میں تو اس کیلئے ایک عظیم الشان بشارت ہے، جس کا بدل پوری دنیا اور دنیا کی ساری حکومتیں اور ثروتیں بھی نہیں ہوسکتی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" أنا زعيم ببيت في ربض الجنة لمن ترك المراء وهو محق "

''میں ضامن ہوں اس شخص کو وسط جنت میں مکان دلانے کا جس نے حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دیا''۔

میں آخر میں پھر اپنے پہلے جملے کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ ہماری خرابیوں کی بنیاد قرآن کو چھوڑنا اور آپس میں لڑنا ہے اور یہ آپس کی لڑائی بھی درحقیقت قرآنی تعلیمات سے ناواقفیت یا غفلت ہی کا نتیجہ ہے۔ گروہی تعصّبات نے یہ حقائق نظروں سے اوجھل کر رکھے ہیں۔

دنیا میں اگرچہ صالحین کی قلت ضرور ہے۔ مگر گم نہیں۔ افسوس ہے کہ ایسے مصلحین کا سخت قحط ہے، جو گرد و پیش کے چھوٹے چھوٹے دائروں سے ذرا سر نکال کر باہر دیکھیں اور اسلام اور قرآن ان کو کس طرف بلا رہا ہے اس کی صدا سنیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کے صحیح راستے پر چلنے کی توفیقِ کامل عطا فرمادیں۔

اللّٰهمَّ وفقنا لما تحب وترضى من القول والفعل والعمل والنية. وصلى الله تعالى على خير خلقه وصفوة رسله محمد وآله وصحبه اجمعين .

سنّت و بدعت

تاریخ تالیف ______ ۸ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ (مطابق ۱۹۳۱ء)

مقامِ تالیف ______ دیوبند

اس رسالہ میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے سنت و بدعت کی حقیقت اور بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کا فرق کوتحریر فرمایا ہے اور قرآن و سنت اور مشاہیر صوفیائے کرام کے اقوال سے بدعت کی خرابیاں ظاہر کی گئی ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى خصوصا على سيد نا محمد المصطفى ومن بهديه اهتدى۔

مُقَدّمہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق آخر زمانہ میں فتنوں کی کثرت ہونے والی تھی، وہ ہوئی اور ہوتی چلی گئی۔ ہم جیسے ضعیف القوۃ، ضعیف الہمۃ، ضعیف الایمان لوگوں کی نوبت اس دور میں آئی جب کہ پوری دنیا کو فتنوں نے گھیر لیا ہے۔ روز و شب نئے نئے فتنوں کی بارش ہے۔

لیکن جیسے فتنوں کا زمانہ مشکلات کا خارزار ہے، ویسے ہی اس زمانہ میں صحیح طریق سنت پر قائم رہنے اور دوسروں کو قائم رکھنے کے خصائل بھی بے حد و بے قیاس ہیں۔ حدیث میں ہے:

العبادة فى الهرج كهجرة الىّ۔ رواه مسلم (مشکوٰۃ)
فتنہ کے زمانہ میں عبادت کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی ہجرت کر کے میرے پاس آجائے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص فسادِ اُمت کے زمانہ میں میری سنت کو زندہ کرے،

اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں سنت کے مطابق نیک عمل کرنے والے کا ثواب پچاس آدمیوں کے عمل کے برابر ثواب رکھتا ہے۔ اور وہ پچاس بھی آج کے نہیں، بلکہ صحابہ کرامؓ میں سے پچاس آدمی۔

اور جس وقت بدعات و منکرات دنیا میں پھیل جائیں، اس وقت کے اہل علم کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ان کو اس وقت اپنے علم کا اظہار کرنا چاہئے، اور جو ایسا نہ کرے اس پر سخت وعید فرمائی ہے۔

(کما اخرجه الآجری فی کتاب السنة عن معاذ بن جبلؓ وسیاتی تمامه)

چنانچہ ہر زمانہ، ہر دور کے علماء نے اپنے اپنے زمانہ میں فتنوں کے طوفان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے صحیح طریقہ کو روشن کیا، اور بدعات و محدثات کی تلبیس کو دور کیا۔

لیکن آج کل جن فتنوں کا طوفان ہے، ان میں ایک طرف لادینی، انکار خدا، انکار رسالت، انکار حدیث، انکار ختم نبوت کے وہ فتنے ہیں، جن کی ضرب براہ راست اسلام کی بنیادوں پر پڑتی ہے۔ اس ناکارہ نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے دینی تعلیم و تبلیغ فتویٰ اور تصنیف و تالیف کے مثبت کام کے ساتھ جو کچھ کام ہو سکا وہ انہیں فتنوں کے مقابلہ میں کیا، جو اعتقادی بدعات ہیں۔ عملی بدعات و محدثات کے سلسلے میں اب تک کوئی خاص کام نہیں ہو سکا، حال میں ایک محترم دوست نے اپنے ماہنامہ کے لئے بدعات کی تعریف، اور اس کی خرابیوں پر مشتمل ایک مقالہ لکھنے کے لئے مجھے فرمایا، اور خلاف عادت کچھ ایسے اصرار سے فرمایا کہ اپنی بے شمار ذمہ داریوں، مصروفیتوں اور اس پر طبعی ضعف کے باوجود وعدہ کر لینے کے سوا چارہ نہ رہا۔ کچھ لکھنا شروع بھی کیا، لیکن صبح سے رات کے بارہ بجے تک تمام اوقات مشغول، وقت کہاں سے لاؤں۔

ایک اتفاقی حادثہ

مگر بحکم قضاء وقدر ۲۳ رجب ۱۳۷۶ھ ۲۴ مارچ ۱۹۵۷ء میں دو پہر کے کھانے کے ساتھ ہڈی کا ایک نوکیلا ریزہ حلق میں اتر گیا، اور احساس اس وقت ہوا جب وہ کافی نیچے پہونچ کر حلق میں پھنس گیا۔ جوں جوں اسے نیچے اتارنے کی تدبیریں کیں، وہ اور حلق کے گوشت میں پیوست ہوتا چلا گیا۔

یہی وہ منزل ہے جہاں انسان کے سارے عزائم، پروگرام، اور مشاغل ایک منٹ میں ختم ہوجاتے ہیں۔

کراچی میں حلق کے اسپیشلسٹ ماہر ڈاکٹر شفیع الدین خان صاحب نے خصوصی عنایت وتوجہ سے ایکسرے کے بعد جب ہڈی کو حلق میں پیوست دیکھا، تو بے ہوش کر کے بغیر اپریشن کے نکال لیا۔

حق تعالیٰ نے دوسری زندگی عطاء فرمائی، پچھلی زندگی کی بربادی پر افسوس اور نئی زندگی کو ٹھکانے لگانے کی ملی جلی فکریں دل ودماغ پر چھائی ہوئی، ادھر دل ودماغ حادثہ کے اثر سے دکھے ہوئے، کسی کام پر اقدام کی اجازت نہیں دیتے۔ ڈاکٹروں اور دوستوں کی بھی یہ تاکید کہ چند روز آرام کیا جائے۔ تجویز یہ ہوئی کہ دارالعلوم کراچی کی جدید عمارت جو شہر سے دس بارہ میل دور شرافی گوٹھ میں بنی ہے، چند روز وہاں رہا جائے۔

بالآخر اتوار ۳۰ شعبان ۱۳۷۶ھ کو یہاں آ گیا۔ یہاں کی صحت بخش آب وہوا اور کھلی فضاء کو حق تعالیٰ نے اس نئی زندگی کی غذا بنادیا۔ اور اب اس فرصت میں طبیعت کچھ کام تلاش کرنے لگی۔ بدعت وسنت کا یہ مقالہ جو زیر تحریر تھا، اور اسی طرح ایک دو اور ضروری مضامین جو زیرِ تحریر تھے، ان کی تکمیل کا خیال آیا۔ بنام خدا تعالیٰ شروع کیا۔ تو دو روز میں بعونہ تعالیٰ یہ زیرِ نظر رسالہ تیار ہوگیا۔

اس پوری داستان کو سامنے رکھ کر جب ذرا بھی حقیقت پر نظر ڈالی جائے، تو انسانی عزم وارادہ اور اس کے سعی وعمل اور اس میں کامیابی وناکامی کی پوری حقیقت محسوس ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ یہاں کچھ اپنا نہیں ہے، ہر حرکت، ہر سکون، ہر عمل، ہر سعی اسی رب العالمین کا کرم ہی کرم ہے۔ انسان کے ہاتھ پاؤں کو اس میں مشغول کر کے اس کے برائے نام کسب واختیار کے نام پر اس کے نامۂ اعمال میں ثواب لکھ دیا جاتا ہے۔

فللّٰہ الحمد اولہ وآخرہ

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد تو می زنم چہ عبارت وچہ معانیم

ایک دردمندانہ گزارش

بدعت وسنّت کی جنگ میں ایک لمحۂ فکریہ

بدعت کی تعریف اور اس کی خرابیاں از روئے قرآن وسنت آگے آتی ہیں، لیکن اس جگہ ایک بات ہر وقت پیشِ نظر رکھنے کے قابل ہے کہ جو شخص سنت کے اتباع اور بدعت کی مخالفت کی دعوت دیتا ہے، ظاہر ہے کہ اس کا منشاء بجز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اور ان کے دین کی حفاظت کے اور کچھ نہیں۔

اسی طرح جو شخص کسی بدعت میں مبتلا ہے منشاء اس کا بھی اللہ جل شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان کی رضا حاصل کرنا ہی ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق بدعت کو وہ بھی گمراہی کہتا اور برا سمجھتا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ علم صحیح نہ ہونے کے سبب وہ کسی بدعت کو بدعت نہیں سمجھتا، بلکہ اس کو عبادت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا ذریعہ سمجھ کر اختیار کئے ہوئے ہے۔

اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہر مسلمان کی خیر خواہی کو اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے ہمدردی و خیر خواہی کے لہجہ میں مسلمانوں کو حقیقتِ امر سے واقف کرایا جائے۔ تشدد، طعنہ زنی، الزام تراشی کے طریقوں سے کلی طور پر اجتناب کیا جائے کہ ان سے کبھی کسی کی اصلاح نہیں ہوتی۔ ''بدعتی'' اور ''وہابی'' کے طعن آمیز خطابات سے پرہیز کیا جائے، اور کسی کے کلام کو توڑ مروڑ کر اس کے منشاء و مقصد کے خلاف اس پر غلط الزام لگانا کھلا بہتان ہے، جس کے حرام ہونے میں کسی کو کسی تردد کی گنجائش نہیں، آخرت کے حساب کو سامنے رکھتے ہوئے ان حرکات سے باز رہا جائے۔

اس مختصر گزارش کے بعد اصل مقصد پر آتا ہوں، اور چونکہ اصل خرابی ناواقفیت اور بدعت کو بدعت نہ سمجھنے سے پیدا ہوئی ہے، اس لئے پہلے بدعت کی تعریف اور اس کی حقیقت لکھتا ہوں۔

ان اردت الا الاصلاح ما استطعت
و ما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

بِدعَت کیا چیز ہے؟
اور اس میں کیا خرابی ہے؟

بِدعَت کی تعریف:

اصل لغت میں بدعت ہر نئی چیز کو کہتے ہیں، خواہ عبادات سے متعلق ہو، یا عادات سے، اور اصطلاح شرع میں ہر ایسے نو ایجاد طریقۂ عبادت کو بدعت کہتے ہیں، جو زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے بعد اختیار کیا گیا ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے عہد مبارک میں اس کا داعیہ اور سبب موجود ہونے کے باوجود نہ قولاً ثابت ہو، نہ فعلاً نہ صراحۃً نہ اشارۃً، بدعت کی یہ تعریف علامہ برکوئی کی کتاب ''الطریقۃ المحمدیہ'' اور علامہ شاطبی کی کتاب ''الاعتصام'' سے لی گئی ہے۔

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ عادات اور دنیوی ضروریات کے لئے جو نئے نئے آلات اور طریقے روزمرہ ایجاد ہوتے رہتے ہیں ان کا شرعی بدعت سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ وہ بطور عبادت اور بہ نیت ثواب نہیں کئے جاتے۔ یہ سب جائز اور مباح ہیں، بشرطیکہ وہ کسی شرعی حکم کے مخالف نہ ہوں۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو عبادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ سے قولاً ثابت ہو یا فعلاً، صراحۃً یا اشارۃً وہ بھی بدعت نہیں ہو سکتی۔

نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس کام کی ضرورت عہدِ رسالت میں موجود نہ تھی، بعد میں کسی دینی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے پیدا ہو گئی، وہ بھی بدعت میں داخل نہیں۔ جیسے مروجہ مدارس اسلامیہ، اور تعلیمی، تبلیغی انجمنیں اور دینی نشر و اشاعت کے ادارے اور قرآن و حدیث سمجھنے کے لئے صرف و نحو اور ادب عربی اور فصاحت و بلاغت کے فنون یا مخالفِ اسلام فرقوں کا رد کرنے کے لئے منطق اور فلسفہ کی کتابیں یا جہاد کے لئے جدید اسلحہ اور

جدید طریق جنگ کی تعلیم وغیرہ کہ یہ سب چیزیں ایک حیثیت سے عبادت بھی ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے عہد میں موجود بھی نہ تھیں، مگر پھر بھی ان کو بدعت اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ ان کا سبب داعی اور ضرورت اس عہد مبارک میں موجود نہ تھی۔ بعد میں جیسی جیسی ضرورت پیدا ہوتی گئی علماء امت نے اس کو پورا کرنے کے لئے مناسب تدبیریں اور صورتیں اختیار کرلیں۔

اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ سب چیزیں نہ اپنی ذات میں عبادت ہیں، نہ کوئی ان کو اس خیال سے کرتا ہے کہ ان میں زیادہ ثواب ملے گا۔ بلکہ وہ چیزیں عبادت کا ذریعہ اور مقدمہ ہونے کی حیثیت سے عبادت کہلاتی ہیں۔ گویا یہ " احداث فی الدین "نہیں بلکہ " احداث للدین " ہے۔ اور احادیث میں ممانعت احداث فی الدین کی آئی ہے احداث للدین کی نہیں۔ یعنی کسی منصوص دینی مقصد کو پورا کرنے کے لئے بضرورت زمان و مکان کوئی نئی صورت اختیار کرلینا ممنوع نہیں۔

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوگیا کہ جن کاموں کی ضرورت عہد رسالت میں اور زمان مابعد میں یکساں ہے، ان میں کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرنا، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے ثابت نہیں، اس کو بدعت کہا جائے گا۔ اور یہ از روئے قرآن وحدیث ممنوع و ناجائز ہوگا۔

مثلاً درود وسلام کے وقت کھڑے ہوکر پڑھنے کی پابندی، فقراء کو کھانا کھلا کر ایصال ثواب کرنے کے لئے کھانے پر مختلف سورتیں پڑھنے کی پابندی، نماز باجماعت کے بعد پوری جماعت کے ساتھ کئی کئی مرتبہ دعاء مانگنے کی پابندی، ایصالِ ثواب کے لئے تیجہ، چہلم وغیرہ کی پابندی، رجب وشعبان وغیرہ کی متبرک راتوں میں خود ایجاد قسم کی نمازیں اور ان کے لئے چراغاں وغیرہ اور پھر ان خود ایجاد چیزوں کو فرض و واجب کی طرح سمجھنا، ان میں شریک نہ ہونے والوں پر ملامت اور لعن طعن کرنا وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ درود وسلام، صدقہ خیرات، اموات کو ایصال ثواب، متبرک راتوں میں

نماز وعبادت، نمازوں کے بعد دعاء یہ سب چیزیں عبادات ہیں، ان کی ضرورت جیسے آج ہے ایسے ہی عہد صحابہ کرامؓ میں بھی تھی۔ ان کے ذریعہ ثواب آخرت اور رضائے الٰہی حاصل کرنے کا ذوق وشوق جیسے آج کسی نیک بندے کو ہوسکتا ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کو ان سب سے زائد تھا۔ کون دعویٰ کرسکتا ہے کہ اس کو صحابہ کرام سے زائد ذوق عبادت اور شوق رضاء الٰہی حاصل ہے۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ فرماتے ہیں کہ:

كل عبادة لم يتعبدها اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا تعبدوها فان الاول لم يدع للآخر مقالاً فاتقوا الله يامعشر المسلمين وخذوا بطريق من كان قبلكم

یعنی جو عبادت صحابہ کرامؓ نے نہیں کی، وہ عبادت نہ کرو۔ کیونکہ پہلے لوگوں نے پچھلوں کے لئے کوئی کسر نہیں چھوڑی، جس کو یہ پورا کریں۔ اے مسلمانو! خداتعالیٰ سے ڈرو اور پہلے لوگوں کے طریقے کو اختیار کرو۔ اور اسی مضمون کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی منقول ہے۔

(اعتصام للشاطبی ص:۳۱۰، ج:۱)

بدعت کے ناجائز وممنوع ہونے کی وجوہ

اب دیکھنا یہ ہے کہ جب یہ سب کام عہد صحابہ کرامؓ میں بھی عبادت کی حیثیت سے جاری تھے، تو ان کے ایسے طریقے اختیار کرنا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے اختیار نہیں کئے، ان کا فلسفہ اور حکمت کیا ہے؟ کیا یہ مقصد ہے کہ ان عبادات کے یہ نئے طریقے معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو معلوم نہ تھے، آج ان دعوے داروں پر انکشاف ہوا ہے۔ اس لئے انہوں نے اختیار نہیں کئے یہ کررہے ہیں۔

دین میں کوئی بدعت نکالنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خیانت کی تہمت لگانا ہے

اور اگر کہا جائے کہ ان کو معلوم تھے، مگر لوگوں کو نہیں بتلایا۔ تو کیا یہ معاذ اللہ ان حضرات پر دین میں بخل و خیانت اور تبلیغ و رسالت کے فرائض میں کوتاہی کا الزام نہیں ہے؟ اسی لئے حضرت امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کوئی بدعت ایجاد کرتا ہے، وہ گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ اللہ رسالت میں خیانت کی کہ پوری بات نہیں بتلائی۔

بدعت نکالنا یہ دعویٰ کرنا ہے کہ دین عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں مکمل نہیں ہوا تھا

ایک طرف تو قرآن کا یہ اعلان ''الیوم اکملت لکم دینکم ''یعنی میں نے آج تم پر اپنا دین مکمل کر دیا، دوسری طرف عبادات کے نئے نئے طریقے نکال کر عملاً یہ دعویٰ کہ شریعت اسلام کی تکمیل آج ہو رہی ہے۔ کیا کوئی مسلمان جان بوجھ کر اس کو قبول کر سکتا ہے۔

اس لئے یقین کیجئے کہ عبادات کا جو طریقہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے اختیار نہیں کیا، وہ دیکھنے میں کتنا ہی دل کش اور بہتر نظر آئے، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اچھا نہیں۔ اسی کو حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ '' مالم یکن یومئذٍ دیناً لایکون الیوم دیناً ''یعنی جو کام اس زمانہ میں دین نہیں تھا، وہ آج بھی دین نہیں کہا جا سکتا۔ انہوں نے ان طریقوں کو معاذ اللہ نہ تو ناواقفیت کی بناء پر چھوڑا تھا، نہ سستی یا غفلت کی بناء پر بلکہ انکو غلط اور مضر سمجھ کر چھوڑا تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ جو ثانی فاروق اعظمؓ سمجھے جاتے تھے، انہوں نے یہی مضمون اپنے ایک مکتوب میں تحریر

فرمایا ہے۔

آج اگر کوئی شخص نماز تین کے بجائے چار رکعت اور صبح کی دو کے بجائے تین یا چار پڑھنے لگے، یا روزہ مغرب تک رکھنے کے بجائے عشاء کے بعد تک رکھے، تو ہر سمجھ دار مسلمان اس کو برا اور غلط اور ناجائز کہے گا۔ حالانکہ اس غریب نے بظاہر کوئی گناہ کا کام نہیں کیا، کچھ تسبیحات زیادہ پڑھیں، کچھ اللہ کا نام زیادہ لیا، پھر اس کو باتفاق برا اور ناجائز سمجھنا کیا صرف اسی لئے نہیں کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے اور سکھائے ہوئے طریقہ عبادت پر زیادتی کر کے عبادت کی صورت بدل ڈالی، اور ایک طرح سے اس کا دعویٰ کیا کہ شریعت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل نہیں کیا تھا، اس نے کیا ہے۔ یا معاذ اللہ آپ نے ادائے امانت میں کوتاہی اور خیانت برتی ہے کہ یہ نئے اور مفید طریقہائے عبادت لوگوں کو نہیں بتلائے۔

اب غور کیجئے کہ نماز کی رکعات تین کے بجائے چار پڑھنے میں اور نمازوں، دعاؤں، درود و سلام کے ساتھ ایسی شرطیں اور طریقے اضافہ کرنے میں کیا فرق ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے منقول نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عبادات شرعیہ میں اپنی طرف سے قیدوں، شرطوں کا اضافہ شریعت محمدیہ کی ترمیم اور تحریف ہے، اس لئے اس کو شدت کے ساتھ روکا گیا ہے۔

بدعت تحریف دین کا راستہ ہے

بدعت کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر عبادات میں اپنی طرف سے قیدیں شرطیں اور نئے نئے طریقے ایجاد کرنے کی اجازت دے دی جائے، تو دین کی تحریف ہو جائے گی۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ بھی پتہ نہ لگے گا کہ اصل عبادت جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی تھی، کیا اور کیسی تھی؟ پچھلی امتوں میں تحریف دین کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے اپنی کتاب اور اپنے پیغمبر کی بتلائی ہوئی عبادات میں اپنی طرف سے

عبادات کے نئے نئے طریقے نکال لئے، اور ان کی رسم چل پڑی، کچھ عرصہ کے بعد اصل دین اور نو ایجاد چیزوں میں کوئی امتیاز نہ رہا۔

شریعت اسلام میں نفل کو فرض سے جدا کرنے کا حکم

شریعت اسلام نے چونکہ ہر فتنہ کے دروازہ کو بند اور فساد دین کے راستہ کو روکا ہے، اسی لئے اس کا بھی خاص اہتمام فرمایا کہ فرائض اور نوافل میں پورا امتیاز رہے، حقیقت کے اعتبار سے بھی اور صورت کے اعتبار سے بھی۔ نمازوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا تو یہ معمول رہا کہ مسجد میں صرف فرض نماز جماعت سے ادا فرماتے، باقی نوافل اور سنتیں بھی گھر میں جا کر پڑھتے تھے۔ اور جن نمازوں کے بعد سنت یا نفل نہیں ہے، ان میں اگر نماز کے بعد مسجد میں بیٹھنا، اور کوئی وظیفہ پڑھنا ہے، تو بصورتِ نماز قبلہ رخ نہیں بیٹھتے، بلکہ داہنی یا بائیں جانب پھر کر بیٹھتے، تا کہ دور ہی سے ہر شخص یہ سمجھ لے کہ نماز فرض ختم ہو چکی ہے، اب امام جو کچھ پڑھ رہا ہے، وہ اختیاری چیز ہے۔ اصل سنت تو یہی ہے کہ نوافل اور نفلی عبادات سب تنہائی میں اپنے گھروں میں ادا کی جائیں، اور اگر مسجد میں ہی سنتیں پڑھنا ہو تو بھی مسنون طریقہ یہ ہے کہ جماعت فرض کی ہیئت کو ختم کر دیا جائے، صفیں توڑ دی جائیں، لوگ آگے پیچھے ہو کر سنتیں پڑھیں۔

اسی طرح روزہ شرعاً صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہے۔ لیکن چونکہ رات کو سب لوگ عادۃً سوتے ہیں، اور سونے کی حالت میں بھی کھانے پینے سے آدمی ایسا ہی رکا رہتا ہے جیسا روزہ میں، اس لئے سحری کھانا مسنون قرار دیا گیا تا کہ سونے کے وقت جو صورت روزہ کی ہو گئی تھی، اس سے امتیاز ہو جائے، اور روزہ ٹھیک صبح صادق کے بعد سے شروع ہو۔ اسی لئے سحری کھانا بالکل آخر وقت میں مستحب ہے۔ اسی طرح غروبِ آفتاب کا یقین ہوجاتے ہی روزہ فوراً افطار کرنا چاہئے، دیر کرنا مکروہ ہے تا کہ روزہ کی عبادت کے ساتھ زائد وقت کا روزہ میں اضافہ نہ ہو جائے۔

آج بھی یہ سب چیزیں بحمد اللہ مسلمانوں میں جاری ہیں، مگر جہالت و ناواقفیت سے ان چیزوں کی حقیقت سے بے خبری ہے۔ صبح اور عصر کی نماز کے بعد عام طور پر ائمہ مساجد قبلہ کی جانب سے مڑ کر تو بیٹھ جاتے ہیں، لیکن اس پر نظر نہیں کہ یہ مڑنا اس غرض سے تھا کہ عملاً اس کا اعلان کر دیں کہ اب فرض ختم ہو چکے، ہر شخص کو اختیار ہے جو چاہے کرے، جہاں چاہے جائے۔ مگر یہاں پوری جماعت کو اس کا پابند کیا ہوا ہے کہ جب تک تین مرتبہ دعاء جماعت کے ساتھ نہ کرلیں اس وقت تک سب منتظر رہیں، پھر ان دعاؤں میں بھی خاص خاص چیزوں کی ایسی پابندی ہے، جیسے کوئی فرض ہو۔ جب تک وہ خاص دعائیں نہ پڑھی جائیں، عوام یوں سمجھتے ہیں کہ نماز کا کوئی جزء رہ گیا۔

یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور شریعت اسلام کی احتیاط کی صریح مخالفت ہے کہ دعاؤں اور وظیفوں کو نماز فرض کے ساتھ اس طرح جوڑ دیا کہ دیکھنے والے یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ یہ وظیفے اور دعائیں بھی گویا نماز کا جزء ہیں، جو امام یہ دعائیں اور وظائف سب مقتدیوں کو ساتھ لے کر نہ پڑھے، اس کی نماز کو مکمل نہیں سمجھا جاتا، بلکہ اس پر طرح طرح کے الزام لگائے جاتے ہیں۔

بدعت حسنہ اور سیئہ

صحیح حدیث میں ہے کہ:

كل بدعة ضلالة و كل ضلالة فى النار

یعنی ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی جہنم میں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصطلاح شرع میں ہر بدعت سیئہ اور گمراہی ہے۔ کسی بدعت اصطلاحی کو بدعت حسنہ نہیں کہا جا سکتا، البتہ لغوی معنی میں ہر نئی چیز کو بدعت کہتے ہیں، اس اعتبار سے ایسی چیزوں کو بدعت حسنہ کہہ دیتے ہیں، جو صریح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نہیں تھیں، بعد میں کسی ضرورت کی بناء پر ان کو اختیار کیا گیا۔ جیسے

آج کل کے مدارس اسلامیہ اور ان میں پڑھائے جانے والے علوم وفنون۔ کہ اصل بنیاد تعلیم اور درس اور مدرسہ کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، آپ نے خود فرمایا: "اِنّما بعثت معلّما" یعنی میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ لیکن جس طرح کے مدارس کا قیام اور ان میں جس طرح کی تعلیم آج کل بضرورت زمانہ ضروری ہوگئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے عہد میں اس کی ضرورت نہ تھی، آج ضرورت پیش آئی تو احیاء سنت کے لئے اس کو اختیار کیا گیا۔ جو تعریف بدعت کی اوپر لکھی جا چکی ہے، اس کی رو سے ایسے اعمال بدعت میں داخل نہیں۔ لیکن لغوی معنی کے اعتبار سے کوئی ان کو بدعت کہہ دے، تو بدعت حسنہ ہی کہا جائے گا، حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے تراویح کی یک جا جماعت کو دیکھ کر اس معنی کے اعتبار سے فرمایا: "نعمت البدعة هذه" یعنی یہ بدعت تو اچھی ہے، کیونکہ ان کو اور سب کو معلوم تھا کہ تراویح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھی، اور پڑھائی، اور زبانی اس کی تاکید کی۔ اس لئے حقیقۃً اور شرعاً تو اس میں بدعت کا کوئی احتمال نہ تھا، البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک خاص عذر کی وجہ سے تراویح کی جماعت کا ایسا اہتمام نہ کیا گیا تھا، جو بعد میں حضور ﷺ ہی کی تعلیم کے مطابق کیا گیا۔ اس لئے ظاہری اور لغوی طور پر یہ کام بھی نیا تھا، اس کو "نعمت البدعة" فرمایا۔ بدعت حسنہ کا اس سے زیادہ کوئی تصور اسلام میں نہیں ہے۔

حضرت امام مالکؒ نے فرمایا:

من ابتدع بدعة يراها حسنة فقد زعم ان محمداً صلى الله عليه وسلم خان الرسالة لان الله تعالىٰ يقول اليوم اكملت لكم دينكم فمالم يكن يومئذٍ ديناً لايكون اليوم ديناً. (اعتصام ص:۴۸۔ ج:۱)

فاروق اعظمؓ کے ارشاد یا بعض بزرگوں کے ایسے کلمات کی آڑ لے کر طرح طرح کی بدعتیں بدعتِ حسنہ کے نام سے ایجاد کرنے والوں کے لئے اس میں کوئی وجہ جواز نہیں

ہے۔ بلکہ جو چیز اصطلاح شرع میں بدعت ہے، وہ مطلقاً ممنوع و ناجائز ہے، البتہ بدعات میں پھر کچھ درجات ہیں، بعض سخت حرام قریب شرک کے ہیں، بعض مکروہ تحریمی، بعض تنزیہی۔

قرآن حدیث اور آثار صحابہ و تابعین و ائمہ دین میں بدعات و محدثات کی خرابی اور ان سے اجتناب کی تاکید پر بے شمار آیات و روایات ہیں، ان میں سے بعض اس جگہ نقل کی جاتی ہیں۔

بدعت کی مذمت قرآن و حدیث میں

علامہ شاطبیؒ نے کتاب الاعتصام میں آیات قرآنیہ کافی تعداد میں اس موضوع پر جمع فرمائی ہیں، ان میں سے دو آیتیں اس جگہ لکھی جاتی ہیں:

۱...... **ولا تکونوا من المشرکین من الذین فرّقوا دینھم و کانوا شیعاً کل حزب بمالدیھم فرحون.**

مت ہو مشرکین میں سے جنہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کیا اپنے دین کو اور ہو گئے فرقے اور پارٹیاں ہر ایک پارٹی اپنے طرز پر خوش ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر میں نقل فرمایا کہ اس سے مراد اہل بدعت کی پارٹیاں ہیں۔ (اعتصام ص:۶۵، ج:۱)

۲......**قل ھل أنبئکم بالأخسرین أعمالا الذین ضل سعیھم فی الحیوٰۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعاً.**

آپ فرمایئے کہ کیا میں تمہیں بتلاؤں کہ کون لوگ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ خسارہ والے ہیں، وہ لوگ جن کی سعی و عمل دنیا کی زندگی میں ضائع اور بیکار ہوگئی، اور وہ یہی سمجھ رہے ہیں کہ ہم اچھا عمل کر رہے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سفیان ثوریؒ وغیرہ نے "**اخسرین اعمالاً**" کی تفسیر اہل بدعت سے کی ہے۔ اور بلاشبہ اس آیت میں اہل بدعت کی حالت کا پورا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے کہ وہ اپنے خودتراشیدہ اعمال کو نیکی سمجھ کر خوش ہیں کہ ہم ذخیرہ آخرت حاصل کر رہے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان کے اعمال کا نہ کوئی وزن ہے نہ ثواب، بلکہ اُلٹا گناہ ہے۔

روایاتِ حدیث بدعت کی خرابی اور اس سے روکنے کے بارے میں بے شمار ہیں، ان میں سے بھی چند روایات لکھی جاتی ہیں:

۱:...... صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من احدث فی امرنا مالیس منه فهو رد۔ (اعتصام بحوالہ بخاری)

جو شخص ہمارے دین میں کوئی نئی چیز داخل کرے جو دین میں داخل نہیں وہ مردود ہے۔

۲:...... اور مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبے میں فرمایا کرتے تھے:

أما بعد فان خیرالحدیث کتاب الله وخیر الهدی هدی محمد وشر الامور محدثاتها وکل بدعة ضلالة. أخرجه مسلم وفی روایة للنسائی کل محدثة بدعة وکل بدعة فی النار . (اعتصام ص:۶۷ ج:۱)

حمد و صلوٰۃ کے بعد سمجھو کہ بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ اور طرزِ عمل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طریقہ اور طرزِ عمل ہے۔ اور بدترین چیز نو ایجاد بدعتیں ہیں۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور نسائی کی روایت میں

ہے کہ ہرنوایجادعبادت بدعت ہے، اور ہر بدعت جہنم میں ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی یہی خطبہ دیا کرتے تھے، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے خطبہ میں الفاظ مذکورہ کے بعد یہ بھی فرماتے تھے:

انکم ستحدثون ویحدث لکم فکل محدثة ضلالة وکل ضلالة فی النار. (اعتصام ص:٦٧ ج:١)

تم بھی نئے نئے کام نکالو گے، اور لوگ تمہارے لئے نئی نئی صورتیں عبادت کی نکالیں گے، خوب سمجھ لو کہ ہر نیا طریقہ عبادت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

۴:......صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من دعا الی الهدی کان له من الاجر مثل اجور من یتبعه لاینقص ذالک من اجورهم شیئا ومن دعا الی ضلالة کان علیه من الاثم مثل آثام من یتبعه لاینقص ذالک من آثامهم شیئا.

جو شخص لوگوں کو صحیح طریقِ ہدایت کی طرف بلائے تو ان تمام لوگوں کے عمل کا ثواب اس کو ملے گا، جو اس کا اتباع کریں بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کچھ کمی کی جائے۔ اور جو شخص کسی گمراہی کی طرف لوگوں کو دعوت دے، تو اس پر ان سب لوگوں کا گناہ لکھا جائے گا، جو اس کا اتباع کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کچھ کمی کی جائے۔

بدعات کے نئے نئے طریقے ایجاد کرنے والے اور ان کی طرف لوگوں کو دعوت دینے والے اس کے انجامِ بد پر غور کریں کہ اس کا وبال تنہا اپنے عمل ہی کا نہیں بلکہ جتنے

مسلمان اس سے متاثر ہوں گے، ان سب کا وبال بھی ان پر ہے۔

۴:......ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے باسناد صحیح روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ہمیں خطبہ دیا، جس میں نہایت مؤثر اور بلیغ وعظ فرمایا۔ جس سے آنکھیں بہنے لگیں، اور دل ڈر گئے، بعض حاضرین نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! آج کا وعظ تو ایسا ہے، جیسے رخصتی وصیت ہوتی ہے، تو آپ ہمیں بتلائیں کہ ہم آئندہ کس طرح زندگی بسر کریں، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اوصیکم بتقوی اللّٰہ والسمع والطاعة لولاة الامر وان کان عبدا حبشیا فان من یعش منکم بعدی فسیریٰ اختلافا کثیراً فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوابھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة . (اعتصام)

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور حکام اسلام کی اطاعت کرنے کی اگرچہ تمہارا حاکم حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے، وہ بڑا اختلاف دیکھیں گے اس لئے تم میری سنت اور میرے بعد خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کو اختیار کرو۔ اور اس کو مضبوط پکڑو، اور دین میں نو ایجاد طریقوں سے بچو۔ کیونکہ ہر نو ایجاد طرزِ عبادت بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

۵:......اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ:

''جو شخص کسی بدعتی کے پاس گیا اور اس کی تعظیم کی تو گویا اس نے اسلام کو

ڈھانے میں اس کی مدد کی۔" (اعتصام للشاطبی ص:۴۷ ج:۱)

۶:......اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

"اگر تم چاہتے ہو کہ پل صراط پر تمہیں دیر نہ لگے، اور سیدھے جنت میں جاؤ، تو اللہ کے دین میں اپنی رائے سے کوئی نیا طریقہ نہ پیدا کرو۔" (اعتصام)

۷:......آجری کی "کتاب السنۃ" میں حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اذا حدث فی امتی البدع وشتم اصحابی، فلیظهر العالم علمه فمن لم یفعل فعلیه لعنة اللّٰه والملائكة والناس أجمعین" (اعتصام ص:۸۸ ج:۱)

جب میری امت میں بدعتیں پیدا ہو جائیں، اور میرے صحابہ کرامؓ کو برا کہا جائے تو اس وقت کے عالم پر لازم ہے کہ اپنے علم کو ظاہر کرے، اور جو ایسا نہ کرے گا، تو اس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب انسانوں کی۔

عبداللہ بن حسن نے فرمایا کہ میں نے ولید بن مسلم سے دریافت کیا کہ حدیث میں اظہارِ علم سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: "اظہار سنت"

۸:......حضرت حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

"مسلمانوں کے لئے جن چیزوں کا مجھے خطرہ ہے، ان میں سب سے زیادہ خطرناک دو چیزیں ہیں، ایک یہ کہ جو چیز وہ دیکھیں، اس کو اس پر ترجیح دینے لگیں، جو ان کو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ غیر شعوری طور پر گمراہ ہو جائیں۔"

سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: کہ یہ لوگ صاحبِ بدعت ہیں۔

۹:......اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

''خدا کی قسم آئندہ زمانہ میں بدعتیں اس طرح پھیل جائیں گی کہ اگر کوئی شخص اس بدعت کو ترک کرے گا، تو لوگ کہیں گے کہ تم نے سنت چھوڑ دی۔''　　　(اعتصام ص:۹۰ ج:۱)

۱۰......حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

''اے لوگو! بدعت اختیار نہ کرو، اور عبادت میں مبالغہ اور تعمق نہ کرو۔ پرانے طریقوں کو لازم پکڑے رہو، اس چیز کو اختیار کرو، جواز روئے سنت تم جانتے ہو، اور جس کو اس طرح نہیں جانتے اس کو چھوڑ دو۔''

۱۱:......حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آئندہ لوگوں پر کوئی نیا سال نہ آئے گا، جس میں وہ کوئی بدعت ایجاد نہ کریں گے، اور کسی سنت کو مردہ نہ کردیں گے۔ یہاں تک کہ بدعتیں زندہ اور سنتیں مردہ ہوجائیں گی۔

(اعتصام ص:۹۵ ج:۱)

۱۲......حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ:

''بدعت والا آدمی جتنا زیادہ روزہ اور نماز میں مجاہدہ کرتا جاتا ہے، اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا جاتا ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ صاحب بدعت کے پاس نہ بیٹھو کہ وہ تمہارے دل کو بیمار کردے گا۔''

۱۳......حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا:

''کوئی قول بغیر عمل کے مستقیم نہیں، اور کوئی قول و عمل بغیر نیت کے مستقیم نہیں، اور کوئی قول اور عمل اور نیت اس وقت تک مستقیم نہیں، جب تک کہ وہ سنت کے مطابق نہ ہو۔''

۱۴......ابوعمرو شیبانیؒ فرماتے ہیں کہ:

''صاحبِ بدعت کو توبہ نصیب نہیں ہوتی، کیونکہ وہ تو اپنے گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھتا، توبہ کس سے کرے۔''

۱۵......حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ کلام حضرت امام مالکؒ اور تمام علماء وقت کے نزدیک ہمیشہ یادرکھنے کے قابل ہے:

''سن رسول الله صلى الله عليه وسلم سننا وولاة الأمر من بعده سننا الأخذ بها تصديق لكتاب الله واستكمال لطاعة الله، و قوة على دين الله، ليس لاحد تغيير ها ولا تبديلها ولاالنظر فى شئ خالفها، من عمل بها مهتد ومن انتصر بها منصور ومن خالفها اتبع غير سبيل المؤ منين، و ولاه الله ما تولى واصلاه جهنم و ساء ت مصيرا.''

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سنتیں جاری فرمائیں، اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے کچھ سنتیں جاری فرمائیں، ان کو اعتبار کرنا کتاب اللہ کی تصدیق اور اطاعت الٰہی کی تکمیل اور اللہ کے دین میں قوت حاصل کرنا ہے۔ کسی طرح نہ ان میں تغیر کرنا جائز ہے، نہ بدلنا، اور نہ اس کے خلاف کسی چیز پر نظر کرنا۔ جو ان پر عمل کرے گا، ہدایت پائے گا، اور جو ان سنتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنا چاہے گا، اس کی مدد ہوگی۔ اور جو ان کے خلاف کرے، اس نے مسلمانوں کے راستہ سے مخالف راستہ اختیار کرلیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس کی تجویز و اختیار پر چھوڑ دے گا۔ اور پھر جہنم میں جلائے گا، اور جہنم برا ٹھکانہ ہے۔''

بِدعات ومحدثات

حضراتِ صوفیائے کرام کی نظر میں

بدعات ومحدثات کے ایجاد کرنے والے اور ان پر عمل کرنے والے عموماً حضرات صوفیائے کرام اور مشائخ طریقت کی پناہ لیتے ہیں۔ اور انہی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بہت سے عوام اس خیال میں ہیں کہ ''طریقت وشریعت'' دو متضاد چیزیں ہیں۔ بہت سے احکام جو شریعت میں ناجائز ہیں، اہل طریقت ان کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور یہ ایک خطرناک غلطی ہے کہ اس میں مبتلا ہونے کے بعد دین وایمان کی خیر نہیں۔ کیونکہ انسان کو تمام گمراہیوں سے بچانے والی صرف شریعت ہے، جب اس کی مخالفت کو جائز سمجھ لیا گیا، تو پھر ہر گمراہی کا شکار ہو جانا سہل ہے۔

اسی لئے مناسب معلوم ہوا کہ حضراتِ صوفیائے کرام اور مشائخِ طریقت کے ارشادات، بدعات کی مذمت اور اتباعِ سنت کی تاکید میں بقدر کفایت جمع کئے جاویں، تاکہ عوام اس دھوکہ سے بچ جائیں کہ مشائخ طریقت بدعات کو مذموم نہیں سمجھتے، یا اتباعِ سنت میں متساہل ہیں۔ اس سلسلے کے لئے علامہ شاطبیؒ نے اپنی کتاب الاعتصام (ص: ۱۰۶، جلد: ۱) میں ایک مستقل فصل قائم کی ہے، جس میں صوفیائے متقدمین کے ارشادات دربارۂ مذمت بدعات جمع کئے ہیں۔ ہمارے لئے ان کا ترجمہ کر دینا کافی ہے۔ وھی ھذا:

امام طریقت حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی بدعتی کے پاس بیٹھتا ہے، اس کو حکمت نصیب نہیں ہوتی۔

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ

آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں دعا قبول فرمانے کا وعدہ کیا ہے، فرمایا: "ادعونی استجب لکم" مگر ہم بعض کاموں کے لئے زمانۂ دراز سے دعاء کر رہے ہیں، قبول نہیں ہوتی، اس کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارے قلوب مر چکے ہیں، اور مردہ دل کی دعاء قبول نہیں ہوتی۔ اور موتِ قلوب کے دس سبب ہیں:

اول:...... یہ کہ تم نے حق تعالیٰ کو پہچانا مگر اس کا حق ادا نہیں کیا۔

دوسرے:...... تم نے کتاب اللہ کو پڑھا، اور اس پر عمل نہیں کیا۔

تیسرے:...... تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ تو کیا، مگر آپ کی سنت کو چھوڑ بیٹھے۔

چوتھے:...... شیطان کی دشمنی کا دعویٰ کیا، مگر اعمال میں اس کی موافقت کی۔

پانچواں:...... تم کہتے ہو کہ ہم جنت کے طالب ہیں، مگر اس کے لئے عمل نہیں کرتے۔ اسی طرح پانچ چیزیں اور شمار کرائیں۔

اور غرض اس حکایت کے نقل سے یہ ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ ترک سنت کو موتِ قلب کا سبب قرار دیتے ہیں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ اخلاق واعمال اور تمام امور اور سنن میں حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جاوے، اور فرمایا کہ لوگوں کے فساد کا سبب چھ چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ عملِ آخرت کے متعلق ان کی ہمتیں اور نیتیں ضعیف ہوگئی ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے اجسام ان کی خواہشات کا گہوارہ بن گئے۔ تیسرے یہ کہ ان پر طول امل غالب آ گیا۔ یعنی دنیوی سامان میں قرنوں اور زمانوں کے انتظام کرنے کی فکر میں لگے

رہتے ہیں، حالانکہ ان کی عمر قلیل ہے۔ چوتھے یہ کہ انہوں نے مخلوق کی رضاء کو حق تعالیٰ کی رضا پر ترجیح دے رکھی ہے۔ پانچویں یہ کہ وہ اپنی ایجاد کردہ چیزوں کے تابع ہوگئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ بیٹھے۔ چھٹے یہ کہ مشائخ سلف اور بزرگانِ متقدمین میں سے اگر کسی سے کوئی لغزش صادر ہوگئی، تو ان لوگوں نے اسی کو اپنا مذہب بنالیا۔ اور ان کے فعل کو اپنے لئے حجت سمجھا، اور ان کے باقی تمام فضائل ومناقب کو دفن کردیا۔

اور ایک شخص کو آپ نے نصیحت فرمائی کہ تمہیں چاہئے کہ سب سے زیادہ اہتمام اللہ تعالیٰ کے فرائض وواجبات کے سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کا کرو۔ اور جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں منع کیا ہے، ان کے پاس نہ جاؤ، کیونکہ حق تعالیٰ کی عبادت کا وہ طریقہ جو اس نے خود تعلیم فرمایا ہے، اس طریقہ سے بہت بہتر ہے، جو تم خود اپنے لئے بناتے ہو۔ اور یہ سمجھتے ہو کہ ہمارے لئے اس میں زیادہ اجر وثواب ہے۔ جیسے بعض لوگ خلاف سنت رہبانیت کا طریقہ اختیار کرلیتے ہیں۔

بندہ کا فرض یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے آقا کے حکم پر نظر رکھے، اور اسی کو اپنے تمام معاملات میں حکم بنائے، اور جس چیز سے اس نے روک دیا ہے، اس سے بچے۔

آج کل لوگوں کو حلاوتِ ایمان اور طہارت باطن سے صرف اس چیز نے روک رکھا ہے کہ وہ فرائض اور واجبات کو معمولی چیزیں سمجھ کر ان کا اتنا اہتمام نہیں کرتے جتنا کرنا چاہئے۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اے بشر! تم جانتے ہو کہ تمہیں حق تعالیٰ نے سب اقران پر فوقیت وفضیلت کس سبب سے دی ہے؟ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں واقف نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اس فضیلت کا سبب یہ ہے کہ تم

میری سنت کا اتباع کرتے ہو، اور نیک لوگوں کی عزت کرتے ہو، اور اپنے بھائیوں کی خیر خواہی کرتے ہو، اور میرے صحابہ اور اہل بیت کی محبت رکھتے ہو۔

حضرت ابوبکر دقاق رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابوبکر دقاق قدس سرہٗ جو حضرت جنیدؒ کے اقران میں سے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اس میدان میں سے گزر رہا تھا، جہاں چالیس سال تک بنی اسرائیل قدرتی طور پر محصور رہے، اور نکل نہ سکتے تھے۔ جس کو ''وادی تیہ'' کہا جاتا ہے۔ اس وقت میرے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ علم حقیقت علم شریعت سے مخالف ہے، اچانک مجھے غیبی آواز آئی:

کل حقیقة لا تتبع بالشريعة فهي كفر

(ترجمہ) جس حقیقت کی موافقت شریعت نہ کرے، وہ کفر ہے۔

حضرت ابوعلی جوازنی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بندہ کی نیک بختی کی علامت یہ ہے کہ اس پر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت آسان ہو جائے، اور اس کے افعال مطابق سنت کے ہو جاویں، اور اس کو نیک لوگوں کی صحبت نصیب ہو جاوے، اور اپنے احباب و اخوان کے ساتھ اس کو حسن اخلاق کی توفیق ہو، اور خلق اللہ کے لئے اس کا نیک سلوک عام ہو، اور مسلمانوں کی غمخواری اس کا شیوہ ہو، اور اپنے اوقات کی نگہداشت کرے۔ (یعنی ضائع ہونے سے بچائے)۔

کسی نے آپ سے سوال کیا کہ اتباع سنت کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا کہ بدعات سے اجتناب اور ان عقائد واحکام کا اتباعِ جن پر علماء اسلام کے صدر اول کا اجماع ہے، اور ان کی اقتداء کو لازم سمجھنا۔

حضرت ابوبکر ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ کمال ہمت اس کے تمام اوصاف کے ساتھ سوائے اہل محبت کے کسی کو حاصل نہیں ہوئی، اور یہ درجہ ان کو محض اتباع سنت اور ترکِ بدعت کی وجہ سے حاصل ہوا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے زیادہ صاحب ہمت اور سب سے زیادہ واصل الی اللہ تھے۔

ف:...... ہمت اصطلاح صوفیہ میں تصرف اور توجہ کو کہتے ہیں، جس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنے تخیل کی قوت کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے کی طرف جمع کرے۔ اس جگہ ممکن ہے کہ یہی مراد ہو، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تصرف اور ہمت اصطلاحی کے استعمال کا صدور کہیں صراحۃً ثابت نہیں، اس لئے غالباً اس جگہ ہمت کے لغوی معنی مراد ہیں، یعنی دین کے کاموں میں چستی اور مضبوطی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حضرت ابوالحسن ورّاق رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ تک صرف اللہ ہی کی مدد اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء فی الاحکام کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے۔ اور جو شخص وصول الی اللہ کے لئے سواء اقتداء رسول کے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرے، وہ ہدایت حاصل کرنے کی خاطر گمراہ ہو گیا۔

حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ

یہ بزرگ حضرت عبد اللہ مغربی اور حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہما کے اصحاب میں سے ہیں، بدعات سے سخت متنفر اور مبتدعین پر سخت رد کرنے والے، کتاب وسنت کے طریقے پر مضبوطی سے قائم اور مشائخ ائمہ متقدمین کے طرز کا التزام کرنے والے تھے۔

یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن منازل ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن شیبانؒ تمام فقراء اور اہل آداب و معاملات پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک حجت ہیں۔

حضرت ابو عمر زجاجی رحمۃ اللہ علیہ

یہ عباد و زہاد کے مشہور امام حضرت جنیدؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ کے اصحاب میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ:

''زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا دستور یہ تھا کہ ان چیزوں کا اتباع کرتے تھے، جن کو ان کی عقلیں مستحسن سمجھتی تھی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تو آپ نے ان کو اتباع شریعت کا ارشاد فرمایا۔ پس عقل صحیح و سلیم وہی ہے، جو محسنات شرعیہ کو اچھا اور مکروہات شرعیہ کو ناپسند سمجھے۔''

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال مجاہدات کئے، مگر مجھے کوئی مجاہدہ علم اور اتباع علم سے زیادہ شدید نہیں معلوم ہوا۔ اور اگر علماء کا اختلاف نہ ہوتا، تو میں مصیبت میں پڑ جاتا، بلاشبہ علماء کا اختلاف رحمت ہے۔ (مگر وہ اختلاف جو تجرید توحید میں ہو کہ وہ رحمت نہیں۔) اور اتباع صرف اتباع سنت کا نام ہے۔ (کیونکہ علمِ سنت کے علاوہ دوسری چیز علم کہلانے کی مستحق نہیں۔)

ایک مرتبہ ایک بزرگ ان کے وطن میں تشریف لائے، شہر میں ان کی ولایت بزرگی کا چرچا ہوا، حضرت ابو یزید بسطامیؒ نے بھی زیارت کا قصد کیا، اور اپنے ایک رفیق سے کہا، چلو ان بزرگ کی زیارت کر آویں۔

ابو یزیدؒ اپنے رفیق کے ساتھ ان کے مکان پر تشریف لے گئے، یہ بزرگ گھر سے نماز کے لئے نکلے، جب مسجد میں داخل ہوئے، تو جانب قبلہ میں تھوک دیا، ابو یزیدؒ یہ حالت

دیکھتے ہی واپس ہو گئے، اور ان کو سلام بھی نہ کیا۔ اور فرمایا کہ یہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب میں سے ایک ادب پر مامون نہیں کہ اس کو ادا کر سکے، اس سے کیا توقع رکھی جائے کہ یہ کوئی ولی اللہ ہو۔

امام شاطبیؒ اس واقعہ کو کتاب الاعتصام میں نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ حضرت ابو یزیدؒ کا یہ ارشاد ایک اصل عظیم ہے، جس سے معلوم ہوا کہ تارک سنت کو درجۂ ولایت حاصل نہیں ہوتا، اگرچہ ترکِ سنت بوجہ ناواقفیت ہونے کے ہوا ہو۔

اب آپ اندازہ کریں کہ جو علانیہ ترک سنت اور احداث بدعت پر مصر ہوں، ان کو بزرگی اور ولایت سے دور کا بھی کوئی واسطہ ہو سکتا ہے؟

حضرت ابو محمد بن عبدالوہاب ثقفی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف وہی اعمال قبول فرماتے ہیں، جو صواب اور درست ہوں۔ اور صواب اور درست میں بھی صرف وہی اعمال مقبول ہیں، جو خالص (اس کے لئے) ہوں۔ اور خالص میں سے بھی وہی مقبول ہیں، جو سنت کے مطابق ہوں۔

نیز حضرت ابو یزیدؒ کا ارشاد ہے کہ ''اگر تم کسی شخص کی کھلی کھلی کرامات دیکھو یہاں تک کہ وہ ہوا میں اڑنے لگے، تو اس سے ہرگز دھوکہ نہ کھاؤ، اور اس کی بزرگی و ولایت کے اس وقت تک معتقد نہ ہو، جب تک کہ یہ نہ دیکھ لو کہ امر و نہی اور جائز و ناجائز اور حفاظت حدود اور آداب شریعت کے معاملے میں اس کا کیا حال ہے۔''

حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بندہ جو فعل بغیر اقتداء (رسول) کے کرتا ہے، خواہ وہ (خوبصورت) طاعت ہو، یا معصیت، وہ عیش نفس ہے۔ اور جو فعل اقتداء و اتباع سے کرتا ہے، وہ نفس پر عتاب اور مشقت ہے۔ کیونکہ نفس کی خواہش کبھی اقتداء و اتباع میں نہیں ہو سکتی، اور اصل

مقصود ہمارے طریق (یعنی سلوک) کا یہی ہے کہ اتباع ہوا سے بچیں، نیز فرمایا کہ ہمارے (صوفیائے کرام کے) سات اصول ہیں۔ ایک کتاب اللہ کے ساتھ تمسک، دوسرے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء، تیسرے اکلِ حلال، (یعنی کھانے پینے اور استعمال کرنے میں اس کا لحاظ کہ کوئی چیز حرام و ناجائز نہ ہو) چوتھے لوگوں کو تکلیف سے بچانا، پانچویں گناہوں سے بچنا، چھٹے توبہ، ساتویں ادائے حقوق۔

نیز ارشاد فرمایا کہ تین چیزوں سے مخلوق مایوس ہوگئی، توبہ کا التزام اور سنت رسولؐ کا اتباع، اور مخلوق کو اپنی ایذاء سے بچانا، نیز کسی نے آپ سے دریافت فرمایا کہ فتوّت (عالی ظرفی) کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ اتباع سنت۔

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بسا اوقات میرے قلب میں معارف وحقائق اور علوم صوفیاء میں سے کوئی خاص نکتۂ عجیبہ وارد ہوتا ہے، اور ایک زمانہ دراز تک وارد ہوتا رہتا ہے، مگر میں اس کو دو عادل گواہوں کی شہادت کے بغیر قبول نہیں کرتا۔ اور وہ عادل گواہ کتاب وسنت ہیں۔

حضرت ابوحفص حداد رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص ہر وقت اپنے افعال واحوال کو کتاب وسنت کی میزان میں وزن نہیں کرتا اور اپنے خواطر (واردات قلبیہ) کو متہم (ناقابل اطمینان) نہیں سمجھتا، اس کو مردانِ راہ تصوف میں شمار نہ کرنا۔ نیز آپ سے بدعت کی حقیقت دریافت کی گئی۔ تو فرمایا کہ احکام میں تعدی یعنی شرعی حدود سے تجاوز کرنا، اور تہاون فی السنن، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سستی کرنا، اور اتباع الآراء والاھواء یعنی اپنی خواہشات اور غیر معتبر آراء رجال کی پیروی، اور ترک الاتباع والاقتداء یعنی سلف صالح کے اتباع واقتداء کو چھوڑنا، اور کبھی کسی صوفی کو کوئی حالت رفیعہ بغیر امر صحیح کے اتباع کے حاصل نہیں ہوئی۔

حضرت حمدون قصار رحمۃ اللہ علیہ

آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ لوگوں کے اعمال پر احتساب اور داروگیر کسی شخص کے لئے کس وقت جائز ہوتی ہے؟ فرمایا کہ جب وہ یہ سمجھے کہ احتساب اور امر بالمعروف مجھ پر فرض ہوگیا ہے۔ (فرض ہونے کی صورت یہ ہے کہ جس کو امر بالمعروف کیا جائے، وہ اس کا ماتحت اور تحت القدرت ہو، یا یہ یقین ہو کہ ہماری وہ بات مان لے گا، وغیرہ ذالک) یا یہ خوف ہو کہ کوئی انسان بدعت میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاوے گا، اور اس کو یہ گمان ہے کہ ہمارے کہنے سننے سے اس کو نجات ہو جاوے گی۔

نیز ارشاد فرمایا کہ جو شخص صالح کے احوال پر نظر ڈالتا ہے، اس کو اپنا قصور اور مردانِ راہ خدا کے درجات سے اپنا پیچھے رہنا معلوم ہو جاتا ہے۔

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ غرض اس کلام کی (واللہ اعلم) یہ ہے کہ لوگوں کو سلف صالح کی اقتداء کی ترغیب دیں، کیونکہ یہی حضرات اہل سنت ہیں۔

حضرت احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص کوئی عمل بلا اتباع سنت کرتا ہے، اس کا عمل باطل ہے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے سامنے کسی نے ذکر کیا کہ عارفین پر ایک حالت ایسی آتی ہے کہ وہ تمام حرکات و اعمال چھوڑ کر تقرب الی اللہ حاصل کرتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کا قول ہے جو اسقاط اعمال کے قائل ہیں۔

اور فرمایا کہ میں تو اگر ایک ہزار سال بھی زندہ رہوں، تو اپنے اختیار سے اعمال بر (طاعات و عبادات) میں سے ایک ذرہ بھی کم نہ کروں، ہاں مغلوب و مجبور ہو جاؤں، تو

دوسری بات ہے۔

اور فرمایا کہ وصول الی اللہ کے جتنے راستے عقلاً ہو سکتے ہیں، وہ سب کے سب بجز اتباع آثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مخلوق پر بند کر دیئے گئے۔ (یعنی بغیر اقتداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی شخص ہرگز تقرب الی اللہ حاصل نہیں کر سکتا، اور جو دعویٰ کرے وہ کاذب ہے۔)

اور فرمایا کہ ہمارا یہ مذہب کتاب وسنت کے ساتھ مقید ہے، نیز ارشاد فرمایا: کہ جو شخص قرآن مجید کو حفظ نہ کرے [۱]، اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ لکھے، اس معاملہ (تصوف) میں اس کی اقتداء نہ کرنی چاہئے، کیونکہ ہمارا علم کتاب وسنت کے ساتھ مقید ہے۔ اور فرمایا کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معیت وصحبت تین چیزوں سے حاصل ہوتی ہے، ایک حسن ادب، دوسرے دوامِ ہیبت، تیسرے مراقبہ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحبت ومعیت، اتباعِ سنت اور ظاہر شریعت کے التزام سے حاصل ہوتی ہے، اور اولیاء کی صحبت ومعیت ادب واحترام اور خدمت سے حاصل ہوتی ہے۔ آپ کی وفات کے وقت جب آپ کا حال متغیر ہوا، تو صاحبزادہ نے بوجہ شدت غم والم کے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، ابوعثمان نے آنکھ کھولی، اور فرمایا: بیٹا! ظاہر اعمال میں خلاف سنت کرنا، یہ باطن میں ریاء ہونے کی علامت ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اپنے نفس پر قول وفعل میں سنت کو حاکم بنا دے گا، وہ حکمت کے ساتھ گویا ہوگا۔ اور جو قول وفعل میں خواہشات واہواء کو

(۱) حفظ قرآن سے غالباً مراد یہ ہے کہ احکام قرآن پر اس کی نظر ہو، اور تلاوت کا ورد ہو، اسی طرح کتابت حدیث سے ضروری احادیث کے مضامین حفظ ہونا مراد ہے جیسا کہ مشائخ سلف وخلف کے تعامل سے واضح ہے۔ محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔

حاکم بنائے گا، وہ بدعت کے ساتھ گویا ہوگا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "و ان تطیعوہ تھتدوا" یعنی اگر تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو گے، تو ہدایت پاؤ گے۔

حضرت ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں جس کو تم دیکھو کہ تقرب الی اللہ میں وہ کسی ایسی حالت کا مدعی ہے، جو اس کو علمِ شرعی کی حد سے باہر نکال دے، تو تم اس کے پاس نہ جاؤ۔

حضرت محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اسلام کا زوال چار چیزوں سے ہے، ایک یہ کہ لوگ علم پر عمل نہ کریں۔ دوسرے یہ کہ علم کے خلاف عمل کریں۔ تیسرے یہ کہ جس چیز کا علم ہو، اس کو حاصل نہ کریں۔ چوتھے یہ کہ لوگوں کو علم حاصل کرنے سے روکیں۔ علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تو ان کا ارشاد ہے، اور ہمارے زمانہ کے صوفیوں کا عام طور سے یہی حال ہوگیا، اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ معرفت رکھنے والا وہ شخص ہے، جو اس کے اوامر کے اتباع میں سب سے زیادہ مجاہدہ کرتا ہو، اور اس کے رسولؐ کا سب سے زیادہ متبع ہو۔

حضرت شاہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی نظر کو محارم سے محفوظ رکھے، اور اپنے نفس کو شبہات سے بچائے، اور اپنے باطن کو دوام مراقبہ کے ساتھ معمور کرے، اور ظاہر کو اتباعِ سنت سے آراستہ کرے، اور اپنے نفس کو اکل حلال کی عادت ڈالے، تو اس کی فراست میں کبھی خطا نہیں ہوسکتی۔

حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ ظاہر شریعت جس باطنی حالت کا مخالف ہو، وہ باطل ہے۔

حضرت ابوالعباس ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ

جو سید الطائفہ حضرت جنیدؒ کے اقران میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے نفس پر آدابِ الٰہیہ کو لازم کرے، اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو نورِ معرفت سے منور فرمادیتا ہے۔ اور کوئی مقام اس سے اعلیٰ واشرف نہیں ہے کہ بندہ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر اور اخلاق میں ان کا متبع ہو، نیز فرمایا کہ سب سے بڑی غفلت یہ ہے کہ بندہ اپنے رب سے غافل ہو، اور یہ کہ اس کے آدابِ معاملہ سے غافل ہو۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ علم کثرتِ روایت کا نام نہیں، بلکہ عالم صرف وہ شخص ہے، جو اپنے علم کا متبع ہو، اور اس پر عمل کرے، اور سنت نبوی ﷺ کی اقتداء کرے، اگرچہ اس کا علم تھوڑا ہو۔ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ عافیت کیا چیز ہے؟ تو فرمایا:

"دين بلابدعة وعمل بلاآفة وقلب بلاشغل ونفس بلاشهوة"

دین بغیر بدعت کے اور عمل بغیر آفت کے (یعنی بدعات ومخترعات کی آفتیں اس میں شامل نہ ہوں) اور قلب فارغ جس کو (غیر اللہ کا) شغل نہ ہو، اور نفس جس میں شہوت (کا غلبہ) نہ ہو۔

اور فرمایا: کہ (حقیقی) صبر یہ ہے کہ احکام کتاب وسنت پر مضبوطی سے قائم رہے۔

حضرت بنان حمّال رحمۃ اللہ علیہ

آپ سے دریافت کیا گیا کہ احوال صوفیہ کی اصل کیا ہے؟ فرمایا (چار چیزیں) اول جس چیز کا حق تعالیٰ نے خود ذمہ لے لیا ہے، اس میں اس پر اعتماد وتوکل کرنا (یعنی رزق)۔ دوسرے احکام الٰہی پر مضبوطی سے قائم رہنا۔ تیسرے قلب کی حفاظت (لایعنی

تفکرات سے)۔ چوتھے کونین سے فارغ ہو کر توجہ محض ذات حق کی طرف رکھنا۔

حضرت ابوحمزہ بغدادی قدس سرہ'

فرماتے ہیں کہ جس شخص کو حق کا راستہ معلوم ہو جاتا ہے، اس پر چلنا بھی سہل ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے راستے کے لئے کوئی رہبر و رہنما بجز سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و افعال و اقوال میں متابعت کے نہیں ہے۔

حضرت ابواسحاق رقاشی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ میں حق تعالیٰ کی نظر میں محبوب ہوں یا نہیں؟ تو علامت اللہ تعالیٰ کی محبت کی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو سب کاموں پر ترجیح دے، اور دلیل اس کی حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ .

حضرت ممتاز ددینوری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ آداب مرید کا خلاصہ یہ ہے کہ مشائخ کے احترام وعظمت کا التزام کرے، اور اخوان طریقت کی حرمت کا خیال رکھے، اور اسباب کی فکر میں (زیادہ) نہ پڑے، اور آداب شریعت کی اپنے نفس پر پوری حفاظت کرے۔

حضرت ابوعلی روزباری رحمۃ اللہ علیہ

آپ سے کسی نے ذکر کیا، بعض صوفیاء غناء مزامیر سنتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ میرے لئے حلال ہے، کیونکہ میں ایسے درجہ پر پہنچ چکا ہوں کہ مجھ پر اختلاف احوال کا اثر

نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے یہ تو سچ کہا ہے کہ وہ پہنچ گیا ہے مگر اللہ تعالیٰ تک نہیں، جہنم تک۔

حضرت ابو محمد عبد اللہ بن منازل رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص فرائض شرعیہ میں سے کسی فریضے کو ضائع کرتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ سنن کی اضاعت میں مبتلا فرما دیتے ہیں۔ اور جو شخص سنن کی اضاعت میں مبتلا ہوتا ہے، وہ بہت جلد بدعات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

بِدعَاتِ مُرَوَّجہ

بدعت کی چونکہ کوئی شرعی بنیاد نہیں ہر زمانہ ہر ملک میں ہر طبقہ اور ہر مزاج کے لوگ نئے نئے طریقے بدعت کے ایجاد کرتے رہتے ہیں، جن کا حصر و شمار ممکن نہیں۔ اور اصولی طور پر بدعت کی تعریف اور اس کی خرابیاں قرآن و حدیث اور سلف صالحین کے ارشادات کے ذریعہ معلوم ہو جانے کے بعد بدعات کی تفصیلات جمع کرنے کی ضرورت بھی نہیں، لیکن بہت سے عوام اور ناواقفوں کو یہ مشکل ہوتا ہے کہ بدعت کی تعریف سن کر اس کو اپنے زمانہ کی مروجہ بدعات پر منطبق کر کے سمجھیں کہ فلاں چیز بدعت ہے، فلاں نہیں۔

اس لئے ضروری ہے کہ ہر زمانہ میں جو بدعات رائج ہو جاویں، ان کو متعین اور شمار کر کے لوگوں کو بتلا دیا جائے۔ اس کے لئے علماء اہل سنت نے بحمد اللہ بہت سی کتابیں اردو زبان میں لکھدی ہیں ان کو ضرور دیکھ لیا جائے۔ ''بہشتی زیور'' اور ''اصلاح الرسوم'' کا مطالعہ بھی کافی ہے، اور بعض بدعات مروجہ کا بیان بھی کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی.

مزاراتِ اولیاء اللہ کی شرعی حیثیت

سوال (۱)...... عُرس کے لغوی معنی کیا ہیں؟ اور اصطلاح شرع میں عرس کی کیا تعریف ہے؟ قرون ثلٰثہ میں اس کا وجود تھا یا نہیں؟ اگر نہیں تھا تو یہ کب سے ہوا؟

سوال (۲)...... آج کل ہندو بنگال کے چند مواضع مثلاً اجمیر، بریلی اور چاٹگام وغیرہ میں ایک تاریخ معین میں کوئی شاہ صاحب کسی مزار پر سجادہ نشین ہو کر بیٹھتے ہیں، اور ان کے مریدین و معتقدین کا جم غفیر ہوتا ہے، اور مزار پر عمدہ سے عمدہ بیش قیمت غلاف چڑھایا جاتا ہے، اور اوپر شامیانے لگائے جاتے ہیں، اور مزار پر چراغاں کیا جاتا ہے، اور مزار کے گرد لوگ اس مردہ کی شان میں مضمون نعتیہ گاتے ہیں، اور ناچتے کودتے ہیں۔ یہ امور جائز ہیں یا نہیں؟ اس صورت کے ساتھ عرس کرنے والے اور اس میں شریک ہونے والے بدعتی ہیں یا نہیں؟

سوال (۳)...... چند پیر یہاں ایسے بھی ہیں، جو اپنے مریدوں سے سجدہ کراتے ہیں۔ پس اس قسم کے حکم کرنے والے اور اس کے عاملین مرتد اور بے دین ہیں یا نہیں؟ اور بعض پیر گو زبان سے حکم نہیں کرتے، لیکن مریدین انہیں سجدہ کرتے ہیں، اور وہ منع نہیں کرتے۔ پس ایسے پیر کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا یہ لوگ حسبِ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "الساکت عن الحق کشیطان الاخرس" کے شیطان نہیں ہیں؟ اور یہ مرتکب

معصیت کبیرہ ہیں یا نہیں؟ اور بعض پیر اپنے مریدوں کو منع کرتے ہیں، لیکن مرید نہیں مانتے، اور سجدہ کرتے ہیں۔ اس وقت کبھی منع کرتے ہیں، اور کبھی دم بخود ہوکر رہ جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی عرس بند نہیں کرتے کہ جس سے اس شرک وبدعت کا قلع قمع ہوجائے۔ بلکہ عرس کو باعث ثواب سمجھتے ہیں۔ ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟ پھر یہ پیر صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ میں کیا کروں، لوگ سجدہ کرتے ہیں، منع کرتا ہوں، وہ نہیں مانتے، میں معذور ہوں۔

سوال (۴)...... پیر کی کیا تعریف ہے؟ مرتکب امور بالا کو پیر بنانا اور اس کا معتقد ہونا جائز ہے یا نہیں؟

سوال (۵)...... سجدہ لغیر اللہ مطلقاً حرام ہے، یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟ بعض لوگ سجدہ تحیہ کو جائز کہتے ہیں، اور وہ یہ جاہل پیر لوگ ہیں۔ کیا واقعہ بھی ایسا ہی ہے؟ کوئی ان میں فتوی تیسیر کا حوالہ بھی دیتا ہے، اور کوئی فتح القدیر کا۔ آیا وہ عبارات صحیح ہیں یا نہیں؟

سوال (۶)...... بدعت کی تعریف اور تقسیم مع حوالہ کتب تحریر فرماتے ہوئے یہ بھی تحریر فرمایئے کہ کونسی بدعت معصیت ہے اور کون سی نہیں؟ اور عرس اگر بدعت ہو تو عرس کرنے والے کو بدعتی کہیں گے؟ اور اس کے پیچھے نماز کیسی ہوگی؟ نیز عرس کے بدعت ہونے پر بھی اگر کوئی شخص اسے نہ چھوڑے، بلکہ اس پر مداومت اور اصرار کرے، اور اسے جائز اور قابلِ ثواب کرنے کے لئے کوشش کرے، تو ایسا شخص مصر علی المعصیۃ ہے یا نہیں؟ اور اصرار علی المعصیۃ عمداً اور باعث ثواب سمجھ کر کرنا کیسا ہے؟

سوال (۷)...... جن بدبودار چیزوں کو کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت کی گئی ہے، اور وہ شخص مسجد میں بسبب اس اختیاری کے نہ آئے، اور جماعت میں شامل نہ ہو، لیکن نیت جماعت کی رکھے، تو جماعت کا ثواب اسے ملے گا یا نہیں؟ اور جو لوگ اضطراراً معذور رہوں، ابخر یا اذفر ہوں، تو آیا ان کے لئے بھی لایقربن مسجداً کا حکم ہوگا؟ اور ان کے لئے بھی

ممانعت ہو، تو انہیں بنابر نیت حضوری جماعت کے جماعت کا ثواب مل گیا یا نہ؟

الجواب

عرس بضم اول و بضمتین لغت عرب میں طعام ولیمہ کو نیز نکاح کو کہا جاتا ہے۔ کما صرح بہ القاموس۔ آج کل ہمارے دیار میں جس کو لوگ عرس کہتے ہیں، یعنی کسی بزرگ کی تاریخ وفات پر سالانہ ان کی قبر پر اجتماع اور میلہ قائم کرنا، یہ فعل بھی بدعت مستحدثہ ہے۔ اور یہ نام بھی اس کے لئے مستحدث ہے۔ قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں کیا قرون مابعد میں بھی صدیوں تک اس کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ بہت آخر زمانہ میں ایجاد ہوا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ جس طرح اور تمام بدعات کی اصل ابتداء بری نہ تھی، بعد لوگوں کی تعدی نے اس کو گناہ اور بدعت بنا دیا، اسی طرح اس میں بھی ابتدائی واقعہ یہ ہوا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سالانہ غیر معین تاریخوں میں پیران کلیر حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوتے تھے، اس کی خبر سن کر آپ کے مرید بھی آنے لگے، پھر لوگوں نے اس خیال سے کہ حضرت شیخ کے ساتھ حاضری کے شائقین کو دشواری ہوتی ہے، کوئی دن بھی متعین کر دیا۔ یہاں تک بھی منکرات کا ہجوم نہ تھا، پھر بعد میں جہلاء و مبتدعین نے اس کو اس حد تک طول دے دیا کہ سینکڑوں محرمات اور افعال شرک و کفر کا تماشہ گاہ ہوگیا۔ اور پھر یہ رسم سب جگہ چل پڑی۔ اب مسئلہ عرس میں دو حیثیت قابل بیان ہیں۔ اول نفس عرس خالی از دیگر منکرات، دوسرے مع بدعات ومنکرات مروجہ۔

سو امر اول کا جواب تو یہ ہے کہ اتفاقی طور پر کوئی شخص کسی بزرگ کے مزار پر بلاتعین تاریخ و بلا اہتمام خاص کے اگر ہمیشہ سالانہ بھی جایا کرے، تو کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ مستحب بلکہ سنت ہے۔ بشرطیکہ منکرات مروجہ وہاں نہ ہوں،

لما اخرج ابن جرير عن محمد بن ابراهيم قال: "كان النبى صلى الله عليه وسلم ياتى قبور الشهداء على رأس كل حول فيقول سلام عليكم بماصبرتم فنعم عقبى الدار وابوبكرؓ وعمرؓ وعثمانؓ"

اس قسم کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اپنے مکاتیب میں فرماتے ہیں:

کہ روز عرس برائے آنست کہ آں روز مذکور انتقال ایشاں می باشد از دارالعمل بدارالثواب والا ہرروز کہ ایں عمل واقع شود موجب فلاح ونجات است۔ (از مجموعہ فتاویٰ ص:۶۹ ج:۳)

لیکن کسی معین تاریخ کو ضروری سمجھنا، یا ایسا عمل کرنا، جس سے دیکھنے والوں کو ضروری معلوم ہو، اور نہ کرنے والوں پر اعتراض کی صورت پیدا ہو، یہ ایک بدعت سیئہ ہے، جس کا اصولِ اسلام میں کہیں نام نہیں۔

امر دوم یعنی عرس مصطلح مع منکرات مروجہ جو لوازم عرس سے سمجھے جاتے ہیں، اس کا جواب ظاہر ہے کہ ایک تو فی نفسہ بدعت اور پھر اس میں بہت سے مشرکانہ افعال اور بدعات اور امورِ قبیحہ کا ارتکاب لازم آتا ہے، اس لئے بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہو گیا۔ جن میں سے بعض یہ ہیں:

۱...... چراغ جلانا، جو بنص حدیث حرام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر چراغ جلانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (مشکوٰۃ)

۲...... چادر وغیرہ چڑھانا، جس کی حدیثِ صریح میں مخالفت ہے۔ (بخاری)

۳...... ان کے نام کی نذر ومنت ماننا، جو مطلقاً حرام ہے۔

"قال فى البحر الرائق الاجماع على حرمة النذر للمخلوق ولاينعقد ولايشتغل به الذمة وانه حرام بل سحت و لا يجوز لخادم الشيخ اخذه و لا اكله و

لاالتصرف فیه بوجه من الوجوه۔"

۴......پھر اس نذر کی مٹھائی وغیرہ کو تبرک سمجھ کر کھانا، اور تقسیم کرنا حالانکہ اس کا حرام ہونا اوپر کی عبارت بحر سے معلوم ہوگیا۔ اس لئے اس کے حلال و تبرک سمجھنے میں تو اندیشہ کفر کا ہے۔ والعیاذ باللہ۔

۵......راگ باجہ وغیرہ جس کی مذمت وممانعت پر احادیث کثیرہ صراحۃ وارد ہوئی ہیں، تفسیر روح المعانی میں آیت لہوالحدیث کے ذیل میں تعداد کثیران روایات کی جمع کی گئی ہے۔ فلیراجع۔ نیز شیخ ابن حجر مکیؒ کا رسالہ "کف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع" بھی اس موضوع میں کافی شافی ہے۔ خود صوفیائے کرام کی ایک جماعت کثیرہ نے بھی اس کو ناجائز فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو رسالہ حقوق السماع لحکیم الامۃ مولانا التھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

۶......فاحشہ عورتوں کا گانا اور اجتماع جو بہت سے محرمات کا مجموعہ ہے۔

۷......عام عورتوں کا قبروں پر جمع ہونا، جس پر حدیث میں ارشاد ہے۔

لعن الله زوارات القبور

۸......قبروں کے مجاورین کا بیٹھنا، جس کی ممانعت حدیث وفقہ کی معتبر کتب میں منصوص ہے۔

۹......قبر کا طواف کرنا، جو قطعاً حرام ہے۔ ملاعلی قاریؒ شرح مناسک باب زیارت روضۃ القدس میں فرماتے ہیں:

ولایطوف ای ولا یدور حول البقعة الشریفة لان الطواف من مختصات الکعبة المنیفة یحرم حول قبور الاولیاء انتهیٰ.

۱۰......سجدہ کرنا جو بقصد عبادت ہو کفر صریح ہے۔ اور بلا قصد عبادت انتہائی درجہ کا گناہ کبیرہ ہے۔ کما سیاتی تفصیلہ۔ اگر تتبع کیا جاوے، تو اس قسم کے سینکڑوں گناہوں کا

مجموعہ ان اعراس میں مشاہد ہو جائے گا۔ وفی ذالک کفایۃ لمن اراد الھدایۃ۔ اسی لئے جس وقت سے اس قسم کے عرس کا رواج ہوا ہے، اسی وقت سے علماء امت بلکہ خود صوفیاء کرام جو محقق ہوئے ہیں، اس سے منع کرتے رہے ہیں۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ جو علاوہ علوم ظاہرہ کے ماہر و علامہ ہونے کے خاندان نقشبندیہ میں حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کے خلفاء میں سے ہیں، ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں:

قبور اولیاء بلند کردن و گنبد براں ساختن و عرس و امثال آں چراغاں کردن، ہمہ بدعت است۔ بعض ازاں حرام و بعض مکروہ پیغمبر خدا بر شمع افروزاں نزد قبر و سجدہ کنندگان رالعنت گفتہ۔

اور بریقہ شرح طریقہ محمدیہ صفحہ ۱۲۲ جلد ا میں ہے:

"واقبح البدع عشرۃ وعد منھا طعام المیت وایقاد الشموع علی المقابر والبناء علی القبر وتزیینہ والبیتوتۃ عندہ والتغنی والسماع واتخاذ الطعام للرقص واجتماع النساء لزیارۃ القبور

اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلویؒ مسائل اربعین میں فرماتے ہیں:

مقرر ساختن روز عرس جائز نیست۔

در تفسیر مظہری می نویسد" لایجوز مایفعلہ الجھال بقبور الاولیاء والشھداء من السجود والطواف حولھا واتخاذ السراج والمساجد الیھا ومن الاجتماع بعد الحول کالاعیاد وتسمونہ عرساً"، اصول کی بات وہی ہے جو امام مالکؒ نے فرمائی ہے" مالم یکن یومئذٍ دینا لایکون الیوم دیناً "اس لئے جس عبادت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کے زمانہ میں اصل نہ ہو، وہ عبادت نہیں گمراہی ہے۔ رسالہ قشیریہ میں اکابر اہل طریق کے بہت اقوال اس کی تائید میں لکھے گئے ہیں۔ فلیراجع ثمہ و مثلہ فی مفتاح السنۃ للسیوطی ص:۵

۲......تفسیر مذکورہ سے ثابت ہوا کہ ایسا کرنے والے بدعتی اور سخت گناہ گار ہیں۔

۳......غیر اللہ کو سجدہ کرنا اگر بہ نیت عبادت ہو، تو کفر صریح اور ارتداد محض ہے۔ (نعوذ باللہ منہ) اور اگر بہ نیت عبادت نہ ہو، بلکہ قصد تعظیم معروف ہو، تو ارتداد و کفر تو نہیں، لیکن سخت تر گناہ اور قریب شرک کے ہے۔ **کذا قال ابن حجر المکی فی الاعلام بقواطع الاسلام علی هامش الزواجر۔** (ص:۳۲، ج:۳)

> **"وفی المواقف وشرحها من صدق بما جاء به النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ومع ذالک سجد للشمس کان غیر مومن بالاجماع لان سجوده لها یدل بظاهره انه لیس بمصدق ونحن نحکم بالظاهر فلذالک حکمنا بعدم ایمانه لان عدم السجود لغیر اللّٰه داخل فی حقیقة الایمان حتی لو علم انه لم یسجدلها علی سبیل التعظیم واعتقاد الالوهیة بل سجد لها وقلبه مطمئن بالایمان لم یحکم بکفره فیما بینه وبین اللّٰه تعالیٰ وان اجری علیه حکم الکافر فی الظاهر انتهیٰ ثم قال نقلاً عن الروضة ولیس من هذا ما یفعله کثیر من الجهلة الظالمین من السجود بین یدی المشائخ فان ذالک حرام قطعاً بکل حال سواء کان للقبلة او لغیرها وسواء قصد السجود للّٰه او غفل وفی بعض صورة مایقتضی الکفر عافانا اللّٰه تعالیٰ من ذالک انتهی، ففهم انه قد یکون کفرا بان قصد به عبادة مخلوق او التقرب الیه وقدیکون حراماً ان قصد به تعظیمه ......الخ"**

یہی مضمون حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی نے مائۃ مسائل کے مسئلہ ۳۳ میں ذکر فرمایا ہے اور حلبی نے شرح منیہ کبیر میں کہا ہے، **حتی لو سجد لغیر اللّٰه یکفر۔**

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا انتہائی درجہ کا سخت گناہ ہے۔ اور جو پیر اپنے سامنے اس گناہ کو جاری رکھتے ہیں، اگرچہ امر نہ کریں، البتہ شریک گناہ ہیں۔ اگر بالفرض لوگ اس کا کہنا نہیں مانتے، تو یہ پیر ہی کس کام کا ہے، کم از کم اس کو ان سے علیحدہ ہو جانا فرض ہے۔

الغرض ایسے پیروں سے بیعت کرنا حرام ہے، جو حدود شرعیہ کی پروا نہ کرتے ہوں۔ جیسا کہ امام غزالیؒ کی اپنی اکثر تصنیفات میں اور رسالہ قشیریہ، عوارف المعارف وغیرہ میں خود ائمہ تصوف کے اقوال سے اس کو ثابت کیا گیا ہے۔

۴...... حضرت شاہ ولی اللہؒ نے القول الجمیل میں پیر یعنی شیخ کامل کی چند شرطیں لکھی ہیں۔ جو شخص ان شرائط کے ساتھ موصوف نہ ہو، اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنا چاہئے۔ بالخصوص جو شخص مرتکب امور مذکورہ فی السوال ہو۔ اور معاصی کا مرتکب ہو، اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا حرام ہے۔ وذالک کلہ ظاہر

۵...... سجدہ کے متعلق تفصیل سے جو نمبر ۳ میں مذکور ہو چکی اتنی بات بالاجمال ہے کہ غیر کو سجدہ کرنا حرام ضرور ہے، کفر ہونے میں تفصیل ہے، حرمت میں کوئی تفصیل نہیں۔ فتح القدیر کی طرف اباحت کو منسوب کرنا غلط محض ہے۔

۶...... بدعت لغت میں ہر نئے کام کو کہتے ہیں۔ خواہ عادت ہو، یا عبادت۔ جن لوگوں نے یہ معنی لئے ہیں، انہوں نے بدعت کی تقسیم دو قسمیں کی ہیں۔ سیئہ اور حسنہ، جن فقہاء کے کلام میں بعض بدعت کو حسنہ کہا گیا ہے، وہ اسی معنی لغوی کے اعتبار سے بدعت ہیں۔ ورنہ درحقیقت بدعت نہیں، اور معنی شرعی بدعت کے یہ ہیں، دین میں کسی کام کا زیادہ یا کم کرنا جو قرن صحابہ وتابعین کے بعد ہوا ہو، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے کرنے کی اجازت منقول نہ ہو، نہ قولاً، نہ فعلاً، نہ صراحۃً، نہ اشارۃً۔ **هذا ملخص مافی** **الطريقة المحمدية وهو اجمع مارأيت من تعريف البدعة و ان اردت**

التفصیل فراجعه. (بریقة شرح الطریقة، ص:۱۲۸، ج:۱)

پھر بدعت میں درجات ہیں، بعض مکروہ کے درجہ میں ہیں، بعض حرام، بعض شرک۔ اور مصر علی البدعۃ بہر حال فاسق ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ کما فی الدر المختار وغیرہ وخلف مبتدع .... الخ

۷...... جب ان چیزوں کا ترک اس کے اختیار میں ہے، اور ترک نہیں کرتا، بلکہ جماعت کو ترک کر دیتا ہے، تو خواہ نیت ہو یا نہ ہو، ثواب جماعت نہ ہوگا۔ البتہ جو معذور ہوں، جیسے ابخر واذفر وغیرہ ان کے لئے بھی مناسب ہے کہ جماعت میں شریک نہ ہوں۔ تا کہ لوگوں کو ایذا نہ پہنچے۔ ایسے لوگوں کو انشاء اللہ تعالیٰ جماعت کا ثواب گھر بیٹھے مل جائے گا۔ کما صرح به الفقهاء والتفصیل فی رسالتی آداب المساجد۔

بندہ محمد شفیع غفرلہ

۸ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ

سوال...... مسجد میں درگاہ ہے، درگاہ پر روزانہ اور جمعرات کو روشنی ہوتی ہے، روشنی کے لئے تیل وغیرہ کا انتظام مسجد کی آمدنی سے اور اہل محلّہ کی طرف سے ہوتا ہے، صرف درگاہ کے لئے تیل اتنی کثیر مقدار میں جمع ہو جاتا ہے کہ تمام درگاہ کی روشنی میں خرچ نہیں ہوسکتا۔ اگر باقی ماندہ تیل کو امام مسجد اپنے ذاتی مصارف کتب بینی وغیرہ میں استعمال کرے تو جائز ہے یا نہ؟

الجواب...... قبروں پر چراغ جلانا جائز نہیں۔ حدیث شریف میں ہے، لعن اللّٰه زوارات القبور والمتخذین علیها السراج۔ اس لئے جو تیل درگاہ کی روشنی کے لئے دیا جاتا ہے، اس کو اصل مزار پر جلانا نہ چاہئے البتہ اگر مزار کے متعلق حجرے ہوں، یا

راستہ پر روشنی کی ضرورت ہو، وہاں جلایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح حجرہ امام اگر متعلقات درگاہ میں ہو، تو اس میں بھی جلا سکتے ہیں۔ ورنہ بلا اجازت مالک دوسری جگہ استعمال کرنا جائز نہیں۔ اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ تیل بطور نذر مزار پر چڑھایا ہے، تو کسی جگہ بھی اس کا استعمال جائز نہیں۔ کیونکہ غیر اللہ کے نام کی نذر حرام ہے، اور اس چیز کا استعمال بھی حرام ہے، جس کی نذر کی گئی ہو۔

صرح به في البحر الرائق من كتاب النذر. فقط

بندہ محمد شفیع غفرلہٗ۔

۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ

سوال...... جب کہ مسجد کے اندر حسب ضرورت کافی روشنی ہوتی ہے، اور درگاہ کی روشنی کوئی فائدہ نہیں رکھتی، روشنی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز جمعرات کے دن جو ختم درگاہ پر ہوتا ہے، اس میں شرکت کرنے والا کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب...... قبر پر چراغ جلانا حرام ہے۔ کمامر اور ختم قرآن میں اگر دوسری بدعات نہ ہوں، تو شرکت میں مضائقہ نہیں۔ لیکن پھر بھی ترک اولیٰ ہے کہ یہ چیزیں اگرچہ بالفعل بدعات نہ ہوں، رفتہ رفتہ بدعات سے بھی آگے تجاوز کر جاتی ہیں۔ فقط

بندہ محمد شفیع غفرلہٗ

سوال...... بزرگان دین کے صدہا مزار ہیں، جن کی فاتحہ خوانی جائز و ناجائز دونوں طرح ہو رہی ہے، فاتحہ خوانی کے لئے مزاروں پر حاضر ہونے کو واجب اور فرض سمجھنا کیسا ہے؟ ایصال ثواب ہر جگہ سے ہو سکتا ہے، یا مزاروں پر جانا ضروری ہے؟ نیز اس

طریقہ سے دعاء کرنا کہ یا حضرت آپ اللہ کے دوست ہیں، اور اس کے مقبول بندے ہیں، آپ خدا سے میرے لئے دعاء کیجئے کہ خدا مجھے مقصد میں کامیاب کرے۔ یہ دعاء جائز ہے یا نہیں؟

مزاروں پر عرس ہوتے ہیں ان میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

الجواب......ایصال ثواب کے لئے قبر پر جانے کی ضرورت نہیں، ہر جگہ سے پہنچتا ہے۔ البتہ قبر پر جانے سے دوسرے فوائد ہیں۔ عام مومنین کی قبر پر جانے سے عبرت اور اعزاء واقرباء کی قبروں پر عبرت کے ساتھ ادائے حق بھی اور بزرگوں کی قبروں پر اس کے ساتھ برکات بھی، دعاء میں صاحب قبر کو خطاب نہ کرنا چاہئے، بلکہ یوں دعاء کرے تو مضائقہ نہیں کہ: یا اللہ! فلاں مقبول بندے کے طفیل سے ہمارا کام کردے۔

سوال......زید سنتا ہے کہ فلاں بزرگ کی درگاہ نہایت عالیشان ہے، اس کو سن کر وہ سفر طے کر کے درگاہ کے دیکھنے کو جاتا ہے۔ یہ جانا کیسا ہے؟

الجواب......اگر وہاں بدعات ومنکرات میں مبتلا نہ ہو، تو جائز ہے۔

سوال......زید کہتا ہے اگر میرا فلاں کام ہو گیا، تو فلاں بزرگ کی درگاہ پر چادر چڑھاؤں گا، اور وہاں بنام خدا نیاز کروں گا۔ یہ کیسا ہے؟ اگر زید کا کام حسبِ منشاء ہو جائے، تو چادر چڑھانا اس پر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب......چادر قبر پر چڑھانا خود بھی ناجائز ہے، اور نذر اس کی کرنا دوسرا گناہ ہے۔ اور یہ نذر صحیح بھی نہیں ہوئی۔

سوال......مولود شریف جو مروجہ طریقہ سے ہوتا ہے کیا حکم رکھتا ہے؟ مولود میں قیام جائز ہے یا نہیں؟

الجواب......ناجائز ہے اور اگر بدعات وتعینات مروجہ سے خالی ہو، تو جائز ہے۔

سوال......شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کی گیارہویں ایصال ثواب کے لئے جائز ہے

یا نہیں؟

الجواب...... ایصال ثواب جائز ہے، بشرطیکہ گیارہویں کی تخصیص نہ کرے۔

سوال...... بزرگوں کی ارواح کو ثواب پہنچانے کے لئے کھانا مزاروں پر بھیجا جاتا ہے جائز ہے یا نہیں؟ اگر مکان میں فاتحہ دلا کر ایصال ثواب کر دیا جائے۔ تو کیا ثواب کم ہوتا ہے؟ جیسے اکثر لوگوں کو مقولہ ہے کہ نیاز قبول نہیں ہوسکتی، جب تک مزاروں پر نہ بھیجی جائے؟

الجواب...... مزار پر بھیجنا فضول اور لایعنی حرکت ہے، ہر جگہ سے ایصال ثواب ہوسکتا ہے۔

سوال...... حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی فاتحہ خوانی جو عشرۂ محرم میں ہوتی ہے، اس کے لئے کیا حکم ہے؟ نیز ان کا ذکرِ شہادت پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب...... ایصال ثواب یا ذکرِ شہادت کے لئے عشرۂ محرم کی تخصیص لغو اور بدعت ہے۔ بلا تعین کبھی کسی وقت کرے، تو جائز اور ثوابِ عظیم ہے۔ فقط

بندہ محمد شفیع غفرلہ

۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ

بدع الناس عن محدثات الاعراس

یعنی عرس مروج کا شرعی حکم

تاریخ تالیف ______

مقامِ تالیف ______ ماخوذ از امداد المفتین

مروجہ عرس کے احکام پر مشتمل یہ رسالہ امداد المفتین کا حصہ چلا آرہا ہے۔
اب اسے جواہر الفقہ جدید میں بھی شامل کردیا گیا ہے۔

بدع الناس عن محدثات الاعواس

یعنی عرس مروج کا شرعی حکم

سوال:

(۱) عرس کے لغوی معنی کیا ہیں اور اصطلاح شرع میں عرس کی کیا تعریف ہے؟ قرون ثلثہ میں اس کا وجود تھا یا نہیں، اور اگر نہیں تھا تو کب سے ہوا؟

(۲) آج کل ہند و بنگال کے چند مواضع مثلاً اجمیر، بریلی اور چاٹگام وغیرہ میں ایک تاریخ معین میں کوئی شاہ صاحب کسی مزار پر سجادہ نشین ہو کر بیٹھے ہیں اور ان کے مریدین ومعتقدین کا جم غفیر ہوتا ہے اور مزار پر عمدہ سے عمدہ بیش بہا قیمت کا غلاف چڑھایا جاتا ہے اور اوپر شامیانے لگائے جاتے ہیں اور مزار پر چراغاں کیا جاتا ہے اور مزار کے گرد لوگ اس مردہ کی شان میں مضمون نعتیہ گاتے ہیں اور ناچتے کودتے ہیں یہ امور جائز ہے یا نہیں، اس صورت کے ساتھ عرس کرنے والے اور اس میں شریک ہونے والے بدعتی ہیں یا نہیں؟

(۳) چند پیر یہاں ایسے بھی ہیں جو اپنے پیروؤں سے سجدہ کراتے ہیں بس اس قسم کے حکم کرنے والے اور اس کے عاملین مرتد اور بے دین ہیں یا نہیں، اور بعض پیر تو زبان سے حکم نہیں کرتے لیکن مریدین انہیں سجدہ کرتے ہیں اور وہ منع نہیں کرتے پس ایسے پیر کے لیے کیا حکم ہے کیا یہ لوگ حسب فرمان نبوی ''الساکت عن الحق شیطان اخرس'' شیطان نہیں ہیں؟ اور یہ مرتکب معصیت کبیرہ ہیں یا نہیں؟ اور بعض پیر اپنے مریدوں کو منع کرتے ہیں لیکن مرید نہیں مانتے اور سجدہ کرتے ہیں اس وقت کبھی منع کرتے ہیں اور کبھی دم

بخود ہوکر رہ جاتے ہیں لیکن پھر بھی عرس بند نہیں کرتے کہ جس سے اس شرک و بدعت کا قلع قمع ہو جائے بلکہ عرس کو باعث ثواب سمجھتے ہیں ایسے شخص کے لیے کیا حکم ہے؟ پھر یہ پیر صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ میں کیا کروں لوگ سجدہ کرتے ہیں منع کرتا ہوں وہ نہیں مانتے، میں معذور ہوں۔

(۴) پیر کی کیا تعریف ہے مرتکب امور بالا کو پیر بنانا اور اس کا معتقد ہونا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) سجدہ لغیر اللہ مطلقا حرام ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے بعض لوگ سجدہ تحیہ کو جائز کہتے ہیں اور وہ یہ جاہل پیر لوگ ہیں کیا واقعۃً بھی ایسا ہی ہے کوئی ان میں فتوی تیسیر کا حوالہ بھی دیتا ہے اور کوئی فتح القدیر کا، آیا وہ عبارات صحیح ہیں یا نہیں؟

(۶) بدعت کی تعریف اور تقسیم مع حوالہ کتب تحریر فرماتے ہوئے یہ بھی تحریر فرمایئے کہ کونسی بدعت معصیت ہے اور کونسی نہیں اور عرس اگر بدعت ہو تو عرس کرنے والے کو بدعتی کہیں گے اور اس کے پیچھے نماز کیسی ہوگی نیز عرس کے بدعت ہونے پر بھی اگر کوئی شخص اسے نہ چھوڑے بلکہ اس پر مداومت اور اصرار کرے اور اسے جائز اور قابلِ ثواب کرنے کے لیے کوشش کرے تو ایسا شخص مصر علی المعصیت ہے یا نہیں اور اصرار علی المعصیۃ عمداً اور باعث ثواب سمجھ کر کرنا کیسا ہے؟

(۷) جن بدبودار چیزوں کو کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت کی گئی ہے اور وہ شخص مسجد میں بسبب اس اختیاری کے نہ آئے اور جماعت میں شامل نہ ہو لیکن نیت جماعت کی رکھے تو جماعت کا ثواب اسے ملے گا یا نہیں، اور جو لوگ اضطراراً معذور ہوں ابخر اور اذفر ہوں تو آیا ان کے لیے بھی ''لا یقربن مسجدنا '' کا حکم ہوگا اور ان کے لیے بھی ممانعت ہو تو انہیں بنا بر نیت حضوری جماعت کے جماعت کا ثواب مل گیا یا نہ؟

الجواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم عرس بضم اول و بضمتین لغت عرب میں طعام ولیمہ کو نیز نکاح کو کہا جاتا ہے کما صرح بہ فی القاموس۔ آج کل ہمارے دیار میں جس کو لوگ عرس

کہتے یعنی کسی بزرگ کی تاریخ وفات پر سالانہ ان کی قبر پر اجتماع اور میلہ قائم کرنا یہ فعل بھی بدعت مستحدثہ ہے اور یہ نام بھی اس کے لیے مستحدث ہے، قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں کیا قرون مابعد میں بھی صدیوں تک اس کا کہیں نام، نشان نہ تھا بہت آخر زمانہ میں ایجاد ہوا ہے مشہور یہ ہے کہ جس طرح اور تمام بدعات کی اصل ابتداء بری نہ تھی بعد میں لوگوں کی تعدی نے اس کو گناہ اور بدعت بنادیا اس طرح اس میں بھی ابتدائی واقعہ یہ ہوا ہے کہ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سالانہ غیر معین تاریخوں میں پیران کلیر حضرت مخدوم صاحبؒ کے مزار پر حاضر ہوتے تھے اس کی خبر سن کر آپ کے مرید بھی آنے لگے پھر لوگوں نے اس خیال سے کہ حضرت شیخ کے ساتھ حاضری کے شائقین کو دشواری ہوتی ہے کوئی دن بھی متعین کردیا یہاں تک بھی منکرات کا ہجوم نہ تھا پھر بعد میں جہلاء ومبتدعین نے اس کو اس حد تک طول دے دیا کہ سینکڑوں محرمات اور افعال شرک وکفر کا تماشہ گاہ ہو گیا اور پھر یہ رسم سب جگہ چل پڑی اب مسئلہ عرس میں دو حیثیت قابل بیان ہیں اول نفس عرس خالی از دیگر منکرات دوسرے مع بدعت ومنکرات مروجہ۔

سوامر اول کا جواب تو یہ ہے کہ اتفاقی طور پر کوئی شخص کسی بزرگ کے مزار پر بلاتعین تاریخ وبلا اہتمام خاص کے اگر ہمیشہ سالانہ بھی جایا کرے تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ مستحب ہے بشرطیکہ منکرات مروجہ وہاں نہ ہوں کما اخرج ابن جریر عن ابراھیم قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاتی قبور الشھداء علی راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار۔

ابو بکر وعثمان رضی اللہ عنہما سے اس قسم کے متعلق شاہ عبد العزیز صاحبؒ اپنے مکاتیب میں فرماتے ہیں کہ تعین روز عرس برائے آنست کہ آں روز بذکر انتقال ایشاں می باشد نہ دار العمل بدار الثواب والا ہر روز کہ ایں عمل واقع شود موجب فلاح ونجات است۔ از مجموعہ فتاوی صفحہ: ۶۹/۳۔

لیکن کسی معین تاریخ کو ضروری سمجھنا یا ایسا عمل کرنا جس سے دیکھنے والوں کو ضروری معلوم ہو اور نہ کرنے والوں پر اعتراض کی صورت پیدا ہو یہ ایک بدعت سیئہ ہے جس کا اصول اسلام میں کہیں نام نہیں۔

امر دوم۔ یعنی عرس مصطلح مع منکرات مروجہ جو لوازم عرس سے سمجھے جاتے ہیں اس کا جواب ظاہر ہے کہ ایک تو فی نفسہ بدعت اور پھر اس میں بہت سے مشرکانہ افعال اور بدعات اور امور قبیحہ کا ارتکاب لازم آتا ہے اس لیے بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہو گیا جن میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) چراغ جلانا جو بنص حدیث حرام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر چراغ جلانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (مشکوۃ)

(۲) چادر وغیرہ چڑھنا جس کی حدیث صریح میں مخالفت ہے۔ (بخاری)

(۳) ان کے نام کی نذر و منت ماننا جو مطلقاً حرام ہے:

قال فی البحر الرائق الاجماع علی حرمة النذر للمخلوق ولا ینعقد ولا یشتغل به الذمة وانه حرام بل سحت ولا یجوز لخادم الشیخ اخذه ولا اکله ولا التصرف فیه بوجه من الوجوه.

(۴) پھر اس نذر کی مٹھائی وغیرہ کو تبرک سمجھ کر کھانا اور تقسیم کرنا حالانکہ اس کا حرام ہونا اوپر کی عبارت بحر سے معلوم ہو گیا ہے اس کے حلال و تبرک سمجھنے میں تو اندیشہ کفر کا ہے۔

(۵) راگ باجہ وغیرہ جس کی حرمت و ممانعت پر احادیث کثیرہ صراحۃً وارد ہوئی ہیں تفسیر روح المعانی میں آیت لہو الحدیث کے ذیل میں تعداد کثیر ان روایات کی جمع کی گئی ہے فلیراجع نیز شیخ ابن حجر مکی رسالہ کف الرعاع عن محرمات اللہو والسماع بھی اس موضوع میں کافی شافی ہے [1]۔ خود صوفیائے کرام کی ایک جماعت کثیرہ نے بھی اس کو ناجائز فرمایا ہے ملاحظہ ہو رسالہ ''حق السماع لحکیم الامۃ مولانا التھانویؒ''۔

(۶) فاحشہ عورتوں کا گانا اور اجتماع جو بہت سے محرمات کا مجموعہ ہے۔

(۷) عام عورتوں کا قبروں پر جمع ہونا جس پر حدیث میں ارشاد ہے ''لعن اللّٰہ زوارات القبور''۔

(۸) قبروں پر مجاورین کا بیٹھنا جس کی ممانعت حدیث وفقہ کی معتبر کتاب میں منصوص ہے۔

(۹) قبر کا طواف کرنا جو قطعاً حرام ہے ملا علی قاریؒ شرح مناسک باب زیارت روضۂ اقدس میں فرماتے ہیں:

ولا یطوف ای لا یدور حول البقعة الشریفة لان الطواف من مختصات الکعبة المنیفة یحرم حول قبور الانبیاء والاولیاء. انتهی.

(۱۰) سجدہ کرنا جو بقصد عبادت ہو کفر صریح ہے اور بلا قصد عبادت انتہائی درجہ کا گناہ کبیرہ ہے کما سیاتی تفصیله۔ اگر تتبع کیا جاوے تو اس قسم کے سینکڑوں گناہ کا مجموعہ ان اعراس میں مشاہد ہو جائے گا، وفی ذلک کفایة لمن اراد الهدایة ۔ اسی لیے جس وقت سے اس قسم کے عرس کا رواج ہوا ہے اسی وقت سے علماء امت بلکہ خود صوفیاء کرام جو محقق ہوئے ہیں اس سے منع کرتے رہے ہیں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ جو علاوہ علوم ظاہرہ کے ماہر و مفتی و قاضی ہونے کے خاندان نقشبندیہ میں حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے خلفاء میں سے ہیں ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں، قبور اولیاء بلند کردن وگنبد براں ساختن وعرس وامثال آں وچراغاں کردن ہمہ بدعت است بعض ازاں حرام وبعض مکروہ پیغمبر خدا برشمع افروزاں نزد قبر سجدہ کنندگان رالعنت گفتہ۔ اور بریقہ شرح طریقہ محمدیہ صفحہ ۱۲۲ج ۱ میں ہے۔

واقبح البدع عشرة وعدّ منها طعام المیت وایقاد الشموع علی المقابر والبناء علی القبر وتزیینه والبیوتة عنده والتغنی والسماع واتخاذ الطعام للرقص واجتماع النساء لزیارة القبور الخ.

اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ محدث دہلوی مسائل اربعین میں فرماتے ہیں مقرر ساختن روز عرس جائز نیست، در تفسیر مظہری می نویسد :

لا یجوز ما یفعله الجهال بقبور الاولیاء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السراج والمساجد الیها ومن الاجتماع بعد الحول کالاعیاد ویسمونه عرسا.

اصول کی بات وہی ہے جو امام مالکؒ نے فرمائی ہے ’’ما لم یکن یومئذ لا یکون الیوم دینا‘‘

اس لیے جس عبادت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کے زمانہ میں اصل نہ ہو وہ عبادت نہیں گمراہی ہے رسالہ قشیریہ میں اکابر طرق کے بہت اقوال اس کی تائید میں لکھے گئے ہیں۔ فلیراجع ثمه ومثله فی مفتاح السنة للسیوطی صفحه ۵.

(۲) تفصیل مذکور سے ثابت ہوا کہ ایسا کرنے والے بدعتی اور سخت گنہگار ہیں۔

سجدۂ تعظیم کا حکم شرعی

(۳) غیر اللہ کو سجدہ کرنا اگر بہ نیت عبادت ہو تو کفر صریح اور ارتداد محض ہے (نعوذ باللہ منہ) اور اگر بہ نیت عبادت نہ ہو بلکہ قصد تعظیم معروف ہو تو ارتداد و کفر تو نہیں لیکن سخت تر گناہ اور قریب شرک ہے۔

کذا قال ابن حجر المکی فی الاعلام بقواطع الاسلام علی هامش الزواجر صفحه ۳۲ ج ۳.

وفی المواقف وشرحها من صدق بما جاء به النبی صلی الله علیه وسلم ومع ذلک سجد للشمس کان غیر مؤمن بالاجماع لان سجوده لها یدل بظاهره انه لیس بمصدق ونحن نحکم بالظاهر فلذلک حکمنا بعدم ایمانه لان عدم السجود لغیر الله داخل فی حقیقة الایمان حتی لو

علـم انـه لـم يسجد لها على سبيل التعظيم و اعتقاد الوهية بل سجد لها وقلبـه مطمـئـن بالايمان لم يحكم بكفره فيما بينه وبين الله تعالى و ان اجرى عليه حكم الكافر في الظاهر انتهى. ثم قال نقلا عن الروضة وليس من هـذا مـا يـفـعـلـه كثير من الجهلة الظالمين من السجود بين يدى المشائخ فان ذلک حرام قطعا بكل حال سواء كان للقبلة او لغيرها وسواء قصد السجود لله او غفل وفى بعض صورة ما يقتضى الكفر عافانا الله تعالىٰ من ذلک انتهى فافهم انه قد يكون كفرا بان قصد به تعظيمه الخ.

یہی مضمون حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ محدث دہلوی نے مائۃ مسائل کے مسئلہ (۳۳) میں ذکر فرمایا ہے اور حلبی نے شرح منیہ کبیر میں کہا ہے **لو سجد غير الله يكفر**۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا انتہائی درجہ کا سخت گناہ ہے اور جو پیر اپنے سامنے اس گناہ کو جاری رکھتے ہیں اگر چہ خود نہ کریں وہ بھی شریک گناہ ہیں اگر بالفرض لوگ اس کا کہنا نہیں مانتے تو یہ پیر ہی کس کام کا ہے، کم از کم اس کو ان سے علیحدہ ہو جانا فرض ہے۔

الغرض ایسے پیروں سے بیعت کرنا حرام ہے جو حدود شرعیہ کی پروا نہ کرتے ہوں، جیسا کہ امام غزالیؒ نے اپنی اکثر تصنیفات میں اور رسالہ قشیریہ۔ عوارف المعارف وغیرہ[1] میں خود ائمہ تصوف کے اقوال سے اس کو ثابت کیا ہے۔

بدعتی پیر سے بیعت نا جائز ہے

(۴) حضرت شاہ ولی اللہؒ نے القول الجمیل میں پیر یعنی شیخ کامل کی چند شرطیں لکھی ہیں جو شخص ان شرائط کے ساتھ موصوف نہ ہو اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنا چاہئے بالخصوص جو شخص مرتکب امور مذکورہ فی السوال کا ہو اور معاصی کا مرتکب ہو اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا حرام ہے۔ ذلک کله ظاهر۔

(۵) سجدہ کے متعلق جو تفصیل نمبر (۳) میں مذکور ہو چکی ہے اس سے اتنی بات بالاجمال ظاہر ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ضرور ہے کفر ہونے میں تفصیل ہے حرمت میں

کوئی تفصیل نہیں، فتح القدیر کی طرف اباحت کو منسوب کرنا غلط محض ہے۔

بدعت کی تعریف اور اس کے اقسام واحکام

(۶) بدعت لغت میں ہر نئے کام کو کہتے ہیں خواہ عادت ہو یا عبادت جن لوگوں نے یہ معنی لیے ہیں انہوں نے بدعت کی تقسیم دو قسم میں کی ہے سیئہ اور حسنہ، جن فقہاء کے کلام میں بعض بدعت کو حسنہ کہا گیا ہے وہ اس معنی لغوی کے اعتبار سے بدعت ہیں ورنہ وہ در حقیقت بدعت نہیں اور معنی شرعی بدعت کے یہ ہیں کہ دین میں کسی کام کا زیادہ یا کم کرنا جو قرن صحابہ وتابعین کے بعد ہوا ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے کرنے کی اجازت منقول نہ ہو قولاً نہ فعلاً نہ صراحۃً نہ اشارۃً۔ **هذا ملخص ما فی الطریقة المحمدية وهو اجمع ما رأيت من تعريف البدعة وان اردت التفصيل فراجع الى بريقة شرح الطريقة: ص ۱۲۸ ج ۱)**

پھر بدعت میں درجات ہیں بعض مکروہ کے درجہ میں ہیں بعض حرام، بعض شرک اور مصر علی البدعۃ بہر حال فاسق ہے اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، کما فی الدر المختار وغیرہ وخلف مبتدع الخ۔

(۷) جب ان چیز کا ترک اس کے اختیار میں ہے اور ترک نہیں کرتا بلکہ جماعت کو ترک کر دیتا ہے تو خواہ نیت ہو یا نہ ہو ثواب جماعت نہ ہوگا البتہ جو معذور ہوں جیسے ابخر اذفر (گندہ دہن ۱۲ گندہ بغل) وغیرہ ان کے لیے یہی مناسب ہے کہ جماعت میں شریک نہ ہوں تاکہ لوگوں کو ایذاء نہ پہنچے ایسے لوگوں کو انشاء اللہ تعالیٰ جماعت کا ثواب گھر بیٹھے مل جائے گا کما صرح بہ الفقہاء التفصیل فی رسالتی[۱] اداب المساجد ربیع الاول ۱۳۵۰ ہجری

---

(۱) اور احقر کا رسالہ بزبان عربی ''السعی الحثیث فی تفسیر لهو الحديث'' جو احکام القرآن کا جزء ہے۔

مروجہ صلوٰۃ وسلام

کی شرعی حیثیت

تاریخ تالیف ——— ۱۲/ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ (مطابق ۱۹۶۱ء)

مقامِ تالیف ——— دیوبند

رسالہ کا مضمون نام سے ظاہر ہے۔

مروجہ صلوٰۃ وسلام کی شرعی حیثیت

ایک استفتاء اور اس کا جواب

استفتاء

الف...... بعض مساجد میں کچھ لوگ ایسا کرتے ہیں کہ جمعہ کی نماز یا دوسری نمازوں کے بعد التزام کے ساتھ جماعت بنا کر اور کھڑے ہو کر بآواز بلند بالفاظ ذیل سلام پڑھتے ہیں: یا رسول سلام علیک، یا نبی سلام علیک وغیرہ وغیرہ، ان میں بہت سے لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں، یا ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں، اس لئے یہ سلام خود سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ جو لوگ ان کے اس عمل میں شریک نہیں ہوتے، ان کو مطعون کرتے، اور طرح طرح سے بدنام کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں عموماً مسجدوں میں نزاع اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ دریافت طلب یہ ہے کہ کیا اس طرح کا سلام پڑھنا مسجدوں میں جائز ہے؟ اور متولّیان مساجد کو اس کی اجازت دینا چاہئے یا نہیں؟

ب...... جہان مذکورہ طریقہ پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے وہاں:

۱...... رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس محفل میں تشریف لاتے ہیں۔ یا

۲...... بغیر تشریف لائے سلام کو خود سن لیتے ہیں۔ یا

۳...... اس طرح کے صلوٰۃ وسلام کو فرشتے آپ تک پہنچا دیتے ہیں۔ ان میں سے کون سی بات صحیح ہے؟

ج...... طریقہ مندرجہ بالا پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا قیام کے بغیر کیسا ہے، اور قیام

کے ساتھ ہو، تو اس کا کیا حکم ہے؟

د...... اندرون مسجد یہ صلوٰۃ وسلام کیا حکم رکھتا ہے، اور مسجد کے باہر اس کا کیا حکم ہے؟

جواب باصواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

والسلام

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوالات کے جواب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام میں تمام عبادات نماز، روزہ، ذکراللہ، تلاوت قرآن وغیرہ سب کے لئے کچھ آداب و شرائط اور حدود و قیود ہیں۔ جن کی رعایت کے ساتھ یہ عبادات ادا کی جائیں، تو بہت بڑا ثواب اور فلاح دنیا و آخرت ہے، اور ان حدود و قیود سے ہٹ کر کوئی دوسری صورت اختیار کی جائے، تو ثواب کے بجائے عذاب اور گناہ ہے۔ نماز تمام عبادات میں افضل ہے، لیکن طلوع و غروب کے وقت نماز پڑھنا حرام ہے۔ مقرر کردہ رکعات میں کوئی رکعت زائد کر دے تو حرام ہے، جماعت کی نماز سنت مؤکدہ ہے، اور اس سے نماز کے ثواب میں ستائیس گنا اضافہ ہو جاتا ہے، لیکن کوئی نفل نماز کی جماعت کرنے لگے، تو ممنوع اور گناہ ہے۔ روزہ کتنی بڑی عظیم عبادت اور اس کا ثواب کتنا بڑا ہے، مگر عیدین اور ایام نحر میں روزہ رکھنا حرام ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت بہترین عبادت ہے، لیکن رکوع وسجدہ کی حالت میں تلاوت ممنوع اور ایسے مقامات پر جہاں لوگ سننے کی طرف متوجہ نہ ہوں، بلند آواز سے تلاوت ناجائز ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام افضل عبادات و

موجب برکات اور سعادت دنیا وآخرت ہے، مگر دوسری سب عبادات کی طرح اس کے بھی آداب وشرائط ہیں، جن کی خلاف ورزی کرنے سے ثواب کے بجائے گناہ لازم آتا ہے۔

الف...... جس ہیئت سے مساجد میں بطرز مذکور اجتماع اور التزام کے ساتھ درود وسلام کے نام پر ہنگامہ آرائی ہوتی ہے، اس کو درود وسلام کی نمائش تو کہا جاسکتا ہے، درود وسلام کہنا اس کا صحیح نہیں۔ کیونکہ وہ بہت سے مفاسد کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

۱...... سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مسجد پوری مسلمان قوم کی مشترک عبادت گاہ ہے، اس میں کسی فرد یا جماعت کو فرائض و واجبات کے علاوہ کسی ایسے عمل کی ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی، جو دوسرے لوگوں کی انفرادی عبادت نماز، تسبیح، درود، تلاوت قرآن وغیرہ میں خلل انداز ہو۔ اگرچہ وہ عمل سب کے نزدیک بالکل جائز اور مستحسن ہی کیوں نہ ہو۔ فقہاء رحمہم اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ مسجد میں بآواز بلند تلاوت قرآن یا ذکر جہری جس سے دوسرے لوگوں کی نماز یا تسبیح وتلاوت میں خلل آتا ہو ناجائز ہے۔ (شامی، خلاصۃ الفتاویٰ) ظاہر ہے کہ جب قرآن اور ذکر اللہ کو بآواز بلند مسجد میں پڑھنے کی اجازت نہیں، تو درود وسلام کے لئے کیسے اجازت ہوسکتی ہے۔

۲...... کسی نماز کے بعد اجتماع والتزام کے ساتھ بلند آواز سے درود وسلام پڑھنا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، نہ صحابہؓ وتابعین سے اور نہ ائمہ مجتہدین اور علماء سلف میں کسی سے۔ اگر یہ عمل اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک محمود ومستحسن ہوتا، تو صحابہؓ وتابعین اور ائمہ دین اس کو پوری پابندی کے ساتھ کرتے۔ حالانکہ ان کی پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا، اس سے معلوم ہوا کہ درود وسلام کے لئے اجتماع اور التزام کو یہ حضرات بدعت وناجائز سمجھتے تھے۔ جس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صحیح بخاری ومسلم میں بروایت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا منقول ہے:

من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد۔ یعنی جس شخص نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز نکالی، جو اس میں داخل نہ تھی، تو وہ مردود ہے۔ اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت جابرؓ وارد ہے: **و شر الامور محدثاتها و کل بدعة ضلالة** یعنی بدترین عمل وہ نئی چیزیں ہیں، جو خود ایجاد کی جائیں، اور ہر نو ایجاد عبادت گمراہی ہے۔ عبادت کے نام پر دین میں کسی نئی چیز کا اضافہ تعلیمات رسول کو ناقص قرار دینے کا مرادف اور بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریف دین کا راستہ ہے۔ اسی لئے حضرات صحابہ و تابعین نے اس معاملہ میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **کل عبادة لم یتعبدها اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم فلا تعبّدوها (الیٰ) و خذوا بطریق من کان قبلکم** یعنی جس طرح کی عبادت صحابہ کرامؓ نے نہیں کی، تم بھی اس کو عبادت نہ سمجھو، بلکہ اپنے اسلاف صحابہ کا طریق اختیار کرو۔

(کتاب الاعتصام للشاطبی ص:۳۱۱، ج:۲)

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: **اتبعوا آثارنا و لا تبتدعوا فقد کفیتم** یعنی تم لوگ ہمارے (صحابہ کرامؓ کے) آثار کا اتباع کرو، اور نئی عبادتیں نہ گھڑو، کیونکہ تم سے پہلے عبادت کا تعین ہو چکا ہے۔

تنبیہ

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ سب کلام انفرادی درود و سلام کے بارے میں نہیں۔ کیونکہ انفرادی طور پر درود کی کثرت کے فضائل حدیث و قرآن میں مذکور اور صحابہ و تابعین کا معمول ہے، نہ اس کے لئے کوئی وقت مقرر ہے، نہ تعداد جتنا کسی سے ہو سکے، اختیار کرے۔ اور سعادت دارین حاصل کرے۔ کلام صرف اس کی مروجہ اجتماعی صورت میں ہے۔

اسلام میں نماز سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں، مگر اس کی بھی نفلوں کی جماعت کو باتفاق فقہاء وائمہ مکروہ کہا گیا ہے، تو کسی دوسری چیز کی جماعت بنا کر دوام والتزام سے کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ کرنے والوں کو اس پر ایسا اصرار ہو، جیسے فرض وواجب پر، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ یہاں تک کہ جو لوگ اس میں شریک نہ ہوں، ان پر طعن وتشنیع کی جائے، جو کسی حال جائز نہیں۔ کیونکہ اگر بالفرض یہ عمل بدعت بھی نہ ہوتا، تب بھی زیادہ سے زیادہ ایک نفلی عمل ہوتا، جس پر فرض وواجب کی طرح اصرار کرنے اور دوسروں کو مجبور کرنے کا کسی کو حق نہیں۔

جس کام پر اللہ ورسول نے کسی کو مجبور نہیں کیا، کسی دوسرے کو اس پر مجبور کرنے کا کیا حق ہے، اور نہ کرنے کی صورت میں اس پر طعن وتشنیع کرنا، ایک مستقل کبیرہ گناہ ہے، جس میں یہ حضرات ناواقفیت سے مبتلا ہوتے ہیں۔ اور اس پر غور نہیں کرتے کہ خود ان کے نزدیک بھی یہ عمل زیادہ سے زیادہ مستحب اور نفل ہے۔ ایک نفل کی خاطر کبیرہ گناہ میں مبتلا ہونا کونسی دانشمندی ہے۔

۳...... خطاب کے الفاظ یا رسول۔ یا نبی اگر اس عقیدہ سے ہوں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر زمان ومکان میں موجود اور ہر جگہ حاضر وناظر ہے، کائنات کی ہر آواز کو سنتا اور ہر حرکت کو دیکھتا ہے۔ اسی طرح (معاذ اللہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان خدائی صفات میں شریک ہیں، تو یہ کھلا ہوا شرک اور نصاریٰ کی طرح رسول کو خدائی کا درجہ دینا ہے۔ اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں، تو گو بصورت معجزہ ایسا ہونا ممکن ہے، مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ قرآن یا حدیث سے اس کا ثبوت ہو، حالانکہ کسی آیت یا حدیث میں قطعاً اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اور بغیر ثبوت ودلیل کے اپنی طرف سے کوئی معجزہ گھڑ لینا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء ہے، جس کے بارہ میں آپ نے فرمایا ہے:

من کذب علیّ متعمدًا فلیتبوء مقعده من النار یعنی جو شخص میری

طرف جھوٹی بات منسوب کرے، اس کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھ لے، اور اگر اس طرح کا کوئی بھی غلط عقیدہ نہ ہو، تب بھی موہم الفاظ ہیں، جن میں اس عقیدۂ فاسدہ کو راہ ملتی ہے۔ اس لئے بھی ان سے اجتناب ضروری ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام کو یا عبدی کہہ کر پکارنے سے اسی لئے منع فرمایا کہ یہ الفاظ موہم شرک ہیں۔

البتہ روضۂ اقدس کے سامنے الفاظ خطاب کے ساتھ سلام پڑھنا سنت سے ثابت اور مستحب ہے، کیونکہ وہاں براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام سننا اور جواب دینا روایات حدیث سے ثابت ہے۔

الغرض روضہ اقدس کے علاوہ دوسرے مقامات میں اگر ان الفاظ خطاب کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ ہے، تو کھلا ہوا شرک ہے۔ اور مجلس میں تشریف لانے کا عقیدہ ہے، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء اور بہتان ہے۔ اور دونوں میں سے کوئی غلط عقیدہ نہیں، تو بھی موہم شرک ہونے کی وجہ سے ایسے الفاظ ممنوع ہیں۔ پھر اس ناجائز عمل پر اصرار کرنا دوسرا گناہ ہے، اور فرض و واجب کی طرح اس کو ضروری سمجھنا تیسرا گناہ ہے، اور اس میں شریک نہ ہونے والے بے گناہ مسلمانوں کو برا بھلا کہنا اور مطعون کرنا چوتھا گناہ ہے۔ اور مساجد میں بآواز بلند کہہ کر دوسرے مشغول لوگوں کے شغل میں خلل انداز ہونا پانچواں گناہ ہے۔

افسوس ہے کہ بہت سے نیک دل مسلمان قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے ناواقف ہونے کے سبب اس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعظمت کا نشان سمجھ کر اس میں شریک ہوتے ہیں۔ یہ جذبۂ محبت وعظمت بلاشبہ قابلِ قدر و مبارکباد ہے، مگر اس کا بے جا استعمال ایسا ہی ہے، جیسے کوئی اللہ تعالیٰ کی محبت میں مغرب کی نماز تین کے بجائے چار رکعت پڑھے اور اپنے دل میں یہ حساب لگائے کہ ایک رکعت زیادہ پڑھی ہے، تو مجھے ثواب اوروں سے زیادہ ملے گا، حالانکہ وہ کمبخت اپنی

تین رکعتوں کا ثواب بھی کھو بیٹھا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اجتماع اور التزام کے ساتھ کھڑے ہو کر بآواز بلند مسجدوں میں درود وسلام پڑھنے کا مروجہ طریقہ سراسر خلاف شرع اور باہم نزاع وجدال اور مسجدوں کو اختلافات کا مرکز بنانے کا سبب ہے۔ اس لئے متولیان مسجد اور اربابِ حکومت پر لازم ہے کہ مسجدوں میں اس کی ہرگز اجازت نہ دیں۔ اگر کسی کو کرنا ہے، تو اپنے گھر میں کرے، تاکہ کم از کم مسجدیں تو شور وشغب اور نزاع وجدال سے محفوظ رہیں۔

ب......سوال الف کے جواب میں واضح ہو چکا ہے کہ اس مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کا فیصلہ خود ایک حدیث میں اس طرح فرمایا ہے:

من صلّی علیّ عند قبری سمعته و من صلّی علیّ نائیا ابلغته (مشکوٰۃ از بیہقی) یعنی جو شخص میری قبر کے پاس درود وسلام پڑھتا ہے، اسے میں خود سنتا ہوں، اور جو دور سے درود وسلام بھیجتا ہے، وہ (فرشتوں کے ذریعہ) مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔

ج......جس طرح ذکر اللہ تلاوت قرآن کھڑے ہو کر بیٹھ کر بلکہ لیٹ کر بھی ہر طرح جائز ہے، اسی طرح درود شریف بھی ہر طرح جائز ہے۔ ہاں! اگر کوئی کھڑے ہو کر پڑھنے کو ضروری اور اس کے خلاف کو بے ادبی سمجھے، تو یہ ایک غیر واجب کو اپنی طرف سے واجب قرار دینے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ خصوصاً جب کہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درود شریف کو بیٹھ کر پڑھنے کی سنت جاری فرمائی ہے، تو بیٹھ کر درود وسلام پڑھنے کو خلاف ادب کہنا اس حکم ربانی اور تعلیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے۔ جیسے کوئی یہ کہے کہ قرآن کو صرف کھڑے ہو کر پڑھنا چاہئے، بیٹھ کر پڑھنا بے ادبی ہے۔

د......جواب الف میں واضح ہو چکا ہے کہ بطرز مذکور سلام پڑھنے کے لئے اجتماع

والتزام تو بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہے، جو مسجد میں بھی ناجائز ہے، اور مسجد سے باہر بھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ مسجد میں اگر کوئی بیٹھ کر مسنون درود وسلام کے الفاظ کو بھی بآواز بلند اس طرح پڑھے، جس سے دوسرے حاضرین مسجد کے شغل میں خلل آتا ہو، تو وہ بھی ناجائز ہے، اور مسجد سے باہر اس کی گنجائش ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

ہمدردانہ مشورہ

ہر شخص کو اپنی قبر میں سونا اور اپنے اعمال کا جواب دینا ہے، اور ان معاملات میں جتھ بندی اور قدیم آبائی رسوم پر ضد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر سنجیدگی کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو سمجھنا چاہئے، اور یہ غور کرنا چاہئے کہ دنیا کے تو تمام معاملات میں ہمارے جھگڑے چلتے ہی رہتے ہیں، کم از کم اللہ کے گھر اور عبادت نماز کو تو ہر طرح کے جھگڑے فساد سے محفوظ رکھا جائے۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دارالعلوم۔ کراچی

۱۲/۱۱/۱۳۸۱ھ

مروجہ سیرت کمیٹی
اور اس کی شرعی حیثیت

تاریخ تالیف ـــــــ ۳ر صفر ۱۳۵۱ھ (مطابق ۱۹۳۲ء)

مقامِ تالیف ـــــــ دار العلوم دیوبند

آج کل سیرت کمیٹی کے نام سے ربیع الاول میں جو مجالس منعقد کی جاتی ہیں ان میں بہت سے امور شرعی حدود سے متجاوز ہوتے ہیں اس سے متعلق ایک استفتاء کا جواب۔

مروجہ سیرت کمیٹی اور اس کی شرعی حیثیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال ...... کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارہ میں کہ آج کل ملک کے اندر سیرۃ کمیٹی اور یوم النبی کے نام سے ماہ ربیع الاول میں جو مجالس منعقد کی جاتی ہیں، جس میں بہت سے امور شرعی حدود سے متجاوز اور منکر بھی خلط ہو جاتے ہیں، روایات کی نقل میں معتبر اور غیر معتبر کا کوئی معیار قائم نہیں رکھا جاتا۔

نیز سال بھر کے بارہ مہینوں میں محض ربیع الاول اور مہینے کے تیس دنوں میں سے صرف بارہ تاریخ کی خصوصیت اس کے لئے رکھی گئی ہے۔

نیز بعض ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس سیرۃ کمیٹی کے پردہ میں قادیانی اثرات اور اس کی تحریک کی تبلیغ واشاعت کی جاتی ہے، اور مقصد بھی اس تحریک سے اشاعت مذہب قادیان ہے۔

لہٰذا عرض ہے کہ ان قیودات مروجہ اور تخصیصات کے ساتھ ان سیرۃ کمیٹیوں کا انعقاد از روئے شرع شریف کیا حیثیت رکھتا ہے؟ بیّنوا توجروا.

جواب ...... سیرت کمیٹی کی تحریک ابتداء میں سخت تلبیس کے ساتھ اٹھائی گئی، اس کو منکرات اور رسوم بدعیہ سے پاک دکھلایا گیا، اور ایسے دل فریب مقاصد وقواعد سطح پر رکھے گئے، جن کو دیکھ کر ہر شخص موافقت پر مجبور ہو، کیونکہ بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ اور آپ کے حالات ومقالات کا مسلمانوں تک خصوصاً اور تمام عالم میں عموماً صحیح

صورت میں شائع کر دینا اسلام اور مسلمانوں کا اہم ترین فریضہ ہے۔ اور تمام مدارس و مکاتب اور تعلیم و تبلیغ کی روح یہی ہے، اس کی ضرورت کا احساس قلوب میں پہلے ہی سے تھا، اس تحریک سے اس کو عملی صورت میں آتے ہوئے دیکھ کر عام مسلمانوں نے اس آواز پر لبیک کہا۔ لیکن اہل علم و فراست کو پہلے ہی سے یہ خطرہ تھا کہ مبادا یہ تحریک کوئی بدعت و ضلالت کی صورت اختیار کر لے، اور اگر چہ اس وقت اس کو سادہ رنگ میں ظاہر کیا جاتا ہے، لیکن عوام کی آمیزش خیال سے کچھ عرصہ کے بعد اس میں بھی وہی رسمی بدعات و خرافات شامل ہو جائیں۔ جو عید میلاد وغیرہ کی قدیم رسوم میں ہیں۔ اس لئے علماء کرام کی بہت بڑی جماعت نے تو اسی وقت سے اس کی موافقت کسی عنوان سے نہیں کی۔ اور بعض مقتدر حضرات علماء نے موافقت کی بھی تو ایسی قیود و شرائط لگا کر کہ جن کی وجہ سے کوئی بدعت اس میں شامل نہ ہو سکے۔ لیکن افسوس کہ بانیان تحریک نے اس میں خیانت سے کام لیا، اور ان کی تحریرات میں سے قیود و شرائط کو علیحدہ کر کے مطلقاً اپنی موافقت شائع کر دی، جس کا راز یہ تھا کہ ان کو ان قیودات و شرائط کا خلاف کرنا، اور اس تحریک کو مجموعہ بدعات بنانا تھا۔ چنانچہ تین سال کے قلیل عرصہ میں اس کی حقیقت کھل گئی۔ اور یہ تحریک اصلی صورت میں دنیا کے سامنے آ گئی، تو معلوم ہوا کہ یہ وہی مشہور بدعت ہے، جس کو پہلے عید میلاد کے نام سے تعبیر کرتے تھے۔ آٹھویں صدی ہجری کے مشہور و معروف امام حدیث و تفسیر علامہ شاطبی اپنی کتاب الاعتصام میں تحریر فرماتے ہیں:

و اما غير العالم و هو الواضع لها يعنى البدعة فانه لايمكن ان يعتقدها بدعة بل هى عنده مما يلحق بالمشروعات كقول [1] من جعل يوم الاثنين يصام لانه

---

(۱) بدعات غیر مشروعیہ کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں، جیسے اس شخص کا قول جو یوں کہے کہ پیر کے روز روزہ رکھنا اس لیے ثواب ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کا دن ہے اور ۱۲ ربیع الاول کو عیدین کے ساتھ ملحق کردے اس لیے کہ آنحضرت ﷺ اس میں پیدا ہوئے ہیں ۱۲۔

یوم مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم و جعل الثانی عشر من ربیع الاول ملحقاً بایام الاعیاد لانہ علیہ السلام ولد فیہ الخ (الاعتصام ص: ۲۱۴، ج: ۲)

اور ساتویں صدی ہجری کے مشہور و معروف بزرگ علامہ ابن الحاج رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مدخل میں اس بحث کو مستقل فصل میں بیان فرمایا، جس کے متفرق جملے درج ذیل ہیں:

و جملۃ (۱) **ما احدثوہ من البدع مع اعتقادھم ان ذالک من اکبر العبادات و اظھار الشرائع ما یفعلونہ فی شھر ربیع الاول من المولد و قد احتوی علی بدع و محرّمات الخ** مدخل ص: ۲۶۱، ج: ۱۔

باقی رہے وہ موہوم منافع جن کو اس تحریک کا سنگ بنیاد بتلایا جاتا ہے، اول تو ان محرمات و منکرات کے ساتھ جو ان جلسوں میں مشاہد ہو رہے ہیں، ان کا حصول ہی متصور نہیں۔ اگر بالفرض وہ منافع حاصل بھی ہوں، مگر ایک مستقل بدعت و ضلالت اور بہت سے معاصی کا نتیجہ ہو کر حاصل ہو، تو کیا کوئی عاقل ان منافع کی وجہ سے اس مجموعہ منکرات کو جائز کہہ سکتا ہے؟ اور اگر اس کو جائز کہا گیا، تو پھر دنیا میں کوئی گناہ گناہ نہیں رہ سکتا ہے۔ کیونکہ کوئی برے سے برا کام اور سخت سے سخت گناہ ایسا نہیں، جس میں کچھ نہ کچھ منافع و فوائد نہ ہوں۔ اور ظاہر ہے اگر منافع نہ ہوں، تو ان کے پاس ہی کون جائے۔ لیکن ان منافع کے موجود ہونے کا اقرار کرنے کے باوجود قرآن کریم کا فیصلہ ایسے امور میں یہی ہے کہ

---

(۱) منجملہ ان بدعات کے جو لوگوں نے گھڑ لی ہیں اور اس کے ساتھ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ سب سے بڑی عبادت اور دین کی نشر و اشاعت ہے، وہ بدعات ہیں جو ماہ ربیع الاول میں مجلس مولد کے نام سے کی جاتی ہیں حالانکہ یہ مجلس بہت سی بدعات اور محرمات پر مشتمل ہے ۱۲ مدخل

اثمهما [1] **اکبر من نفعهما** اور اگر ذرا غور کیا جائے، اور صرف سطحی اور وقتی چیزوں سے گزر کر اسلامی تاریخ کے مجموعی حالات پر نظر ڈالی جائے، تو بلاشبہ ہر آنکھوں والے پر یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے کسی وقت اور کسی حال وہ طریقہ نافع نہیں ہو سکتا، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ کی سنت سنیہ سے جدا ہو۔

مسلمانوں کی دینی ترقیات و منافع تو اتباع پر موقوف ہیں ہی، لیکن ساڑھے تیرہ سو برس کی اسلامی تاریخ کا تجربہ یہ بھی بتلاتا ہے کہ مسلمانوں کی تمام دینوی ترقیات بھی بحیثیت مجموعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی سنت کے اتباع پر موقوف ہیں۔ اور اس کا یقین کرنا پڑتا ہے کہ اس موجودہ تنزل و انحطاط کے بعد بھی اگر اس امت مرحومہ کے لئے کوئی ذریعہ سنبھلنے کا ہے، تو وہی اور صرف وہی ذریعہ ہے، جس نے ان کو اول مرتبہ تمام گمراہیوں اور ذلتوں کی اندھیریوں سے نکالا تھا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی سنت کا اتباع۔ امام دارالہجرۃ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے:

لایصلح آخر هذه الامة الا ما صلح به اولها

اس امت کی اصلاح صرف وہی طریقہ کر سکتا ہے، جس نے اس امت کے متقدمین اور سلف کی اصلاح کی تھی۔

اور ارشاد فرمایا ہے:

مالم یکن یومئذ دیناً لایکون الیوم دیناً (اعتصام)

اور جو چیز اس وقت یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے زمانہ میں دین نہیں تھی، وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔

(۱) ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑھا ہوا ہے۔ ۱۲

اور مسلمانوں کی اصلاح یا اسلام وتعلیمات اسلام کی اشاعت وتقویت کیلئے نئے نئے طریقے اور رسوم بدعت ایجاد کرنے کی ممانعت جو بے شمار آیات واحادیث میں وارد ہے۔اس کا راز بھی امام مالکؒ نے خوب ظاہر فرمایا ہے۔وہ فرماتے ہیں:

من ابتدع فی الاسلام بدعة یراها حسنة فقد زعم ان محمداً صلی الله علیه وسلم خان الرسالة لان الله تعالیٰ یقول الیوم اکملت لکم دینکم فمالم یکن یومئذٍ دیناً لایکون الیوم دیناً. (اعتصام للشاطبی ص: ۴۷۰، ج:۱)

جو شخص اسلام میں کوئی بدعت ایجاد کرے، جس کو وہ نیکی سمجھتا ہو، گویا وہ اس کا مدعی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے احکام امت کو پہنچانے میں خیانت کی۔ (کہ یہ نیکی ان کو نہیں بتلائی) کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے آج تمھارا دین کامل کر دیا ہے، تو جو چیز اس دن دین میں داخل نہ تھی، وہ آج بھی دین نہیں بن سکتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ سیرت کمیٹی کی موجودہ تحریک ان موجودہ تعینات وتشخصات کے ساتھ خود بھی ایک بدعت سیئہ ہے، جو اگر دوسرے منکرات پر مشتمل نہ ہو۔ تو اس وقت بھی گناہ ہے۔اور بالخصوص اب تو اطراف ہندوستان سے ان جلسوں کی جو کیفیات موصول ہو رہی ہیں، وہ ایک خطرناک صورت اختیار کرتی جارہی ہے۔اور ذکر سیرت کی آڑ میں محرمات لہو ولعب اور تماشے کئے جاتے ہیں۔جن کے مقابلہ میں نصاریٰ کی رسم کرسمس ڈے بھی گرد ہوگئی۔ اس لئے ضرورت ہوئی کہ اس تحریک کی ابتدائی تلبیس کی وجہ سے جن حضرات علماء نے قیود وشرائط مناسبہ کے ساتھ اس میں شرکت کی اجازت دی تھی، ان سے مکرر استفتاء کیا جائے۔ چنانچہ نائب شیخ الہند حضرت مولانا سید حسین احمد صاحبؒ مدنی صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ اس بارہ میں درج ذیل ہے جو کہ سیکرٹری خلافت کمیٹی کاندھلہ کے استفسار کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔

نائب شیخ الہند حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مد ظلہم

صدر مدرس دار العلوم کا

مکتوب گرامی

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

والا نامہ باعث سرفرازی ہوا، یادآوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں، سیرت کمیٹیوں کا انشاء اور اختراع قادیانیوں کی طرف سے تو نہیں ہوا، مگر بعض اوقات میں اس سے قادیانیوں نے فائدہ ضرور اٹھانا چاہا۔ اور اٹھایا، اس کا بیڑا اٹھانے والے شیخ عبد المجید صاحب قریشی ساکن پٹی لاہور ہیں۔ قریشی صاحب نے ابتداء میں اس کے متعلق مختلف مقامات سے رائے لی۔ چنانچہ میرے پاس اور مولانا کفایت اللہ صاحب کے پاس بھی ان کے خطوط آئے تھے۔ ہم دونوں کے جوابات تقریباً متفق تھے، خلاصہ یہ تھا کہ یہ امر نہایت مستحسن ہے، بشرطیکہ اس کے لئے کوئی تاریخ اور مہینہ متعین نہ ہو، کبھی صفر میں ہو، تو کبھی جمادی الاولیٰ میں، کبھی ربیع الاول میں ہو، تو کبھی رجب میں، علیٰ ہذا القیاس، بارہ یا پندرہ کی ہمیشہ کے لئے تعین نہ ہوا کرے، نیز سال میں صرف ایک دفعہ نہ ہوا کرے، بلکہ دوسرے تیسرے مہینہ اور اگر اس سے زائد ممکن ہو، تو زیادہ بہتر ہوا کرے۔ نیز سیرت کے متعلق بیان کرنے والے کوئی واقف کار شخص ہوں جو کہ صحیح اور قوی روایتیں بیان کریں۔ اور عوام کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل زندگی سے آگاہ کرتے رہیں۔ جب تک اس قسم کے بیانات عوام تک لگاتار اور کثرت سے نہ پہنچائے جائیں گے، کماینبغی فائدہ نہ ہوگا۔ معترضین علی الاسلام کے زہر آلود پروپیگنڈوں سے عوام کو اسی طرح محفوظ رکھا جا سکتا ہے، مگر افسوس ہے کہ قریشی صاحب نے ہماری عبارت میں کانٹ چھانٹ کی، اور اپنے مدعاء کے موافق جملوں کو لے کر شائع کرایا، اور باقی کو حذف کر دیا۔ ہم نے اس کے بعد اسی زمانہ میں اخباروں میں اپنی تراشیدہ

عبارت کو پھر چھپوایا، مگر وہ اپنے پروپیگنڈے سے باز نہیں آئے، اور اب انہوں نے سالانہ ربیع الاول کو اس کی تحریک شروع کر دی، اور اس کے استحسان میں ہمارے نام شائع کرا رہے ہیں۔ ہم ہرگز تعیین تاریخ و ماہ سالانہ ایک جلسہ کو شرعی اور ملکی نقطہ نظر سے نہ مفید اور نہ ضروری سمجھتے ہیں۔ بلکہ اب تو یہ مثل عمل نصاریٰ (برتھ ڈے) یوم پیدائش اور اس کی رسوم کے ایک رسم ہو رہی ہے۔ کیونکہ عیسائی یوم ولادت عیسیٰ علیہ السلام مناتے ہیں۔ اس کو دیکھ کر مصر وغیرہ کے لوگ بھی اس قسم کی تابعداری کرنے کے لئے آمادہ ہو رہے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور اخلاق اور سیر لوگوں کے کانوں تک پہنچانے نہ صرف مفید بلکہ ضروری ہیں۔ اگر مذکورہ بالا طریق پر ہو، تو مفید اور بہترین چیز ہے، ورنہ اجتناب چاہئے۔ افسوس کہ سیرت کمیٹی اور اس کے علم برداروں نے تمام امور مشروطہ کو ترک کر دیا۔

والسلام

از دارالعلوم دیوبند ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

اس مفصل تحریر کے بعد میں امید کرتا ہوں کہ عمل کرنے والوں کے لئے مسئلہ میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہے گا، اور معاندین کی بحث کا خاتمہ کسی حجت و دلیل سے غیر ممکن ہے۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ ولی التوفیق و علیہ التکلان

کتبہ احقر محمد شفیع غفرلہ

خادم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند ۳ صفر ۱۳۵۱ھ۔

الجواب صحیح

ننگ اسلاف حسین احمد صدر مدرس دارالعلوم دیوبند

تعدیل الهادی فی تقبیل الایادی

دست بوسی اور قدم بوسی

تاریخ تالیف ـــــــ ۱۴/ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ (مطابق ۱۹۷۳ء)

مقامِ تالیف ـــــــ دارالعلوم کراچی

اشاعت اول البلاغ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ (مطابق ۱۹۷۳ء)

اس کا سبب تالیف دلچسپ ہے اندر حضرت مفتی
صاحب قدس سرہٗ کی تحریر میں ملاحظہ ہو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دست بوسی اور قدم بوسی

عجائب اتفاق سے ہے کہ آج سے سینتیس سال پہلے وسط ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ میں احقر نے خواب میں دیکھا کہ سیدی و مرشدی حکیم الامت قدس سرہٗ میرے مکان پر تشریف لائے اور مجھے ارشاد فرمایا کہ تقبیل کے متعلق تم نے کتاب دیکھی ہے یا نہیں؟ (ایسا محسوس کرتا تھا کہ حضرت نے اس سے پہلے کسی اشکال کی وجہ سے اس مسئلہ پر کتابیں دیکھنے کے لئے ارشاد فرمایا تھا، اس کی تاکید کے لئے اس وقت یہ جملہ فرمایا) میں نے عرض کیا کہ اب تک دیکھنے کا وقت نہیں ملا، اب دیکھوں گا، اور غالباً طریقہ محمدیہ میں مسئلہ مل جائے گا۔ یہ تو حضرت سے عرض کیا، اور اپنے دل میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ عالمگیری کتاب الحظر والاباحۃ میں یہ مسئلہ ہے، اب اس کو بھی دیکھوں گا۔ اسی اثناء میں آنکھ کھل گئی، کچھ سمجھ نہ آیا کہ تقبیل سے کیا مراد ہے، اور اس پر اشکال کیا ہے، جس کے لئے کتابیں دیکھنے کا ارشاد ہوا ہے، احقر نے یہ خواب حضرت کی خدمت میں لکھ بھیجا جس کا جواب یہ آیا:

> ''اول بار تو شرح صدر کے ساتھ کچھ سمجھ میں نہ آیا گو تکلف سے کچھ حل ہوا مگر خود تکلف ہی پسند نہیں۔ دوسری بار جو خط پڑھا تو بے ساختہ خیال آیا کہ اس وقت تقبیل ایدی (دست بوسی) کی جو اہتمام کے ساتھ عادت ہوگئی ہے۔ میں اس کے محذورات بھی بیان کرتا ہوں، شاید خواب میں اس کی طرف متوجہ کیا گیا ہوگا۔ خواہ عمل کے لئے خواہ ضبط کے لئے

تا کہ دوسروں کو بھی معلوم ہو جائے۔ واللہ اعلم اگر کسی وقت اس کے متعلق کچھ لکھا جاوے اس کا نام یہ مناسب ہے۔ تعدیل الهادی فی تقبیل الایادی''

اول تو معاملہ خواب کا پھر تعبیرِ خواب میں بھی حضرتِ والا نے اس مسئلہ پر کچھ لکھنے کی تاکید نہیں فرمائی، بلکہ محض اپنی فرصت اور خواہش پر چھوڑا۔ اس لئے اس مسئلہ پر کچھ لکھنے کا فوری طور پر کوئی ارادہ نہ ہوا اور انجام کار مرور ایام سے اس میں ذہول ہو گیا۔

اتفاقاً ۱۳۸۲ھ میں احقر کو عمرہ و زیارت کے لئے حرمین کی حاضری نصیب ہوئی، مدینہ طیبہ میں محبّ محترم اخی فی اللہ مولانا سید محمود بن سید نذیر طرازی مقیم مدینہ منورہ کے پاس ایک قلمی رسالہ شیخ امام محمد عابد سندھی کا جو بارھویں صدی ہجری کے مشائخ سندھ میں سے ہیں، اور آپ کے حواشی تقریباً صحاح ستہ پر معروف و مقبول ہیں۔ نظر پڑا جس کا نام تھا، ''الکرامۃ و التقبیل ''جس میں پہلے کراماتِ اولیاء کے حق ہونے کا مسئلہ بیان فرمایا ہے اس کے بعد علماء و مشائخ کی دست بوسی اور قدم بوسی کو احادیث معتبرہ اور آثار صحابہ و تابعین سے ثابت فرمایا ہے۔ جس سے احقر کو یہ خیال آیا کہ خواب میں جو اس مسئلہ کا طریقۂ محمدیہ میں نے دیکھنے کا ذکر کیا ہے، شاید طریقۂ محمدیہ سے بھی سنن و آثار مراد ہوں۔ احقر نے اس رسالہ کو خود اپنے قلم سے نقل کر لیا، تا کہ وہ قدیم ارادہ پورا کروں کہ مسئلہ تقبیل پر کچھ لکھوں۔

لیکن اب کہ ۱۳۹۲ھ ہے، اس واقعہ کو بھی دس سال ہو گئے، اور اس کام کا موقع نہ ملا، خواب میں جس تعویق اور تاخیر کا اظہار ہوا تھا۔ وہ شاید کوئی تکوینی امر تھا کہ اب تک بھی اس کے لکھنے کی نوبت نہ آئی۔ ۱۳۹۲ھ میں احقر کو شدید قلبی مرض پیش آیا، بظاہر امید زیست نہ تھی، پھر حق تعالیٰ نے کرم فرمایا اور صحت ہو گئی، مگر ضعفِ شدید ہنوز چل رہا ہے، اسی حال میں نامکمل تالیفات کی تکمیل اور خاص خاص تالیفات پر نظر ثانی کا

عزم کیا، حق تعالیٰ نے سب سے اہم تالیف تفسیر معارف القرآن کی تکمیل بھی اس واقعہ کے بعد کرادی، اور اس وقت شیخ محمد عابد سندھی کا قلمی نسخہ سامنے آکر اس کے لکھنے کا داعیہ پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ مفید و نافع بنادیں، اور قبول فرمائیں۔

بندہ محمد شفیع

روز عید الاضحیٰ

۱۳۹۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ الکریم و علی آلہ و اصحابہ
و ازواجہ اجمعین

علماء ومشائخ کی دست بوسی وقدم بوسی کے مسئلے میں حضرات فقہاء میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے، اور مستند روایات حدیث اور آثار صحابہ وسلف سے اس کا جواز بلکہ اس پر تعامل ثابت ہوتا ہے۔ مگر جامع ترمذی میں حضرت انسؓ کی ایک حدیث سے تقبیل کی ممانعت بھی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے مسئلہ تحقیق طلب ہوگیا۔ روایاتِ حدیث کی تطبیق وتحقیق کے لئے تو حضرت شیخ محمد عابد سندھیؒ کا رسالہ مذکورہ کافی شافی ہے۔ حضرات فقہاء نے جو اس کو منع فرمایا اس کی وجہ اس کی فی نفسہ ممانعت وحرمت نہیں۔ بلکہ بعض مفاسد اور منکرات کی شمولیت کے سبب سے ان حضرات نے بطور سد ذرائع دست بوسی وقدم بوسی کو منع فرما دیا ہے۔

میں پہلے اس جگہ رسالہ حضرت شیخ محمد عابد سندھیؒ کی تلخیص اردو زبان میں لکھتا ہوں۔ ان کا اصل رسالہ عربی زبان میں ہے۔ اس کے بعد حضرات فقہاء کے اختلاف اور اس میں اعدل الاقوال پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔

تلخیص مقالہ
حضرت شیخ محمد عابد سندھیؒ محررہ ۱۲۲۴ھ

کسی کی تقبیل یعنی بوسہ دینا مختلف اسباب سے ہوتا ہے، ایک نفسانی شہوت کے

ساتھ بوسہ دینا ہے، وہ باتفاق فقہاء بجز اپنی زوجہ یا زرخرید کنیز کے کسی دوسری عورت یا مرد کے لئے جائز نہیں خواہ ہاتھوں پر ہو یا سر اور چہرہ وغیرہ پر۔ دوسرا سبب اس کا بزرگانہ شفقت ہوتی ہے۔ جیسے والدین کا اپنی اولاد کے سر چہرہ وغیرہ پر بوسہ دینا، تیسرا سبب اس کا تعظیم وتکریم ہوتا ہے۔ جیسا کہ علماء مشائخ یا سلطان عادل کے ہاتھوں وغیرہ پر بوسہ دینا، آخری دونوں صورتیں جائز ہیں، اور احادیث و آثار سے ثابت ہیں۔

تقبیل شفقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بدن کو بوسہ دیا، اور حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عائشہؓ کے چہرہ پر بوسہ دیا، جب کہ ان کو بخار میں مبتلا دیکھا۔ (کما اخرجہ ابو داؤد) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ (کما اخرجہ ابی داؤد) یہ واقعات وہ ہیں کہ تقبیل بزرگانہ شفقت کی بناء پر ہوئی، اور اس میں فقہاء کا بھی کوئی اختلاف نہیں۔

تقبیل تعظیم

شیخ محمد عابد سندھیؒ نے اپنے رسالہ میں تحریر فرمایا کہ تعظیم وتکریم کے لئے دست بوسی یا قدم بوسی صرف ان لوگوں کی جائز ہے، جو عالم صالح یا سلطان عادل ہو، یا کوئی دینی شرف و بزرگی رکھتا ہو، ان کے سوا دوسروں کے لئے جائز نہیں حرام ہے۔ کیونکہ نصوص حدیث سے اس کا جواز صرف دینی شرافت وفضیلت رکھنے والوں کے لئے ثابت ہے۔ اُن کے سوا دوسروں کے لئے ثابت نہیں۔

البتہ علمی و دینی شرف رکھنے والوں کے لئے دست بوسی بلکہ پابوسی بھی قوی روایات حدیث سے ثابت ہے۔

روایات حدیث متعلقہ تقبیل تعظیم

۱...... ابوداؤد نے سنن میں اور امام بخاری نے الادب المفرد میں حضرت ذارع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ ایک وفد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، ان کی روایت ہے کہ ہم جب مدینہ طیبہ پہنچے، تو ہم اپنی سواریوں سے جلدی جلدی اترے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو بوسہ دیا۔

۲...... نیز ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اس قصہ کے ذکر کے بعد یہ الفاظ لکھے ہیں۔

قال فدنونا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقبّلنا یدیه

(رواہ ابن ماجه فی کتاب الادب)

یعنی ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، اور آپ کے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا۔

۳...... نیز ابوداؤد نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں داخل ہوتے، تو وہ استقبال کے لئے کھڑی ہو جاتیں، اور آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیتی تھیں۔

۴...... نیز ابوداؤد نے حضرت سید بن حصینؓ سے روایت کیا کہ وہ ایک انصاری صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز کچھ لوگ بیٹھے ہوئے باہم بات چیت کر رہے تھے، ان میں ایک شخص ہنسی مزاح کرنے والا بھی تھا، جوان کو ہنسا رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کوکھ کو ایک لکڑی سے چھیڑا، تو اس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ (آپ نے میری کوکھ میں لکڑی لگائی ہے، میں اس کا بدلہ لوں گا) آپ مجھے بدلہ دیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آؤ بدلہ لے لو، اس نے عرض کیا کہ میرے بدن پر تو کرتہ نہیں تھا، ننگے بدن پر آپ کی چھڑی لگی ہے، اور آپ کے بدن پر

کرتہ ہے۔ اس لئے انتقام پورا نہیں ہوگا، آپ نے قمیص مبارک کچھ اٹھا دی، یہ شخص آگے بڑھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لپٹ کر آپ کے پہلو کو بوسے دینے لگا، اور پھر عرض کیا، یارسول اللہ! میری غرض اس گفتگو سے یہی تھی۔

۵......طبرانی نے کعب بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے، تو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک اپنے ہاتھوں سے تھاما، اور اُس کو بوسہ دیا۔

۶......طبرانی نے معجم اوسط میں سند جید کے ساتھ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی، میں نے آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا، تو آپ نے مجھے منع نہیں فرمایا۔

۷......حاکم نے مستدرک میں حضرت بریدہؓ سے روایت کر کے اس کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے آپ کے سر مبارک اور قدموں کو بوسہ دیا۔

۸......ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت صفوانؓ سے روایت کیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کو بوسہ دیا۔ امام ترمذی نے اس کو روایت کر کے فرمایا کہ حدیث حسن ہے۔

حضرت شیخ محمد عابد سندھیؒ نے مذکورہ بالا روایات نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ان احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ عالم اور سلطان عادل اور صاحب شرف دینی کی دست بوسی بلکہ قدم بوسی بھی جائز ہے۔ کیونکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ان تینوں صفات کے ایسے جامع ہیں کہ جس کی کوئی نظیر عالم میں نہیں۔ اس کے بالمقابل حضرت انسؓ کی ایک روایت سے جو تقبیل کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، وہ ان عام لوگوں کے لئے ہے۔ جو

اوصاف ثلٰثہ مذکورہ سے خالی ہوں۔

۹......ترمذی نے بسند حسن حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم میں سے کوئی آدمی جو اپنے بھائی یا دوست سے ملے، تو کیا اس کی تعظیم کے لئے جھک جائے؟ آپ نے فرمایا، نہیں۔ پھر اس نے سوال کیا کہ معانقہ کرے، اور تقبیل کرے؟ آپ نے فرمایا، نہیں۔ پھر اس نے سوال کیا کہ کیا مصافحہ کرے؟ تو فرمایا کہ ہاں۔

شیخ محمد عابد صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث ان لوگوں پر محمول ہے، جن میں مذکور الصدر اوصاف ثلٰثہ میں سے کوئی وصف نہ ہو، اس کے ساتھ یہ معاملہ معانقہ اور تقبیل کا نہ کیا جائے۔ صرف مصافحہ کافی ہے۔ اور قرینہ اس کا خود وہ سوال ہے، جو حدیث میں مذکور ہے، کیونکہ سائل نے یہ نہیں پوچھا کہ بڑے عالم یا بزرگ سے ملیں، تو کیا کریں؟ بلکہ سوال عام دوست یا بھائی کا کیا ہے، جس کے جواب میں آپ نے معانقہ اور تقبیل کو منع فرمایا۔ یہاں تک تو واقعات اس کے تھے کہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ علیہ وسلم کی دست بوسی کی، اب وہ واقعات بھی سنئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کی تقبیل فرمائی۔

۱۰......حدیث میں ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے تشریف لانے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معانقہ فرمایا، اور ان کے منہ کو بوسہ دیا۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیکھا، تو انہوں نے بھی آپ کی اتباع میں صدیق اکبرؓ کے منہ کو بوسہ دیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے فرمایا اے ابوالحسن! ابوبکر کا درجہ میرے نزدیک ایسا ہے، جیسا میرا درجہ میری والدہ کے سامنے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تقبیل اور دست بوسی وغیرہ کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہیں، دوسروں کے لئے بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ ان میں اوصاف مذکورہ میں سے کوئی موجود ہو، اور مندرجہ ذیل روایات سے اس عدم خصوصیت کی پوری تائید

ہو جاتی ہے۔ جن میں صحابہ کرامؓ کا باہم ایک دوسرے کی دست بوسی وغیرہ کرنا ثابت ہے، اور اس پر کسی نے نکیر نہیں کیا۔

۱۱...... طبرانی نے یحییٰ بن حارث الذماریؒ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں واثلہ بن اسقعؓ سے ملا، تو ان سے کہا کہ آپ کے اس ہاتھ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی ہے، انہوں نے فرمایا کہ ہاں، میں نے عرض کیا، تو آپ اپنا ہاتھ مجھے دیجئے کہ میں اس کو بوسہ دوں، انہوں نے میری درخواست منظور کر لی، میں نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا، حافظ ہیثمیؒ نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا کہ رجال اسنادہ ثقات یعنی اس کی اسناد کے سب رجال ثقہ ہیں۔

۱۲...... اور محبؒ طبری نے اپنی کتاب الریاض النضرۃ میں حضرت صدیق اکبرؓ کے فضائل میں ابو رجاء عطاردی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا تو لوگوں کا ایک مجمع دیکھا، ور ایک شخص کو دیکھا، جو ایک دوسرے شخص کے سر کو بوسہ دے رہا تھا اور یہ کہتا جا رہا تھا کہ میں تم پر قربان ہو جاؤں، اگر تم نہ ہوتے، تو میں ہلاک ہو جاتا، میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے؟ جس کے سر کو بوسہ دیا جا رہا ہے، اور بوسہ دینے والا کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ ابوبکر صدیقؓ ہیں، اور بوسہ دینے والے حضرت عمر بن خطابؓ ہیں۔ یہ واقعہ اُس وقت کا ہے، جب کہ مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کرنے پر حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے جم گئی تھی، اور حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ کو اس میں خطرہ تھا، اس لئے مخالفت کر رہے تھے، مگر جب صدیق اکبرؓ کی رائے کے مطابق جہاد ہوا، اور اس کے نتائج خیر سامنے آئے، تو اس وقت عمر بن خطابؓ نے صدیق اکبرؓ کی رائے کی تصویب کے لئے یہ عملی مظاہرہ فرمایا۔

۱۳...... اور حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حالات میں بروایت ابن مبارک عن داؤد بن ابی الہند عن الشعبی یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابتؓ گھوڑے پر سوار ہوئے، تو حضرت ابن عباسؓ نے (بطور تعظیم و

اکرام کے) ان کی رکاب تھامی، حضرت زید نے منع کیا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی! آپ ایسا نہ کریں، مگر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ:

ھکذا امرنا ان نفعل بعلمائنا ۔ ہمیں ایسا ہی حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنے علماء کے ساتھ تعظیم و اکرام کا ایسا ہی معاملہ کریں۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے حضرت ابن عباسؓ کے ہاتھ چوم لئے، اور فرمایا: **ھکذا امرنا ان نفعل باھل بیت نبینا** صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ اسی طرح کی تعظیم و اکرام کا معاملہ کریں۔

یہی واقعہ مستدرک حاکم باب معرفۃ الصحابۃ میں بروایت ابن عباسؓ نقل کر کے فرمایا ہے کہ اسناد اس کی صحیح علی شرط مسلم ہے۔ اور حافظ ذہبی نے بھی اس پر کوئی تنقید نہیں فرمائی، بلکہ سکوت سے اقرار فرمایا ہے، اور یہ واقعہ شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں بھی ذکر کیا ہے۔ (ص: ۳۰۷ ج: ۱۶)

۱۴ ...... اور بیہقی نے بروایت ضرار بن عمر حضرت ابو رافعؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک لشکر روم کے جہاد کے لئے بھیجا تھا، جن میں حضرت عبداللہ بن حذافہؓ صحابی بھی تھے، (مگر ہوا یہ کہ رومیوں کی قوت زیادہ تھی) انہوں نے ان مسلمانوں کو قید کرلیا، اور بادشاہ روم نے حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کو حکم دیا کہ تم نصرانی بن جاؤ، تو میں تمہیں اپنی سلطنت میں شریک کرلوں گا، حضرت عبداللہ بن حذافہؓ نے اس سے انکار کیا، تو حکم دیا کہ ان کو سولی پر چڑھاؤ، اور چار طرف سے ان پر تیر برساؤ۔ لوگوں نے تعمیل کی، مگر حضرت عبداللہ بن حذافہؓ سولی پر چڑھے ہوئے بھی بالکل مطمئن ہشاش بشاش نظر آئے، گھبراہٹ پاس نہ تھی، تو بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کو سولی سے اتار لو، اور حکم دیا کہ ایک دیگ میں پانی کو خوب گرم کر کے پکالو، جب یہ پانی پوری طرح جوش مارنے لگا، تو حکم دیا کہ ایک قیدی کو اس میں ڈال دو، وہ ڈالا گیا، تو فوراً ہی اس کا گوشت گل کر

پانی میں گر گیا، اور اس کی ہڈیاں چمکتی نظر آنے لگیں، عبد اللہ بن حذافہؓ کو یہ منظر دکھانے کے بعد حکم دیا کہ ان کو اسی دیگ میں ڈال دو، جب ان کو دیگ کے پاس لے گئے، تو یہ رونے لگے، بادشاہ نے ان کو اپنے پاس واپس بلایا، اور کہا کہ تمھارے رونے کی کیا وجہ ہے؟ تو فرمایا کہ مجھے حسرت وافسوس اس پر ہے کہ میری ایک ہی جان ہے، وہ ایک دفعہ اس کھولتے ہوئے پانی میں پڑ کر ختم ہو جائے گی، تو مجھے حسرت ہی رہ جائے گی، کاش میری سو جانیں ہوتیں، اور ایک ایک کر کے اس پانی میں ڈالی جاتیں، اور یہ پر کیف سلسلہ کچھ دیر تک چلتا، بادشاہ روم پر حق تعالیٰ نے ان کی اس ثابت قدمی کا رعب ڈال دیا، وہ سخت تعجب میں پڑ گیا، اور کہنے لگا کہ اچھا بس تم ایک کام کر لو کہ میرے سر کو بوسہ دے دو، تو میں تمھیں آزاد کر دوں گا، حضرت عبد اللہ بن حذافہؓ نے فرمایا کہ شرط یہ ہے کہ سب مسلمان قیدیوں کو آزاد کیا جائے، شاہ روم نے اس کو بھی مان لیا، تو عبد اللہ بن حذافہؓ نے اس کے سر کو بوسہ دے دیا، (کیوں کہ نہ وہ کوئی شرک وکفر تھا، نہ کوئی گناہ، اور اپنی اور مسلمان قیدیوں کی جان اس سے بچتی تھی، اس لئے قبول کر لیا۔) جس کے نتیجہ میں شاہ روم نے ان کو مع سب مسلمان قیدیوں کے آزاد کر دیا۔

جب یہ سب مسلمانوں کے ساتھ واپس حضرت عمر بن خطابؓ کی خدمت میں پہنچے، تو عمر بن خطابؓ کھڑے ہو گئے، اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

ابن عساکر نے اس قصہ کا ایک شاہد اور بھی حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے، اور ہشام بن عثمان کے فوائد میں مرسل زہری سے نقل کیا ہے۔

۱۵...... طبقات ابن سعد ص: ۲۲۴، ج: ۶ میں عاصم بن ابی النجود کے حالات میں حضرت ابو وائل سے نقل کیا ہے کہ ابو وائل کبھی کبھی گاؤں میں جاتے، اور چند روز غائب رہتے تھے، جب واپس آ کر حضرت عاصم سے ملتے، تو ان کے ہاتھ کو بوسہ دیتے تھے۔

۱۶...... مستدرک حاکم باب معرفۃ الصحابۃ (ص: ۲۵۴، ج: ۳) میں حضرت

ابوسفیان کے مناقب میں لکھا ہے کہ غزوۂ حنین مین حضرت ابوسفیانؓ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، حضرت عباسؓ نے آپ سے عرض کیا کہ یہ آپ کا چچازاد بھائی ابوسفیان بن حرب ہے، آپ ان سے راضی ہو جایئے۔ (کیونکہ فتح مکہ سے پہلے جتنے معرکے اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہوتے، ان سب میں ابوسفیان ہی کفار کے لشکر کی قیادت کرتے تھے، فتح مکہ میں مسلمان ہو گئے، مگر حضرت عباسؓ کو یہ خیال تھا کہ اس کے باوجود آپ کے قلب مبارک میں ان کی طرف سے تکدر ہوگا، اسی لئے یہ درخواست کی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کی سفارش قبول ہے، میں ان سے راضی ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی ہر وہ عداوت جو میرے خلاف کی ہے، معاف فرمادے، پھر حضرت عباسؓ کی طرف توجہ فرما کر فرمایا کہ وہ بے شک میرا بھائی ہے۔ حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے قدم مبارک کو بوسہ دیا، جب کہ وہ گھوڑے کی رکاب میں تھا۔

روایاتِ مذکورہ بالا سے واضح ہوگیا کہ بزرگان دین کی دست بوسی وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین اور ائمہ دین میں بلانکیر واختلاف ثابت ہے بعد کے علماء میں بھی یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔

۱۷......ابن السنی نے عمل الیوم واللیلۃ میں ابوبکر بن محمد بن عمر سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ میں ایک روز حضرت ابوبکر بن مجاہد کی خدمت میں حاضر تھا، حضرت شبلیؒ اس مجلس میں تشریف لائے، تو ابوبکر بن مجاہد کھڑے ہوئے۔ اور ان سے معانقہ کیا اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ میں نے ان سے کہا کہ میرے سردار آپ شبلی کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہیں، ابوبکر بن مجاہد نے فرمایا کہ میں نے ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو میرے ایک خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ کیا تھا کہ شبلی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ شبلی کے ساتھ یہ معاملہ فرماتے

ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ اپنی نماز کے بعد یہ آیت پڑھا کرتے ہیں۔ ''لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم'' الآیۃ اور اس کے بعد مجھ پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں۔

۱۸...... حافظ ابو موسیٰ مدینی وغیرہ نے حضرت سفیان سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک مجلس میں بیان کیا کہ عالم اور سلطان عادل کی دست بوسی سنت ہے، اس مجلس میں حضرت عبداللہ بن مبارک موجود تھے، وہ کھڑے ہوئے اور ان کے سر کو بوسہ دے کر کہا کہ اس سنت پر عمل کرنے کے لئے اس سے اچھا موقع کہاں ملے گا۔

۱۹...... امام مسلم بن حجاج کا واقعہ جو امام بخاری کے ساتھ پیش آیا کہ امام مسلم نے امام بخاری کی پیشانی کو بوسہ دیا، اور قدم بوسی کا ارادہ کیا، یہ کتب حدیث و رجال میں معروف و مشہور ہے، مذکورہ روایات سے علماء امت کا باہم معاملہ تقبیل کا بغیر کسی نکیر و انکار کے ثابت ہوگیا۔ اور اس کی مزید تاکید اس واقعہ سے ہوتی ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صدیق اکبرؓ کی طرف سے پیش آیا کہ جب وہ جنازہ پر پہنچے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کو بوسہ دیا اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کے چہرہ پر ان کی موت کے بعد بوسہ دیا۔

ان تمام روایات واقعات سے ثابت ہوا کہ علماء و مشائخ اور دینی شرف رکھنے والے حضرات کی دست بوسی بلکہ قدم بوسی بھی نیز پیشانی وغیرہ پر بوسہ دینا سنت اور تعامل صحابہ و تابعین سے بلا کسی نکیر کے ثابت ہے۔

(انتہی رسالہ شیخ محمد عابد سندھی محررہ ۱۲۲۴ھ)

اقوالِ فقہاء

مبسوط شمس الائمہ سرخسی کتاب الاستحسان جلد عاشر ص: ۱۴۹ میں لکھا ہے:

۲۰...... روی عن النبی صلی الله علیه وسلم کان یقبّل فاطمة و

يقول اجد منها ريح الجنة وقبّل ابوبكر رأس عائشة و قال صلى الله عليه وسلم من قبل رِجل امه فكانما قبل عتبة الجنة۔ (مبسوط)

روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ کی تقبیل فرماتے اور فرماتے تھے کہ مجھے اس میں سے جنت کی خوشبو آتی ہے۔ اور صدیق اکبرؓ نے حضرت عائشہؓ کے سر کو بوسہ دیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنی ماں کا پاؤں چوما گویا اس نے جنت کی چوکھٹ کو بوسہ دیا۔ (مبسوط)

مبسوط شمس الائمہ ہی میں محمد بن المنکدرؒ سے نقل کیا ہے کہ ایک رات میں اپنی والدہ کے پاؤں دباتا رہا۔ اور میرا بھائی ابوبکر تمام رات نماز میں مشغول رہا، اور مجھے ہرگز پسند نہیں کہ میں اپنی رات کو ان کی رات سے بدل لوں۔

عورتوں کی تقبیل اور ہاتھ سے چھونے کے متعلق ان روایات کو نقل کرکے شمس الائمہ نے فرمایا کہ یہ تقبیل اور بدن کو مس کرنا صرف اس صورت میں جائز ہے، جب کہ نہ اپنے نفس سے شہوت کا خطرہ ہو نہ اس عورت سے، جس کی تقبیل کی جائے، اگرچہ وہ اولاد ہی میں سے ہو اور خواہ تقبیل بدن کے کسی حصہ پر ہو، اور جب خطرہ شہوت کا اس کے لئے یا اپنے لئے ہو، تو قطعاً جائز نہیں۔ (مبسوط ص:۱۴۹ ج:۱۰)

واما حكم المس فلاخلاف ان المصافحة حلال لقوله عليه السلام تصافحوا تحابّوا و روى عنه صلى الله عليه وسلم انه قال اذا لقى المؤمن اخاه فصافحه تناثرت ذنوبه و لان الناس يصافحون فى سائر الاعصار فى العهود و المواثيق فكانت سنة متوارثة۔

واختلف فى القبلة و المعانقة قال ابو حنيفةؒ و محمد يكره للرجلُ ان يقبل فم الرجل او يده او شيئا

منه او يعانقه و روى عن ابى يوسفؒ انه لاباس به و وجهه ما روى انه لما قدم جعفر بن ابى طالبؓ من الحبشة عانقه سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم و قبل بين عينيه و كذا روى ان اصحاب رسول الله صلى الله عليه و سلم كانوا اذا رجعوا من اسفارهم كان يقبل بعضهم بعضاً و يعانق بعضهم بعضاً و احتجا بما روى انه سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم فقيل ايقبّل بعضنا بعضاً؟ فقال لا، فقيل ايعانق بعضنا بعضاً؟ فقال عليه الصلوٰة و السلام لا فقيل ايصافح بعضنا بعضاً؟ فقال عليه الصلوٰة و السلام نعم و ذكر الشيخ ابو منصور ان المعانقة انما تكره اذا كانت شبيهة بما وضعت للشهوة فى حالة التجرد و اما اذا قصد بها المبرة و الاكرام فلا تكره و كذا التقبيل الموضوع لقضاء الوطر و الشهوة وهو المحرم فاذا زال تلك الحالة ابيح و على هذا الوجه الذى ذكره الشيخ يحمل الحديث الذى احتج به ابو يوسف ۔ (بدائع ص: ۱۲۴، ج: ۵ کتاب الاستحسان)

ترجمہ: اور ہاتھ سے چھونے کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ مصافحہ حلال ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آپس میں مصافحہ کیا کرو، تاکہ باہم محبت بڑھے، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب کوئی مومن اپنے بھائی مومن سے ملے، اور مصافحہ کرے، تو اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ اور اس لئے کہ مصافحہ کا رواج ہر زمانے میں معاہدات کے مواقع میں رہا ہے اس لئے یہ سنت متوارثہ ہے، اور بوسہ دینے اور معانقہ کے مسئلے میں اختلاف

ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور محمدؒ نے فرمایا کہ ایک مرد دوسرے مرد کے منہ پر یا ہاتھ پر یا اس کے کسی اور عضو پر بوسہ دے یا معانقہ کرے، یہ مکروہ ہے۔ اور ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اور دلیل ان کی وہ روایت ہے کہ جب جعفر بن ابی طالبؓ حبشہ سے واپس ہوکر مدینہ طیبہ پہنچے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معانقہ فرمایا، اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ اسی طرح یہ روایت کیا گیا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب اپنے سفروں سے واپس آتے، اور آپس میں ملتے، تو ایک دوسرے کو بوسہ دیتے تھے۔ اور معانقہ کرتے تھے۔ اور ابوحنیفہؒ اور محمدؒ نے اس روایت سے استدلال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ہم آپس میں ملا کریں، تو کیا ایک دوسرے کو بوسہ دیں، آپ نے فرمایا، نہیں۔ پھر سوال کیا گیا کہ کیا معانقہ کریں؟ آپ نے فرمایا، نہیں۔ پھر سوال کیا گیا کہ آپس میں مصافحہ کیا کریں؟ تو فرمایا کہ ہاں۔ شیخ ابو منصور نے فرمایا کہ معانقہ اس صورت میں مکروہ ہے، جب کہ اس طرز پر ہو، جو شہوت کیساتھ کیا جاتا ہے، جب کہ درمیان میں کپڑے حائل نہ ہوں لیکن جب کہ اس سے محض اکرام اور احسان مقصود ہو، تو مکروہ نہیں، یہی حکم بوسہ دینے کا ہے، کہ جو بوسہ شہوت کے ساتھ دیا جاتا ہے، اس کے مشابہ ہو، تو جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔ اور ابو یوسفؒ نے جس حدیث سے جواز کا قول اختیار کیا، وہ حدیث اسی صورت پر محمول ہے کہ اس میں شہوت کا کوئی خطرہ یا مشابہت نہ ہو۔

اور فتاویٰ قاضی خان کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے کہ:

و یکرہ ان یقبل الرجل فم الرجل او یدہ او شیئا منہ فی قول ابی حنیفۃ و محمد و لابأس بالمصافحۃ و قال ابویوسف لابأس بالتقبیل و المعانقۃ فی ازار واحد فان

كانت المعانقة من فوق قميص او جبة او كانت القبلة على وجه المسرة دون الشهوة جاز عند الكل۔

(فتاویٰ قاضی خان برحاشیۂ عالمگیری ص: ۴۴۴، ج:۳)

مکروہ ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کے منہ پر بوسہ دے، یا اس کے ہاتھ کو یا کسی اور حصہ بدن کو، ابوحنیفہؒ اور محمدؒ کے قول میں، اور مصافحہ میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ بوسہ دینے اور معانقہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور جب وہ کرتے اور جبہ کے اوپر سے، اور بوسہ دینا بطور مسرت و اکرام کے ہو، شہوت سے نہ ہو، تو سب کے نزدیک جائز ہے۔

فتاویٰ قاضی خان کی آخری عبارت سے معلوم ہوا کہ مسئلہ تقبیل و معانقہ میں جو اختلاف امام ابوحنیفہؒ اور محمدؒ کا نقل کیا جاتا ہے، وہ اس صورت میں ہے جس میں خطرہ شہوت کا یا مشابہت اس کی پائی جائے۔ ورنہ معانقہ اور تقبیل تینوں ائمہ کے نزدیک جائز ہے۔ بدائع میں شیخ ابومنصور کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

فی الدر المختار طلب من عالم او زاهد ان يدفع اليه قدمه و يمكنه من قدمه ليقبّله اجابه و قيل لايرخص فيه، و فی رد المحتار قوله اجابه لما اخرجه الحاكم ان رجلا اتی النبی صلی الله عليه وسلم فقال يا رسول الله ارنی شيئا ازداد به يقينا فقال اذهب الیٰ تلك الشجرة فادعها فذهب اليها فقال ان رسول الله صلی الله عليه وسلم يدعوك، فجاء ت حتی سلمت علی النبی صلی الله عليه وسلم، فقال لها ارجعی فرجعت ثم اذن له فقبل راسه و رجليه و قال لو كنت اٰمر احداً ان يسجد

لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها و قال صحيح الاسناد۔ اھ من رسالة الشرنبلالی (شامی ص:۳۷۸،ج:۵)

کسی عالم سے کوئی درخواست کرے کہ اپنے قدم ہمیں دیں کہ ہم ان کو بوسہ دیں، تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس کی درخواست قبول کرے۔ اور بعض فقہاء نے فرمایا کہ ایسا کرنا اس کے لئے جائز نہیں۔ شامی نے اس کی شرح میں فرمایا کہ جواز پر دلیل وہ حدیث ہے کہ ایک شخص آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، اور عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی چیز دکھلا دیجئے، جس سے میرا یقین ایمانی بڑھ جائے، آپ نے کسی درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کے پاس جاؤ، اور میرے پاس بلا لاؤ، وہ گیا، اور درخت سے کہا کہ تجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاتے ہیں، وہ درخت اسی وقت حاضر ہوا، اور آپ کو سلام کیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اپنی جگہ واپس چلے جاؤ، تو وہ واپس چلا گیا۔ اس کے بعد اس شخص نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے آپ کے سر مبارک اور دونوں قدموں کو بوسہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں اگر کسی کو سجدہ کی اجازت دیتا، تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے۔ حاکم نے اس حدیث کی روایت کی، اور فرمایا کہ صحیح الاسناد ہے۔

اور عالمگیری ص:۴۰۴ جلد ۵ میں ہے:

طلب من عالم او زاهد ان يدفع اليه قدمه ليقبله لايرخص فيه و لا يجيبه الىٰ ذالك عند البعض و ذكر بعضهم يجيب الىٰ ذالك۔

اگر کسی عالم یا بزرگ زاہد سے درخواست کی جائے کہ اپنا قدم دیجئے کہ ہم بوسہ دیں، تو اس شخص کے لئے جائز نہیں کہ یہ درخواست قبول

کرے بعض کے نزدیک، اور بعض نے اجازت دی ہے۔

اور اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فرمایا ہے کہ:

"اگر یکے از عالم یا زاہد التماس پائے بوسی او کند باید کہ اجابت نہ کند و نگذارد کہ ببوسد و در قنیہ گفتہ لابأس بہ است۔"

اور مظاہر حق شرح مشکوٰۃ میں حدیث وفد عبدالقیس نقل کرنے کے بعد فرمایا:

"ظاہر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چومنا پاؤں کا جائز ہے، مگر فقہاء اس کو منع کرتے ہیں۔ الخ"

اس مسئلہ میں ایک اختلاف ائمہ حنفیہ کا بدائع اور قاضی خان کے حوالہ سے اوپر ذکر کیا ہے، اس میں دست بوسی اور قدم بوسی کے ساتھ معانقہ بھی شامل ہے، اس اختلاف کا حاصل قاضی خان کی تحقیق کے مطابق یہ تھا کہ جس صورت میں یہ افعال ایسے طرز پر ہوں، جس میں شہوت کا خطرہ اور اشتباہ ہو، اس کو ابوحنیفہؒ و محمدؒ نے مکروہ فرمایا ہے، اور جہاں یہ صورت نہ ہو، وہ متفق علیہ جائز ہے۔

اور در مختار شامی اور عالمگیری وغیرہ کے حوالے سے جو اختلاف اوپر نقل کیا گیا ہے، یہ اختلاف فقہاء متاخرین کا ہے اور اصل مسئلہ تقبیل و معانقہ میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ منشاء اختلاف کا یہ ہے کہ جس شخص کی قدم بوسی دست بوسی کی جائے، کیا اس کے لئے بھی یہ جائز و درست ہے کہ اپنے ہاتھ پاؤں پھیلا کر لوگوں کو اس کا موقع دے؟

اور وجہ اختلاف کی بظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں اگر حقیقۃ عجب و تکبر نہ بھی ہو، تو صورتاً ایک متکبرانہ فعل ہے، جس سے تکبر پیدا ہو جانے کا احتمال غالب ہے، اس لئے بعض فقہاء نے اس خطرہ کی بناء پر مکروہ قرار دیا، بعض نے اصل فعل کے جواز پر نظر کر کے جائز فرما دیا۔

سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے سامنے یہ آخری سوال بعض لوگوں نے پیش کیا، تو آپ نے اس کا جواب حسبِ ذیل تحریر فرمایا:

''تاویل بلا دلیل غیر مسموع ہے، اور ظاہر سے بلا صارف عدول نہیں کیا جا سکتا، پس صحیح جواز تقبیل قدم فی نفسہ ہے، اور فقہاء کے منع کو عارض مفسدہ پر محمول کیا جائے گا۔'' (امداد فتاویٰ مبوب جلد خامس ص: ۳۴۵) مورخہ ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ

مذکورہ سوال کے ساتھ چند اور سوال و جواب بھی اس معاملے سے متعلق ہیں، ان کا نقل کرنا بھی مناسب معلوم ہوا۔

سوال دوم

''اگر قدم بوسی بلا کراہت جائز ہو تو سر جھکا کر اگر چہ بحد رکوع و سجود ہو تو جائز ہے یا نہیں؟ اس امر میں ہمارے دیار کے علماء کے درمیان اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں، کہ جب قدم بوسی جائز ہے، تو اگر چہ بصورت رکوع و سجود انحناء رأس سے ہو، تب بھی جائز ہے۔ اور ایک جم غفیر علماء کہتے ہیں کہ قدم بوسی اس صورت میں جائز ہے، جب کہ انحناء رأس بہ ہیئت رکوع و سجود نہ ہو، اور یہ لوگ اس بارے میں اس حدیث کو پیش کرتے ہیں، جو مشکوٰۃ کے باب المصافحہ والمعانقہ میں ہے:

عن انس قال قال رجل یا رسول الله ! الرجل منا یلقی اخاه او صدیقه اینحنی له؟ قال لا ، رواہ الترمذی، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد چہارم ص: ۶۷۴ میں مرقوم ہے۔ (اینحنی له؟ الانحناء و هو امالة الراس و الظهر تواضعاً و خدمة (قال لا) ای فانه فی معنی الرکوع و هو کالسجود من عبادة الله تعالیٰ و فی شرح مسلم للنووی حنی الظهر

مکروہ للحدیث الصحیح فی النھی عنہ و لا تعتبر کثرۃ من یفعلہ ممن ینسب الی علم و صلاح۔ و فی اشعۃ اللمعات ص: ۲۴ ج: ۴

وانحناء مائل گردانیدن سروپشت ست وطیبی از محی السنہ نقل کردہ کہ انحناء ظہر مکروہ است از جہت ورود حدیث صحیح در نہی ازاں اگرچہ بسیار ازانہا کہ منسوب بعلم وصلاح اند، آنرا می کنند اما اعتبار واعتماد بداں نتواں کرد و در مطالب المومنین از شیخ ابوالمنصور نقل کردہ کہ اگر بوسہ دہد یکے پیش یکے زمین را یا پشت دوتا کند یا سرنگوں گرداند کافر نگردد بلکہ آثم است زیرا کہ مقصود تعظیم است نہ عبادت است، وبعضے مشائخ در منع ازاں تغلیظ و تشدید بسیار کردہ وگفتہ کاد الانحناء ان یکون کفرا انتہی۔ اسی طرح مظاہر حق کی جلد چہارم کے ص: ۶۱ میں مذکور ہے، اور مجمع الانہر ص: ۴۲۰ ج: ۲ میں ہے، فی القھستانی الایماء فی السلام الیٰ قریب الرکوع کالسجود و فی العمادیۃ و یکرہ الانحناء لانہ یشبہ فعل المجوس اور ملتقی الابحر میں ہے، فی المجتبی الایماء بالسلام الیٰ قریب الرکوع کالسجود و الانحناء مکروہ ردالمحتار کتاب الکراہت میں ہے، فی الزاھدی الایماء فی السلام الیٰ قریب الرکوع کالسجود و فی المحیط انہ یکرہ الانحناء للسلطان وغیرہ۔ انتھیٰ۔

ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ انحناء کے طور پر قدم بوسی ناجائز ہے، اور عالمگیری کے تقبیل رجل میں جو یہ روایت ہے کہ طلب من عالم او زاھد ان یدفع الیہ قدمہ لیقبلہ اور درمختار میں جو یہ روایت ہے طلب من عالم او زاھد ان یدفع الیہ قدمہ و یمکنہ

من قدمه لیقبله اور غایت الاوطار کی جلد چہارم ص: ۲۱۹ پر جو اس
کا ترجمہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے عالم یا زاہد سے اس کی درخواست
کی کہ اپنا قدم اس کی طرف بڑھا دے، اور اس کو چومنے دے، یہ
بآواز بلند بتاتی ہے کہ یہ قدم بوسی بطریق انحناء اور امالہ نہیں ہے، اب
کس فریق کا قول حق اور احق بالاتباع ہے؟''

الجواب

جو انحناء مقصود اً ہو، وہ ناجائز ہے۔ اور جو بضرورت تقبیل کے لازم آجائے، وہ
حکم میں تقبیل کے تابع ہے۔

۲ سوال سوم

تقبیل قدم کے کیا معنی ہیں؟ قدم کو بوسہ دینا یا حجر اسود کی طرح ہاتھ سے قدم کو
مس کر کے ہاتھ کو بوسہ دینا یا عام معنی لئے جاویں؟

الجواب

معنی اوّل ہی اس کا مدلول ہے، اور ثانی بے اصل ہے۔ (ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ)

خلاصہ کلام

روایات حدیث اور آثار صحابہ و تابعین اور اقوال ائمہ و فقہاء جن کی تفصیل آپ
اوپر پڑھ چکے ہیں، ان سے ''مسئلہ تقبیل'' کے متعلق مندرجہ ذیل احکام حاصل ہوئے:۔

۱...... تقبیل و معانقہ اگر شہوت کے ساتھ ہو، وہ باتفاق امت اپنی بیوی یا زرخرید
کنیز کے علاوہ کسی کے ساتھ جائز نہیں۔ اسی طرح جب اپنے نفس میں یا دوسری جانب

میں شہوت پیدا ہو جانے کا خطرہ ہو، اس کا بھی یہی حکم ہے۔

۲......اور جو تقبیل اور معانقہ چھوٹوں پر شفقت یا بزرگوں کی تعظیم واکرام کیلئے ہو، وہ باتفاق جائز اور سنت سے ثابت ہے، بشرطیکہ اس کے ساتھ کوئی امر منکر یعنی ناجائز کام شامل نہ ہو جائے۔

۳......اور جہاں تقبیل و معانقہ بلکہ مصافحہ میں بھی کچھ منکرات شامل ہو جائیں، وہ باتفاق مکروہ ہے، وہ منکرات جو ایسے مواقع میں شامل ہو جاتے ہیں، کئی قسم کے ہیں۔ ان کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، تاکہ ان سے بچ سکیں۔

تقبیل اور معانقہ ومصافحہ میں شامل ہونے والے منکرات

اول یہ کہ جس شخص کو ان امور سے اپنے نفس میں تکبر واعجاب پیدا ہو جانے کا خطرہ ہو، اس کو درست نہیں کہ دوسرے لوگوں کو دست بوسی، قدم بوسی وغیرہ کا موقع دے۔

دوسرے یہ کہ جس صورت میں یہ خطرہ ہو کہ اس عمل سے دوسرے شخص کو ایذا و تکلیف پہنچے گی، تو وہاں ان امور میں سے کچھ یہاں تک کہ مصافحہ بھی جائز نہیں۔ مثلاً جب دیکھے کہ جس سے ملاقات کرنا ہے، وہ مشغول ہے، یا کسی ضروری کام میں ہے، اس وقت اس کے ساتھ معانقہ وتقبیل بلکہ مصافحہ کی کوشش کرنا بھی اس کی ایذا وتکلیف کا سبب ہو سکتا ہے، ایسی صورت میں اس سے اجتناب چاہئے۔

تیسرے جہاں یہ خطرہ ہو کہ جس کی دست بوسی کی جارہی ہے یہ اس کے نفس میں تکبر وغرور پیدا کر دے گا، تو اس سے اجتناب ضروری ہے، خصوصاً دست بوسی اور قدم بوسی اگر کسی مجمع کے اندر ہو، تو ایک مفسدہ تو یہی ہے کہ اس میں وقت بڑا خرچ ہوگا، کام کی ضروری باتوں میں خلل آئے گا، اور دوسرا بڑا مفسدہ یہ ہے کہ جس جگہ اس کی رسم اور عادت ہو جائے، تو ہر آنے والا یا تو خواہی نہ خواہی دست بوسی اور قدم بوسی میں اہل مجلس کا اتباع کرے، یا پھر سب سے مختلف ہونے کا گویا اعلان کرے، جس سے اور بہت سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کے جو واقعات آپ نے اس رسالہ میں ملاحظہ فرمائے، ان کو اسی درجہ میں رکھنا ضروری ہے، جس درجہ میں سنت اور تعامل سلف سے اس کا ثبوت ہوا ہے۔ ان تمام روایات و واقعات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کام ہوئے مگر اتفاقی طور پر کسی ایک دو آدمی نے کر لئے، نہ اس کی عادت تھی، نہ سب مجمع کو یہ کام کرنا تھا، نہ کوئی کسی کو اس کی دعوت دیتا تھا، اور نہ کوئی کسی کی حرص کرتا تھا۔ بس اسی سادگی اور عدم پابندی کے ساتھ جہاں ہوں، جائز و درست بلکہ مستحب بھی ہوسکتا ہے، جہاں یہ سادگی نہ رہی پابندی آ گئی، یا عادت پڑ گئی، تو وہ مفاسد سے خالی نہیں، اور فقہاء کا یہ ضابطہ معروف و مشہور ہے کہ اگر کسی مستحب کام میں کچھ منکرات شرعیہ شامل ہو جائیں، تو اس مستحب کو بھی چھوڑ دینا واجب ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ سنن مقصودہ میں سے نہ ہو، جیسے جماعتِ نماز کے بعد کے مصافحہ کو بعض فقہاء نے اس لئے مکروہ قرار دیا کہ اس کو نماز کی ایک سنت جیسا قرار دے دینا خلاف شرع اور گناہ ہے۔

بس مختصر بات یہی ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تعامل صحابہ میں اس کی جو حد منقول ہے، اس کو اسی حد پر رکھا جائے، تو بلا شبہ دست بوسی، قدم بوسی، معانقہ، مصافحہ سب جائز، بلکہ سنت و مستحب ہیں۔ اور جہاں اس میں غلو کا پہلو یا دوسروں کی ایذا شامل ہو جائے، وہ گناہ ہے۔

میرا وہ خواب جو اس رسالہ کی وجہ تالیف ہوا ہے، اس میں حضرت سیدی حکیم الامت قدس سرہٗ نے یہی فرمایا تھا کہ اس وقت جو لوگوں میں دست بوسی کی عادت ہوگئی، میں اس کے محذورات و منکرات بیان کیا کرتا ہوں، وہ اسی طرح کے محذورات ہیں کہ سنت کو حد سنت سے بڑھا کر اس میں غلو کرنے سے یا دوسروں کی ایذا کا سبب بننے سے پیدا ہوتے ہیں۔

الحمد للہ کہ یہ رسالہ روز عید الاضحیٰ ۱۳۹۲ھ سے شروع ہو کر ۱۴ ذی الحجہ کو پانچ روز میں مکمل ہوا۔

واللہ ولی التوفیق، ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

حُکمُ الاِقساط فی حیلة الاسقاط

حیلۂ اسقاط کی شرعی حیثیت

تاریخ تالیف ______ ۷؍ربیع الاول ۱۳۷۰ھ (مطابق ۱۹۵۰ء)

مقامِ تالیف ______ کراچی

کئی علاقوں میں حیلۂ اسقاط کا طریقہ رائج ہے جس میں کئی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ اس رسالہ میں ان کا جائزہ لیکر نماز، روزہ کے فدیہ کے مسائل تحریر کئے گئے ہیں۔

حیلۂ اسقاط کی شرعی حیثیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ و کفٰی و سلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ

میت کی فوت شدہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دوسرے واجبات وفرائض کی ادائیگی یا کفارہ کس طرح کیا جاسکتا ہے، جس سے وہ گناہ سے سبکدوش ہو جائے، اس کا بیان کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے، جس کا کچھ خلاصہ فائدہ عوام کے لئے اس رسالہ کے آخر میں لکھ دیا جائے گا۔

لیکن آج کل بہت سے شہروں اور دیہات میں لوگوں نے ایک رسم نکالی ہے، جس کو دور یا اسقاط کہتے ہیں، اور جاہلوں کو یہ بتلایا جاتا ہے کہ اس رسم کے ذریعہ تمام عمر کی نماز، روزوں اور زکوٰۃ وحج اور تمام فرائض وواجبات سے سبکدوشی ہو جاتی ہے، اور اس رسم کو ایسی سخت پابندی کے ساتھ کیا جاتا ہے، جیسے تجہیز وتکفین کا کوئی اہم فرض ہو، جو کوئی نہیں کرتا اس کو طرح طرح کے طعنے دیتے ہیں۔

بلاشبہ فقہاء کے کلام میں دور واسقاط کی صورتیں مذکور ہیں، لیکن وہ جن شرائط کے ساتھ مذکور ہیں، عوام نہ ان شرائط کو جانتے ہیں، نہ اُن کی کوئی رعایت کی جاتی ہے، بلکہ فوت شدہ فرائض وواجبات سے متعلقہ تمام احکام شرعیہ کو نظر انداز کر کے اس رسم کو تمام فرائض و واجبات سے سبکدوشی کا ایک آسان نسخہ بنالیا گیا ہے، جو چند پیسوں میں حاصل ہو جاتا ہے، پھر کسی کو کیا ضرورت رہی کہ عمر بھر نماز وروزہ کی محنت اٹھائے۔

اس مسئلہ کے متعلق کچھ عرصہ ہوا کہ ایک سوال مخدوم محترم حضرت مولانا مفتی محمد

حسن صاحب دامت برکاتہم مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور کے پاس آیا تھا، آپ نے جواب لکھنے کے لئے میرے سپرد فرمایا، یہ جواب کسی قدر مفصل اور کافی ہو گیا، اس لئے اس رسم میں ابتلاء عام کے پیش نظر مناسب معلوم ہوا کہ اس کو بصورت رسالہ شائع کر دیا جائے، خدا کرے کہ یہ مسلمانوں کو جاہلانہ رسوم سے بچانے میں مفید ثابت ہو۔ واللہ الموفق والمعین

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ ہمارے علاقہ میں ایک حیلہ مروج ہے، جس کی حقیقت یہ ہے کہ جنازہ کے بعد کچھ لوگ دائرہ بناتے ہیں، میت کے وارث ایک قرآن شریف اور اس کے ساتھ کچھ نقد باندھتے ہیں، اور دائرہ میں لاتے ہیں، امام مسجد جو دائرہ میں ہوتا ہے، وہ لیتا ہے، اور یہ الفاظ اس پر پڑھتا ہے:

کل حق من حقوق اللّٰہ من الفرائض و الواجبات و الکفارات و المنذورات بعضھا ادیت و بعضھا لم تؤد الاٰن عاجز عن ادائھا و اعطیتك ھذہ المنحۃ الشریفۃ علی ھذہ النقودات فی حیلۃ الاسقاط رجاء من اللّٰہ تعالیٰ ان یغفر لہ۔

اور ایک دوسرے کی ملک کرتا ہے۔ تین دفعہ اس کو پھیرا جاتا ہے، بعدہ نصف امام کو نصف غرباء کو تقسیم کیا جاتا ہے، زید ایک امام مسجد ہے، اس نے اس مروجہ حیلہ کو چھوڑ دیا ہے، اور کہتا ہے کہ اس مروجہ حیلہ کا ثبوت ادلہ شرعیہ سے کوئی نہیں، لہٰذا یہ بات بدعت ہے۔ زید کے ترک پر زید کو لوگ ملامت کرتے ہیں، اور زید باوجود حنفی المذہب ہونے کے اس کو وہابی کہتے ہیں، اور اس حیلہ کے جواز پر آباء واجداد کی دلیل لاتے ہیں۔ (۱) کیا زید حق پر ہے یا باطل پر، (۲) اس مروجہ حیلہ کا کیا حکم ہے؟ (۳) زید اس رواج اور اس التزام واصرار کو ختم کرنے کا شرعاً حق دار اور مصیب ہوگا یا نہیں؟ (۴) نیز بعض صورتوں میں مشترک ترکہ میں سے روپیہ لایا جاتا ہے، جس میں بعض وارث موجود نہیں ہوتے؟ (۵) نیز بعض دفعہ یتیم بچے رہ جاتے ہیں، کیا یہ مال حیلہ میں لایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور دائرہ والے لے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا بالدلائل الشریعۃ۔

الجواب

حیلہ اسقاط یا دور بعض فقہاء کرام نے ایسے شخص کے لئے تجویز فرمایا تھا، جس کے کچھ نماز روزے وغیرہ اتفاقاً فوت ہو گئے، قضاء کرنے کا موقع نہیں ملا، اور موت کے وقت وصیت کی، لیکن اس کے ترکہ میں اتنا مال نہیں، جس سے تمام فوت شدہ نماز روزہ وغیرہ کا فدیہ ادا کیا جا سکے۔ یہ نہیں کہ اس کے ترکہ میں مال موجود ہو، اس کو تو وارث بانٹ کھائیں، اور تھوڑے سے پیسے لے کر یہ حیلہ حوالہ کر کے خدا و خلق کو فریب دیں، درمختار، شامی وغیرہ کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے، اور ساتھ ہی اس حیلہ کی شرائط میں اس کی تصریحات واضح طور پر فرمائی ہیں کہ جو رقم کسی کو صدقہ کے طور پر دی جائے، اس کو اس رقم کا حقیقی طور پر مالک ومختار بنا دیا جائے کہ جو چاہے کرے، ایسا نہ ہو کہ ایک ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ دینے کا محض ایک کھیل کیا جائے، جیسا عموماً آج کل اس حیلہ میں کیا جاتا ہے کہ نہ دینے والے کا یہ قصد ہوتا ہے کہ جس کو وہ دے رہے ہیں، وہ صحیح معنی میں اس کا مالک ومختار ہے، اور نہ لینے والے کو یہ تصور و خیال ہو سکتا ہے کہ جو رقم میرے ہاتھ میں دی گئی ہے، میں اس کا مالک ومختار ہوں۔

دو تین آدمی بیٹھتے ہیں، اور ایک رقم کو باہمی ہیرا پھیری کا ایک ٹوٹکا سا کر کے اٹھ جاتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے میت کا حق ادا کر دیا، اور وہ تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گیا، حالانکہ اس لغو حرکت سے میت کو نہ تو کوئی ثواب پہنچا، نہ اس کے فرائض کا کفارہ ادا ہوا، کرنے والے مفت میں گناہ گار ہوئے۔

رسائل ابن عابدین میں اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ ''منۃ الجلیل'' کے نام سے شامل ہے اس میں تحریر فرمایا ہے:

ویجب الاحتراز من ان یدیر ھا اجنبی الا بو کالۃ کما ذکرنا وان یکون الوصی او الوارث کما علمت، ویجب الاحتراز من ان یلاحظ الوصی عند دفع الصرۃ للفقیر الھزل او الحیلۃ بل یجب ان

یدفعها عازماً علی تملیکها منه حقیقة لاتحیلا ملاحظاً ان الفقیر اذا ابیٰ عن هبتها الی الوصی کان له ذالك ولایجبر علی الهبة۔

(منۃ الجلیل فی اسقاط ما علی الذمۃ من کثیر وقلیل۔ جزء رسائل ابن عابدین ص: ۲۲۵، ج:۱)

الغرض اس حیلہ کی ابتدائی بنیاد ممکن ہے کہ کچھ صحیح اور قواعد شرعیہ کے مطابق ہو، لیکن جس طرح کا رواج اور التزام آج کل چل گیا ہے، وہ بلاشبہ ناجائز اور بہت سے مفاسد پر مشتمل قابل ترک ہے۔ چند مفاسد اجمالی طور پر لکھے جاتے ہیں :۔

۱...... بہت مواقع میں اس کے لئے جو قرآن مجید اور نقد رکھا جاتا ہے، وہ میت کے متروکہ مال میں سے ہوتا ہے، اور اس کے حقدار وارث بعض موجود نہیں ہوتے یا نابالغ ہوتے ہیں، تو ان کے مشترکہ سرمایہ کو بغیر ان کی اجازت کے اس کام میں استعمال کرنا حرام ہے۔ حدیث میں ہے ''لایحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منه''۔ اور نابالغ تو اگر اجازت بھی دے دے، تو وہ شرعاً نامعتبر ہے۔ اور ولی نابالغ کو ایسے تبرعات میں اس کی طرف سے اجازت دینے کا اختیار نہیں، بلکہ ایسے کام میں اس مال کا خرچ کرنا حرام ہے۔ بنص قرآن شریف آیت کریمہ: ''ان الذین یأکلون أموال الیتامیٰ ظلماً انما یأکلون فی بطونهم ناراً'' (ترجمہ: جو لوگ یتیموں کے مال ظلماً خرچ کرتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں) سے ثابت ہے کہ ایسے مال کا دینا اور لینا دونوں حرام ہیں۔

۲...... اگر بالفرض مال مشترک نہ ہو، یا سب وارث بالغ ہوں، اور سب سے اجازت بھی لی جاوے، تو تجربہ شاہد ہے کہ ایسے حالات میں یہ معلوم کرنا آسان نہیں ہوتا کہ ان سب نے بطیب خاطر اجازت دی ہے، یا برادری اور کنبہ کے طعنوں کے خوف سے اجازت دی ہے۔ اور اس قسم کی اجازت حسب تصریح حدیث مذکور کالعدم ہے۔

۳...... اور اگر بالفرض یہ سب باتیں بھی نہ ہوں، سب بالغ ورثاء نے بالکل خوش دلی کے ساتھ اجازت دے دی ہو، یا کسی ایک ہی شخص وارث یا غیر وارث نے اپنی ملک خاص سے اس کا انتظام کیا ہے، تو مفاسد ذیل سے وہ بھی خالی نہیں۔ مثلاً اس حیلہ کی فقہی

صورت یہ ہوسکتی ہے کہ جس شخص کو اول یہ قرآن اور نقد دیا جاتا ہے، اس کی ملک کر دیا جائے، اور پوری وضاحت سے اس کو بتلا دیا جائے کہ اب تم مالک ومختار ہو، جو چاہو کرو، پھر وہ اپنی خوشی سے بلا کسی رسمی دباؤ یالحاظ ومروت کے میت کی طرف سے کسی دوسرے شخص کو اسی طرح دیدے، اور مالک بنادے، اور پھر وہ شخص اسی طرح کسی تیسرے چوتھے کو دیدے۔لیکن مروجہ رسم میں اس کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا۔اول تو جس کو دیا جاتا ہے، نہ دینے والا یہ سمجھتا ہے کہ اس کی ملک ہوگیا، اور وہ اس میں مختار ہے۔نہ لینے والے کو اس کا کوئی خطرہ پیدا ہوتا ہے، جس کی کھلی علامت یہ ہے کہ اگر یہ شخص اس وقت یہ نقد لے کر چل دے، اور دوسرے کو نہ دے، تو دینے والے حضرات ہرگز اس کو برداشت نہ کریں۔اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں تملیک صحیح نہیں ہوتی، اور بدون تملیک کے کوئی قضا یا کفارہ یا فدیہ معاف نہیں ہوتا۔اسی لئے یہ حرکت بے کار ہو جاتی ہے۔

۴...... مذکورہ صورت میں یہ بھی ضروری ہے کہ جس شخص کو مالک بنایا جائے، وہ مصرف صدقہ ہو، صاحبِ نصاب نہ ہو۔مگر عام طور پر اس کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا، عموماً ائمہ مساجد جو صاحبِ نصاب ہوتے ہیں، انہیں کے ذریعے یہ کام کیا جاتا ہے، اس لئے بھی یہ سارا کاروبار لغو وغلط ہو جاتا ہے، میت کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

۵...... اور اگر بالفرض مصرف صدقہ کا بھی صحیح انتخاب کرلیا جائے، اور ان کو پورا مسئلہ بھی معلوم ہو کہ وہ قبضہ کرنے کے بعد اپنے آپ کو مالک ومختار سمجھے، پھر میت کی خیر خواہی کے پیش نظر وہ دوسرے کو اور اسی طرح دوسرا تیسرے کو تیسرا چوتھے کو دیتا چلا جائے، تو آخر میں وہ جس شخص کے پاس پہنچتا ہے، وہ اس کا مالک ومختار ہے، اس سے واپس لے کر آدھا امام کو اور آدھا دوسرے فقراء کو تقسیم کرنا ملک غیر میں بلا اس کی اجازت کے تصرف کرنا ہے۔جو ظلم اور حرام ہے حسبِ تصریح حدیث مذکور۔

۶...... اور بالفرض یہ آخری شخص اس کی تقسیم اور حصے بخرے لگانے پر آمادہ بھی ہو جائے۔اور فرض کرو کہ اس میں دباؤ سے نہیں دل سے راضی ہو جائے، تو پھر بھی اس طرح

کے حیلہ کا ہر میت کے لئے التزام کرنا، اور جیسے تجہیز و تکفین جیسے واجبات شرعیہ ہیں، اسی طرح اسی درجہ میں اس کو اعتقاداً ضروری سمجھنا، یا عملاً ضروری کے درجہ میں التزام کرنا، یہی احداث فی الدین ہے۔ جس کو اصطلاح شریعت میں بدعت کہتے ہیں۔ اور جو اپنی معنوی حیثیت سے شریعت میں ترمیم و اضافہ ہے۔ نعوذ باللہ

نیز اس حیلہ کے التزام سے عوام الناس اور جہلاء کی یہ جرأت بھی بڑھ سکتی ہے کہ تمام عمر بھی نہ نماز پڑھیں، نہ روزہ رکھیں، نہ حج کریں، نہ زکوٰۃ دیں، مرنے کے بعد چند پیسوں کے خرچ سے یہ سارے مفاد حاصل ہو جائیں گے، جو سارے دین کی بنیاد منہدم کر دینے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو دین کے صحیح راستہ پر چلنے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی توفیق عطاء فرمائے۔

مذکور الصدر اجمالی مفاسد کو دیکھ کر بھی یہ فیصلہ کر لینا کسی مسلمان کے لئے دشوار نہیں کہ یہ حیلے حوالے اور اس کی مروجہ رسوم سب ناواقفیت پر مبنی ہیں، میت کو اس سے کوئی فائدہ نہیں، اور کرنے والے بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۷ ربیع الاول ۷۰؁ھ

مسائل فدیۂ نماز و روزہ وغیرہ

مسئلہ...... جس شخص نے نماز و روزہ، یا حج، زکوٰۃ وغیرہ کی کوئی وصیت کی، تو یہ وصیت اس کے ترکہ کے صرف ایک تہائی حصہ میں جاری کرنا وارثوں پر لازم ہوگا۔ ایک تہائی ترکہ سے زائد کی وصیت ہو، تو وہ سب وارثوں کی اجازت و رضامندی پر موقوف ہے، اگر وہ سب یا ان میں کوئی اجازت نہ دے، تو مشترکہ ترکہ سے وصیت پوری نہیں کی جاسکتی۔ اور اگر وارثوں میں کوئی نابالغ ہے، تو اس کی اجازت بھی معتبر نہیں۔ اس کے حصہ پر ایک

تہائی سے زائد کی وصیت کا کوئی اثر نہ پڑنا چاہئے۔ (ہدایہ، عالمگیری، شامی وغیرہ)

مسئلہ...... جس شخص نے وصیت کی ہو، اور مال بھی اتنا چھوڑا ہو کہ اس کے ایک تہائی میں ساری وصیتیں پوری ہو سکیں، تو وصی اور وارثوں کے ذمہ واجب ہے کہ اس وصیت کو پورا کریں، اس میں کوتاہی کریں یا میت کا مال موجود ہوتے ہوئے اس کے نماز و روزہ کے فدیہ میں حیلہ حوالہ پر اعتماد کر کے مال کو خود تقسیم کر لیں، تو گناہ اُن سب کے ذمہ رہے گا۔

مسئلہ...... وصیت کرنے کی صورت میں واجبات و فرائض کی ادائیگی کی یہ صورت ہوگی:

۱...... ہر روز کی نمازیں وتر سمیت چھ لگائی جائیں گی، اور ہر نماز کا فدیہ پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ہوگی۔ یعنی ایک دن کی نمازوں کا فدیہ ساڑھے دس سیر گندم یا اس کی قیمت ہوگی۔

۲...... ہر روزہ کا فدیہ پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ہوگی۔ رمضان کے روزوں کے علاوہ اگر کوئی نذر (منّت) مانی ہوئی ہے، تو اس کا بھی فدیہ دینا ہوگا۔

۳...... زکوٰۃ جتنے سال کی اور جتنی مقدار مال کی رہی ہے، اس کا حساب کر کے ادا کرنا ہوگا۔

۴...... حج فرض اگر ادا نہیں کر سکا، تو میت کے مکان سے کسی کو حجِ بدل کے لئے بھیجا جائے گا، اور اس کا پورا کرایہ وغیرہ تمام مصارفِ ضروریہ ادا کرنے ہوں گے۔

۵...... کسی انسان کا قرض ہے، تو اس کو حق کے مطابق ادا کرنا ہوگا۔

۶...... جتنے صدقۃ الفطر رہے ہوں، ہر ایک کے پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ادا کی جائے۔

۷...... قربانی کوئی رہ گئی ہو، تو اس سال میں ایک بکرے یا ایک حصہ گائے کی قیمت کا اندازہ کر کے صدقہ کیا جائے۔ (منۃ الجلیل)

۸......سجدۂ تلاوت رہ گئے ہوں، تو احتیاط اس میں ہے کہ ہر سجدہ کے بدلے پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت کا صدقہ کیا جائے۔

۹......اگر فوت شدہ نماز یا روزوں کی صحیح تعداد معلوم نہ ہو، تو تخمینہ سے حساب کیا جائے گا۔

یہ سب احکام اس صورت کے ہیں جس میں مرنے والے نے وصیت کر دی ہو، اور بقدر وصیت مال چھوڑا ہو۔ اور اگر وصیت ہی نہیں کی، یا ادائے وصیت کے مطابق کافی ترکہ نہیں ہے، تو وارثوں پر اس کے فرائض و واجبات کا فدیہ ادا کرنا لازم نہیں۔ ہاں وہ اپنی خوشی سے ہمدردی کرنا چاہیں، تو موجبِ ثواب ہے۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

محرم الحرام۔ کراچی

یہ رسم نہایت قبیح اور واجب ترک ہے الجواب صحیح

بندہ احتشام الحق تھانوی

ابو احمد عزیز الدین

خطیب جامع مسجد راولپنڈی

للہ در المجیب اتی بتحقیق عجیب

محمد ضیاء الحق

مدرسہ اشرفیہ لاہور

الجواب صواب

محمد حسن

خادم جامعہ اشرفیہ لاہور

الجواب صحیح

خیر محمد جالندھری

خیر المدارس ملتان شہر

ترجمه

المقالة المرضية فى حكم سجدة التحية

المسمى

باعدل التعليم فى حكم سجدة التعظيم

تاریخ تالیف ______

مقامِ تالیف ______ ماخوذ از امداد المفتین

غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی صورتوں اور ان کے احکام سے متعلق یہ ایک عربی رسالہ کا اردو ترجمہ ہے جو اب تک امداد المفتین کا حصہ چلا آ رہا ہے۔ اب اسے جواہر الفقہ جدید میں بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

ترجمة المقالة الرضية فى حكم سجدة التحية
مسمى عدل التعليم فى حكم سجدة التعظيم

بعد الحمد والصلوۃ جاننا چاہئے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی چند صورتیں ہیں اور ہر صورت کا یہی حکم ہے۔

سجدۂ عبادت

امتِ مسلمہ کا قرنا بعد قرن اس بات پر اتفاق رہا اور ہے کہ خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنا خواہ وہ انسان زندہ ہو یا مردہ خواہ وہ از قبیل جمادات ہو یا حیوانات، الغرض کوئی بھی خدا تعالیٰ کے سوا ہو اس کو سجدۂ عبادت و بندگی کی نیت وارادہ سے کیا جاوے اور اس کو معبود قرار دے کر سجدہ کریں تو یہ سجدہ صریح کفر اور خروج عن الایمان ہوگا اور اس کا مرتکب یقیناً کافر مرتد ہو جائے گا۔

اور یہ سجدۃ العبادۃ کبھی کسی مذہب حق اور دین الٰہی میں مشروع اور مباح نہیں ہوا، اور نہ ہو سکتا ہے اور نہ کسی اہل علم نے علماء اہل السنۃ والجماعۃ میں سے اس کو کسی وقت جائز قرار دیا ہے بلکہ تمام علمائے سلف وخلف کا اجماع کفر وارتداد ہونے پر رہا ہے۔

سجدۂ تعظیم

البتہ سجدۂ تعظیم یعنی حق تعالیٰ کے غیر کو سجدۂ بندگی وعبادت کے قصد سے تو نہ کریں بلکہ محض ادب و تعظیم کے طور پر جیسے قیام تعظیم کیا جاتا ہے، اسی طرح پر سجدۂ تعظیم کیا جائے اس کے حکم میں تفصیل ہے۔

اگر یہ سجدۂ تعظیم ان چیزوں کو کیا جائے جن کو سجدہ کرنا خاص کفر کی علامت اور کفار کا شعار ہے جیسے بت یا پیپل کا درخت یا گنگا، جمنا یا چاند، سورج وغیرہ تو یہ سجدۂ تعظیم بھی باجماع امت اور باتفاق علماء کفر وشرک ہے، اس کا کرنے والا کافر مرتد ہے، اگر چہ اس کا مرتکب نیت عبادت کی نہ رکھتا ہو کیونکہ شریعت کے احکام ظاہر عمل سے متعلق ہیں نہ نیات سے۔ البتہ ممکن ہے کہ عند اللہ سبحانہ وتعالیٰ وہ مومن ہو مگر احکام دنیا کے لحاظ سے اس کا مرتکب کافر شمار ہوگا اور اس کی دلیل یہ ہے علامہ

ابن حجر ہیثمی اپنی کتاب الاعلام بقواطع الاسلام میں شرح المواقف سے نقل فرماتے ہیں جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو تسلیم کرے اور اس پر ایمان لائے اور بایں ہمہ آفتاب کو سجدہ کرے تو وہ بالا جماع مومن نہیں اس لیے کہ شمس کو سجدہ کرنے سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ مومن ہیں ورنہ ایسی حرکت جو کہ بظاہر کفر ہے اختیار نہ کرتا اور ہمارے حکم باعتبار ظاہر کے ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کے مومن نہ ہونے کا حکم دیا گیا، ہاں اگر ہم کو یہ امر محقق ہو جائے کہ وہ سجدۂ عبادت کے خیال سے نہیں کرتا اور اس کا اعتقاد یہ نہیں کہ آفتاب اس کا رب ہے اور اس کا دل ایمان سے بھرپور ہے تو دیانۃً اس کو کافر نہیں کہا جائے گا لیکن قضاءً اس کو کافر کہیں گے اور تمام معاملات اس کے ساتھ وہی کئے جائیں گے جو کفار کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔

نیز کتاب الزوج مصنفہ ابن حجرؒ میں ہے کہ جو شخص کوئی ایسے کام کرے کہ جو سوائے کافر کے کسی دوسرے سے صادر نہیں ہوسکتا تو وہ شخص کافر کہا جائے گا یعنی قضاءً نہ دیانۃً اگرچہ وہ علانیہ اپنے اسلام کو ظاہر کر رہا ہو جیسے یہودیوں کے کنیسہ میں یہود کے ساتھ ان کے طریقہ پر زنار وغیرہ پہن کر جانا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ خدا کے غیر کو سجدہ کرنا عبادت کی نیت وارادہ سے یا ایسی نیت وکیفیت سے کہ معلوم ہو کہ عبادت کے طور پر سجدہ کر رہا ہے اگرچہ وہ نیت عبادت کا منکر ہو تب بھی اس کا مرتکب بالا جماع کافر ہے۔

سجدۂ تعظیم کی دوسری صورت

دوسرا سجدہ التحیۃ وہ ہے کہ اس میں قصد غیر اللہ کی عبادت کا نہ ہو اور سجدہ بھی ان اشیاء کی طرف نہ ہو جن کو کفار سجدہ کیا کرتے ہیں اور جن کی طرف سجدہ کرنا شعار کافروں کا سمجھا جاتا ہے اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض نے کہا کہ وہ بھی کفر ہے اور بعض نے اس کا انکار کیا لیکن اس پر اتفاق ہے کہ یہ حرام قطعی اور گناہ کبیرہ ہے اور اس کا مرتکب قریب بالکفر ہو جاتا ہے چنانچہ رد المحتار میں امام زیلعیؒ سے منقول ہے اس سجدہ کی وجہ سے کافر نہ ہوگا، کیونکہ اس کی نیت عبادت کی نہیں بلکہ تعظیم وتحیہ مقصود ہے اور امام شمس الائمہ السرخسی فرماتے ہیں کہ اس سجدہ کی وجہ سے بھی کافر ہو جائے گا، کیونکہ غیر اللہ کو سجدہ بہ نیت تعظیم کرنا کفر ہے اور فتاویٰ ظہیریہ میں لکھا ہے کہ غیر اللہ سجدہ کرنے سے خواہ کسی نیت سے وقصد سے ہو انسان کافر ہو جاتا ہے اور فقیہ ابو جعفرؒ فرماتے ہیں کہ جو سلطان اور بادشاہ کو سجدۂ عبادت کی نیت اور عبادت سمجھ کر کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اسی طرح وہ

شخص جس نے سجدہ کیا اس وقت کوئی نیت نہ کی ہو (یہ قول جواہر اخلاطی میں منقول ہے) عالمگیری کتاب الکراہۃ میں لکھا ہے کہ جو بادشاہ کو سجدہ بہ نیت تعظیم کرے اور زمین کو بادشاہ کے سامنے چومے کافر نہیں ہوتا، مگر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے اور یہی قول مفتی بہ ہے۔

جو لوگ سجدۂ غیر اللہ کو مطلقا کفر کہتے ہیں تو اس میں ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جیسے سجدۂ آفتاب اور بت وغیرہ کو کرنا کفر ہے اسی طرح اپنے آباء ومشائخ کو مخلوقات میں سے اور اولیاء اللہ کے مزارات کو) سجدہ کرنا کفر ہے اسی طرح (خواہ کسی نیت وارادہ سے ہو)۔

اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ آباء ومشائخ کے لیے سجدہ کرنا پہلی امتوں کے جائز تھا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے سجدہ کیا (تو چونکہ یہ امر مسلم ہے کہ کفر اور اس کے افعال کی اجازت کبھی کسی مذہب سماوی میں نہیں ہوئی) تو آباء ومشائخ عظام کو سجدۂ بطور تعظیم کرنا مماثل ومشابہ سجدۂ آفتاب وبت کے نہیں کیونکہ آفتاب وبت ودرخت وغیرہ جن کو سجدہ کرنا کفار کا شعار ہے ان کی تعظیم کا امر اور ثبوت امم اسلامیہ اور ملل حقہ اور زبان سماویہ میں کہیں بھی نہیں۔

الغرض چونکہ سجدہ تعظیمی آباء ومشائخ عظام کے لیے ہم سے پہلی شریعتوں میں مشروع تھا اگر چہ ہماری امت کے لیے حرام قطعی ہوگیا مگر جواز سابق کی بناء پر اس کا فعل کفر ہونا مشتبہ ہوگیا اور یہ اصول مسلم ہے کہ اگر کوئی شبہ کسی کے کافر ہونے میں واقع ہوجائے تو اس پر حکم کفر ہونا جاری نہیں کیا جائے گا لہٰذا جو آباء یا مشائخ کو سجدۂ تعظیمی کرے، اس پر حکم کفر نہیں لگایا جائے اگر چہ وہ شخص کافر ہونے کے قریب ہوجاتا ہے۔ (کتاب الاعلام: ۳۳/۳)

چنانچہ کتاب الاعلام میں لکھا ہے چنانچہ سجدۂ تعظیمی آباء ومشائخ کے لیے پہلی شریعتوں میں جائز اور مشروع تھا تو اب سجدۂ تعظیمی جو کہ آباء یا مشائخ کو کرے اس کے مرتکب کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا کیونکہ اب اس کے فعل کفر ہونے میں جرم باقی نہ رہا (کیونکہ جب وہ کسی شرع میں مشروع ہے تو معلوم ہوا کہ وہ فعل کفر نہیں) اور سجدۂ آفتاب اور سجدۂ بت وغیرہ کو یہ ایسا نہیں کیونکہ یہ کبھی جائز نہیں ہوا، اور نہ ہوسکتا ہے تو اس کا مرتکب ضرور کافر ہوگا کیونکہ یہاں پر اس کے جائز ہونے کا شبہ بھی نہیں ہوسکتا اور پہلی صورت میں جائز ہونے کا شبہ ممکن تھا اور جن امور کی تعظیم اسلامیہ میں مشروع نہیں ان کو سجدہ کرنے کی نیت کا اعتبار بالکل نہ ہوگا، کہ وہ کہے کہ میں نے سجدہ تعظیم کے لیے کیا ہے نہ عبادت کے لیے اور مشائخ کو جو سجدہ کرے اس میں نیت کا اعتبار ہوگا اگر

نیت عبادت کی سجدۂ مشائخ میں ہوتو اس کا فاعل کافر ورنہ عاصی ہوگا اور یہ فعل تو گناہِ کبیرہ ہوگا یہاں تک بیان تھا مذاہب کا۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

قرآن کریم میں وارد ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکۃ اللہ علیہم الصلوۃ والسلام نے سجدہ کیا اور تمام مقرب بارگاہِ احد فرشتے جن میں حضرت جبرئیلؑ ومیکائیلؑ جیسے مقرب بھی شامل تھے، تمام ملائکہ کے ساتھ سجدہ میں گر گئے، اور یہ بحکم خداوند تعالیٰ ہوا اور سجدہ نہ کرنے سے شیطان ذلیل وکافر اور شقی ازلی ہوا تو اس تمام تر واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو سجدہ کرنا نہ فقط جائز ہے بلکہ مامور بہ ہے۔

جوابِ شبہ

امام ابوبکر جصاص حنفی اپنی کتاب احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ سجدۂ تعظیمی حضرت آدم علیہ السلام کے لیے بحکم الٰہی جاری کیا گیا تھا اور سب سے پہلے ان کے لیے مشروع ہوا پھر ان کی امت میں بھی مشروع رہا ہے اور غالباً یہ سجدۂ تعظیمی کی مشروعیت برابر باقی رہی یہاں تک کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ان کے بھائیوں نے ان کو سجدہ کیا اور اس زمانہ میں سجدہ غایت تعظیم کے لیے کیا جاتا ہے، جیسے کہ ہماری شریعت میں معانقہ تعظیماً مشروع ہے اسی طرح دست بوسی بھی بعض علماء کے نزدیک بلا کراہت مشروع اور بعض مکروہ فرماتے ہیں مگر سجدہ کو شرع شریف نے کبھی کسی حالت میں کسی ذات کے لیے جائز نہیں کیا اور نہ ہوسکتا ہے اور سجدۂ تعظیمی کی مطلقاً ممانعت احادیث صحیحہ وصریحہ سے قطعی طور سے ثابت ہے چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے جب چاہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کریں تو آپ نے ان کو روک دیا اور فرمایا خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں، سجدہ کی مستحق فقط ذات حق جل وعلا شانہ ہے نہ اور کوئی خواہ ولی ہو یا پیر یا نبی یا کسی بزرگ کا مزار وغیرہ۔

الغرض کوئی بھی ہو اس کو سجدہ کرنا قطعی حرام ہے جیسے کہ روایت سے ثابت ہے اور اس کے راوی حضرت عائشہؓ، حضرت جابرؓ، حضرت انسؓ ہیں کہ سب کا ماحصل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کسی انسان کو سزاوار نہیں کہ کسی بشر اور آدمی کو سجدہ کرے اور اگر یہ زیبا ہوتا تو میں

حکم کرتا کہ عورتیں اپنے ازواج اور خاوندوں کو سجدہ کریں، اس لیے کہ خاوند کے حقوق زوجہ پر بہت زیادہ ہیں پس خلاصہ یہ ہے کہ سجدۂ تعظیمی شرعاً قطعی حرام ہے اور اس کا گناہ مرتکب عاصی ہے اور یہ فعل گناہ کبیرہ ہے۔

فائدہ

جہاں حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس امت مرحومہ کو طرح طرح کی نعمتیں اور فضیلتیں عطا فرمائی ہیں اور کنتم خیر امۃ فرما کر امت کی شان کو دوبالا کیا ہے اسی طرح اس کے ساتھ معاملہ بھی غایت رحمت کا فرمایا ہے، اسی وجہ سے اس امت پر اس قسم کے احکام نازل فرمائے گئے جن سے کہ امت کی پوری طرح گمراہی سے حفاظت ہو اور جب ایک چیز کو ممنوع کرنا منظور ہوا تو اس شئے کے لوازمات اور وہ تمام چیزیں حرام قرار دی گئیں جو کہ ذریعہ ہوسکتی تھیں اس شئے تک پہونچنے کا مثلاً زنا حرام کیا تو اس کے ساتھ دواعی بھی حرام کئے گئے ہیں۔ بت پرستی حرام کی گئی تو ساتھ ہی جاندار کی تصاویر کا بنانا اور رکھنا یہاں تک کہ دیکھنا بھی حرام قرار دیا گیا اور چونکہ آفتاب پرست سورج کو صبح شام پوجتے ہیں لہٰذا اس وقت خاص نماز فجر وعصر ممنوع قرار دی گئی محض اس وجہ سے کہ آئندہ کہیں لوگ یہ خیال نہ کرنے لگیں کہ یہ نمازیں تعظیم شمس کے لیے مشروع اور شرک کی برائی بلا میں گرفتار ہوجائیں اور شریعت غراء میں اس کا بھی پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ الفاظ میں بھی اہلِ شرک سے ادنیٰ سی مشابہت پیدا نہ ہو تا کہ کبھی ایک عرصہ دراز کے بعد یہ سبب شرک نہ ہوجائے اور امم سابقہ کی طرح یہ امت بھی ہلاک نہ ہوجائے۔

چنانچہ فرمایا کہ غلام اپنے آقا کو یارب کہہ کر آواز نہ دیا کرے ادھر آقا کو بھی روک دیا کہ وہ اپنے غلام کو یا عبدی کہہ کر نہ پکارے اس کی ہی برکت سے یہ امت مرحومہ اسلام باوجودیکہ اپنی عمر کی تیرھویں صدی ختم کرچکی ہے مگر دین میں زیادتی ونقصان اور شرک وکفر میں بفضلہ تعالیٰ ایسی مبتلا نہیں ہوئی جیسی پہلی امتیں، اور بوعدۂ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون اور انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ حفاظت میں رہے گی اور یہ نعمت حفاظت تامہ خاصہ امت امینہ کا ہے اور امم سابقہ میں یہ نعمت علی وجہ الاکمل بحسب الاحکام نہ تھی کیونکہ ان کے لیے حرام صرف وہ اشیاء تھیں جن کا حرام کرنا منظور تھا اور ان کے دواعی حرام نہ تھے چنانچہ امم سابقہ کے لیے تماثیل وتصاویر کا استعمال

مباح تھا انہوں نے اس میں غلو کیا اور احد جو کوئی نامور انسان ہوتا ہے اس کی تصویر کی تعظیم کرنے لگتے یہاں تک کہ شرک و کفر کی مصیبت میں مبتلا ہوگئے اس کے علاوہ ہزار ہا نظائر اس کے موجود ہیں۔

الغرض اس تمام تقریر سے واضح ہوگیا کہ تحقیق اور حق سجدہ التحیۃ کے بارے میں یہ ہے کہ سجدۂ تعظیمی فی نفسہ کفر و شرک نہیں ہے اس وجہ سے پہلی امتوں میں سجدۂ تعظیمی جائز تھا البتہ ذریعہ کفر و شرک ضرور ہے اور صورت بھی فعل کفر ہے اور اسی وجہ سے یہ سجدۂ تعظیمی امم سابقہ اور قرون ماضیہ میں ذریعہ شرک بن گیا تھا اور وہ کفر میں اس کی وجہ سے مبتلا ہوگئے تھے جس کی وجہ سے وہ دنیا میں عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوگئے اور آخرت میں عذاب ابدی کے مستحق ہوئے تو اس بناء پر خداوند قدوس کی رحمت بے پایاں اور لطف و کرم عمیم کا تقاضا ہوا کہ اس امت خیر الامم پر انعام کیا جائے اور بقاء ہدایۃ اور نجات عن الضلالۃ کے لیے مناسب یہ ہے کہ ذریعہ کفر و شرک کو بھی حرام قرار دیا جائے، اگر چہ وہ ذریعہ بہت دور کا تعلق کفر و شرک کے ساتھ رکھتا ہو (جیسے کہ تصاویر کا تعلق شرک سے) اسی وجہ سے سجدۂ تعظیمی کا جواز منسوخ ہوگیا اور امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام کے لیے ہمیشہ تعظیم ممنوع قرار دیا گیا اس پر یہ شبہ ہے۔

شبہ: سجدۂ تعظیمی جبکہ کفر و شرک کی مذکورہ صورتوں میں داخل نہ ہوا تو اس کا جواز پہلی امتوں کے لیے آیات قرآنیہ سے ثابت ہے جیسے آدم علیہ السلام کے لیے فرشتوں سے سجدہ کرانا او رحضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے صاحبزادوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا وغیرہ ،تو اس حکم قرآنی کو اس امت کے لیے منسوخ قرار دینا اس وقت صحیح ہوسکتا ہے جبکہ یا خود قرآن کریم میں اس کا نسخ وارد ہوا ہو یا احادیثِ متواترہ سے نسخ ثابت ہو اور مسئلہ مذکورہ میں بظاہر ایک خبر واحد (حدیث کی ایک اصطلاحی قسم ہے) کے سوا کوئی چیز ناسخ معلوم نہیں ہوتی ،تو یہ نسخ کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔

جواب: اول تو آیات جو سجدۂ تعظیمی کے جواز کے متعلق نقل کی گئی سجدۂ تعظیمی کے لیے صریح نہیں بلکہ دوسرے احتمالات بھی ان میں ہیں جو اکابر مفسرین سے ان کی تفسیر میں منقول ہیں جو آخر میں بضمن فائدہ نقل کئے گئے لہٰذا جوازِ سجدہ کا حکم بوجہ ظنی الدلالۃ ہونے کے قطعی نہ رہا بلکہ ظنی ہوگیا اور اس کا نسخ خبر واحد سے بھی ہوسکتا ہے، علاوہ ازیں جس حدیث کی وجہ سے ہم ان آیات کو منسوخ قرار دیتے ہیں وہ خبر آحاد سے نہیں بلکہ حدیث مشہور ہے بلکہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہے

اور اس قسم کی حدیث سے آیت کریمہ کا نسخ باعتبار علم الاصول صحیح اور درست اور واقع ہے اور اس حدیث کا مشہور اور حد تواتر کو پہنچنا بوضاحت ثابت ہے جس کی تفصیل حاشیہ بیان القرآن میں مذکور ہے۔

چنانچہ ترمذی شریف میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور حضرت سراقہ بن مالک اور حضرت صہیب اور حضرت عقبہ بن جشم اور حضرت صدیقہ عائشہؓ اور حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی اور حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہم اور حضرت ام سلمہ، حضرت انس، حضرت ابن عمر سے، تو ثابت ہوگیا کہ یہ حدیث مشہور ہے نہ کہ خبر واحد، لہٰذا نسخ جائز ہے، اور بعض اکابر نے کثرۃ رواۃ کی بنا پر اس حدیث کو متواتر کہا ہے۔

الغرض حدیث ما ینبغی لبشر ان یسجد لبشر ولو صلح لبشر ان یسجد لبشر لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا من عظم حقہ علیھا

حدیث مشہور بلکہ متواتر، لہٰذا اس کے ناسخ ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیوں کہ یہ حدیث بیس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین سے منقول ہے اور جو حدیث دس صحابہ کرام سے منقول ہو وہ موافق قول راجح اور مختار متواتر ہے لہٰذا یہ حدیث بھی علی وجہ الاتم متواتر ہوگئی اور اگر کوئی متواتر بھی تسلیم نہ کرے تو مشہور ہونے سے منکر نہیں ہوسکتا اور حدیث مشہور سے نسخ آیت کریمہ جائز ہے جیسے کتب اصول میں مصرح ہے۔

علاوہ ازیں اجماعِ امت یہی ہے کہ سجدۂ تعظیمی حرام ہے اور کسی امام یا مجتہد یا فقیہ کا زمانہ سلف اور خلف میں اس بارے میں اختلاف مذکور نہیں، بلکہ اجماع تام اس کی حرمت پر ہے رہا یہ امر کہ بعض صوفیہ سے کتب تواریخ میں جواز منقول ہے اول تو یہ نقل صحیح نہیں اور اگر اس کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو ان کے قول کا اعتبار بمقابلہ اجماع امت کے نہیں ہوسکتا جب کہ اجماع علمائے خلف وسلف اس کے خلاف پر قرنا بعد قرن رہا اور ہے ساتھ ہی یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ صوفیاء پر اس باب میں طعن بھی مناسب نہیں کیونکہ وہ تحقیقات علمیہ میں مشغول نہیں رہتے تھے، وہ معذور ہیں لہٰذا ان کے فعل سے حجت پکڑنا درست نہیں خصوصا جب کہ اکابر صوفیہ سے بھی حرمت سجدہ تعظیمی منقول ہے۔

فائدہ:

معترض نے جو حجت قرآن کریم سے پکڑی ہے وہ مختلف فیہ ہے کیونکہ بعض مفسرین فرماتے ہیں خروا لہ سجدا اور فسجد الملئکۃ کلھم اجمعون اس کے امثال کے معنی سجدۂ حقیقی نہیں بلکہ یہ کنایہ تعظیم سے ہے اور اس کی تائید میں فقہ عربی سے کلام شعراء پیش کرتے ہیں اور بعض مفسرین کا یہ قول ہے کہ معنی خرولہ اور اسجدوا لادم کے یہ ہیں کہ یا آیت میں اخوہ یوسف نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جہت سجدہ قرار دیا اور لادم کا معنی الی آدم کے ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ انہوں نے حق تعالیٰ کو سجدہ کیا، اس طور سے کہ انہوں کے سجدہ کا رخ حضرت یوسف علیہ السلام کی جانب تھا اور ان کو بمنزلہ قبلہ بنائے ہوئے تھے اور اس طرح اسجدوا لادم کے معنی کہ آدم کی طرف رخ کر کے حق تعالیٰ کو سجدہ کیا اور بعض مفسرین کا یہ قول ہے کہ لام کے معنی سبب کے ہیں تو معنی خرولہ سجدا کے یہ ہیں کہ اخوۃ یوسفؑ نے حق تعالیٰ کو سجدہ کیا حضرت یوسفؑ کی وجہ سے کیونکہ حق تعالیٰ کی بڑی نعمت یعنی حکومت ان کے خاندان میں آگئی، بذریعہ یوسف علیہ السلام کے اور معنی اسجدوا لادم یہ ہیں کہ حکم ہوا حق تعالیٰ شانہ کا کہ ہم کو سجدہ کرو اس نعمت کی وجہ سے جو تم پر آدم کی وجہ سے کی گئی ہیں۔

الغرض ان اقوال کو اگر تسلیم کیا جائے تو پھر اس جواب کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ یہ آیتیں منسوخ ہیں، بلکہ اس صورت میں کسی آیت سے سجدۂ تعظیم کا جواز مستفاد ہی نہیں ہوتا۔ وہو المرام۔

خلاصہ:

تمام رسالہ کا یہ ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا اگر بقصد عبادت ہو یا بصورت عبادت خواہ نیت عبادت کی نہ ہو یہ دونوں صورتیں باجماع کفر و شرک میں داخل ہیں اس کے علاوہ جتنی صورتیں ہیں بعض علماء تو ان کو بھی کفر و شرک قرار دیتے ہیں، اور بعض اس میں احتیاط کرتے ہیں مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حرام و ناجائز اور قریب بکفر ہے حق تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم .

حررہ سید حسن

صین عن الحوادث والفتن فی سبع مضین من شعبان المعظم ۱۴۰۶ھ

فہرست عنوانات بترتیب حروف تہجی

ب

پ

﴿ت﴾

﴿ج﴾

﴿چ﴾

﴿ح﴾

﴿خ﴾

﴿د﴾

﴿ ڈ ﴾

﴿ ر ﴾

﴿ ز ﴾

﴿ س ﴾

﴿ف﴾

﴿ق﴾

﴿ک﴾

﴿م﴾

﴿ن﴾

و

ی